(سفرنامہ)

امریکہ

نائن الیون سے پہلے اور بعد

میاں محمد ابراہیم طاہر

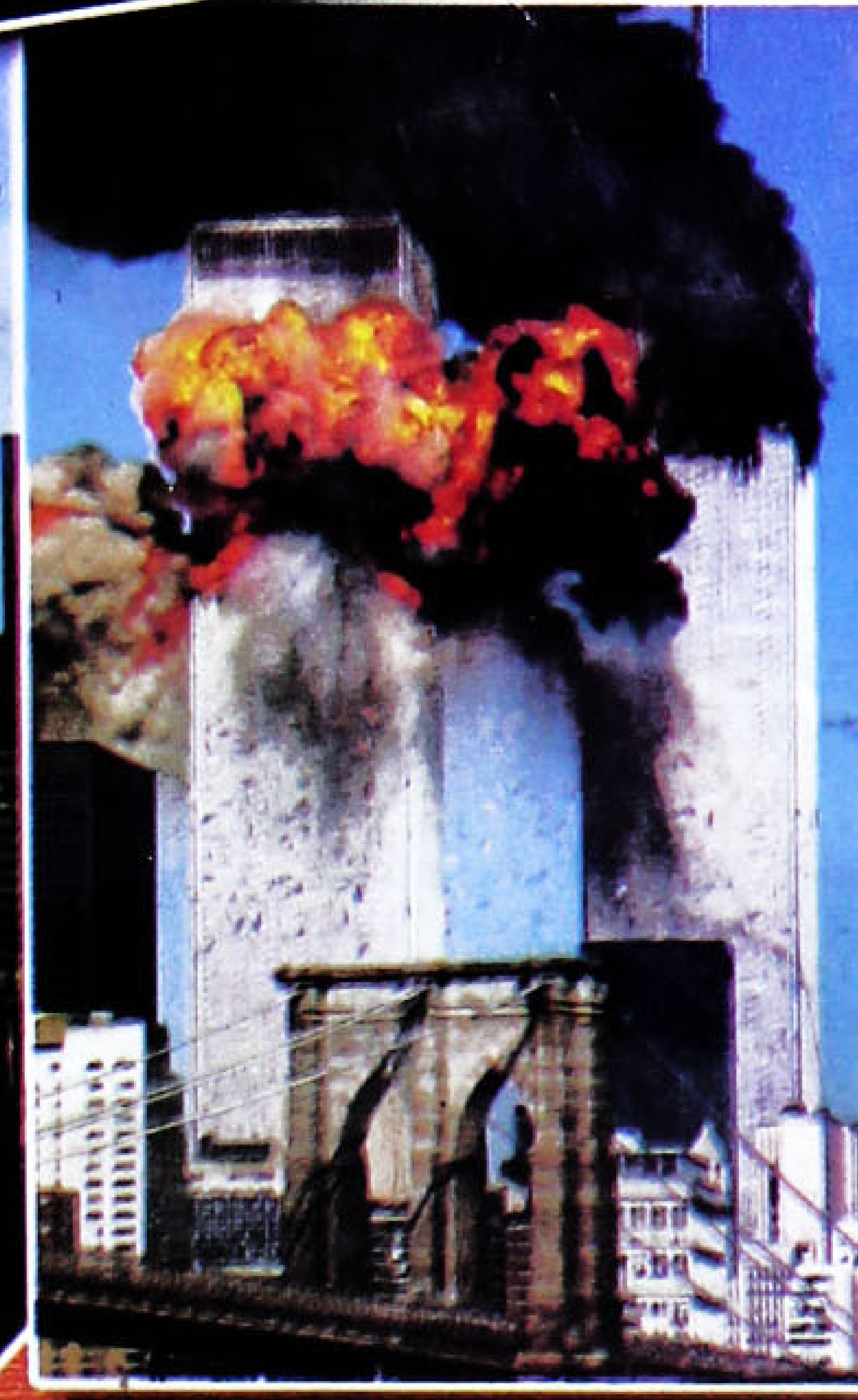

Marfat.com

سفرنامہ امریکہ

امریکہ

9/11 سے پہلے اور بعد

AMERICA

BEFORE AND AFTER 9/11

تحریر و ترتیب

میاں محمد ابراہیم طاہر

WRITTEN & COMPILED BY
M.M. IBRAHIM TAHIR

Marfat.com

102356

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

اس کتاب کے کسی بھی حصے کی فوٹو کاپی، سکیننگ اور کسی بھی قسم کی
اشاعت مصنف کی تحریری اجازت کے بغیر نہیں کی جا سکتی

نام کتاب: امریکہ 9/11 سے پہلے اور بعد

تحریر و ترتیب: میاں محمد ابراہیم طاہر، فون نمبر 0300-4154083

منتظم اشاعت: عارف محمود

کمپوزنگ: شاہد امان

سال اشاعت: جون 2010ء

قیمت: =/350 روپے

رابطہ کے لیے:

ماہنامہ حکایت 26 پٹیالہ گراؤنڈ لاہور

ناشر: حکایت پبلشرز۔ 26 پٹیالہ گراؤنڈ لاہور۔ فون: 7356541

اسٹاکسٹ: مکتبہ داستان۔ 26 پٹیالہ گراؤنڈ لاہور۔ فون: 7321898

Marfat.com

فہرست

حصہ اوّل

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	9/11	9
2	امریکہ کا تیسرا پھیرا	10
3	پاک امریکہ تعلقات کا اجمالی جائزہ	13
4	ایٹمی دھماکے اور ڈالر اکاؤنٹ منجمد	18
5	حکمرانوں نے راتوں رات اربوں ڈالر باہر بھجوا دیئے	23
6	وزیر خزانہ کے نام خط	25
7	وزیراعظم کے نام خط	26
8	گورنر سٹیٹ بنک کے نام خط	27
9	نئے سرے سے ویزہ کا حصول	28
10	امریکن ویزے کی شرائط	33
11	امریکن کونسلیٹ کے پمفلٹ سے ہدایات	33
12	برٹش ویزہ	41
13	سفر کی تیاری	44
14	دوبئی	46
15	جہاز میں جرمن دوست سے اچانک ٹاکرا	47

Marfat.com

50	دوبئ سے جرمنی	16
51	جرمنی میں آمد	17
52	جرمنی میں دس روز	18
65	جرمنی سے لندن	19
68	لیور پول	20
70	برمنگھم سے روانگی	21
74	نیویارک آمد	22
79	بالٹی مور	23
82	بالٹی مور میں	24
84	داڑھ کا درد	25
86	نواز شریف حکومت کا خاتمہ	26
87	بالٹی مور میں شدید ترین سمندری طوفان	27
88	ویزے میں توسیع	28
90	نئی جگہ، نیا جاب	29
93	پٹھی بھائی	30
94	بس کا روٹ بڑھوالیا	31
95	ڈاکو پکڑوا دیئے	32
100	سٹیٹ اٹارنی کے خط کی کاپی	33
101	ایک خوشگوار تجربہ	34
102	کیا آپ مسلمان ہیں؟	35
103	MAI ماۓ	36

Marfat.com

37	شادی میں شرکت	108
38	چوتھا بیٹا	114
39	الزبتھ	115
40	مہرباں کیسے کیسے	118
41	خاونداور بیٹے جیل میں ہیں	123
42	11 ستمبراورنئی پابندیاں	126
43	جہازوں کا اغواء	131
44	امریکن ایئرلائن فلائٹ نمبر 11	131
45	یونائٹڈ ایئرلائن فلائٹ نمبر 175	132
46	ٹون ٹاورز کی تباہی	133
47	''پنٹاگان'' کی تباہی	133
48	9/11 کو ہائی جیک ہونے والا چوتھا جہاز	135
49	9/11 کے بعد......رجسٹریشن	137
50	ہماری رجسٹریشن اور آنسوؤں کی جھڑی	138
51	امریکہ سے واپسی	142

حصہ دوم

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
52	9/11 کیوں اور کیسے؟	147
54	امریکن پریس کا رویہ	154
55	یہ کتاب لکھنے کا خیال کیسے آیا؟	160

Marfat.com

56	اس کتاب کے ابواب	163
57	سرکاری ساز باز کے ممکنہ معنی	164
58	جھوٹ پر مبنی واقعات کی تفصیل	164
59	انٹیلی جنس ایجنسیاں کس واقعہ کی منتظر تھیں	164
60	انٹیلی جنس ایجنسیوں کو قطعی واقعہ کی توقع	165
61	انٹیلی جنس ایجنسیاں منصوبے میں شامل تھیں	165
62	پنٹاگان ملوث تھا	165
63	وائٹ ہاؤس کو کس واقعہ کی توقع تھی	165
64	وائٹ ہاؤس کو پہلے سے علم تھا	166
65	وائٹ ہاؤس منصوبہ بندی میں شریک تھا	166
66	سازش کا نظریہ	169
67	اس تجزیہ کو 9/11 کے حملوں پر منطبق کرنا	170
68	ہائی جیکروں کا مشن کیسے کامیاب ہوا؟	172
69	امریکن ایئرلائن فلائٹ 11	172
70	یونائٹڈ ایئرلائن فلائٹ نمبر 175	177
71	ٹون ٹاورز Twin Towers	186
72	ورلڈ ٹریڈ سنٹر، بلڈنگ نمبر 7	196
73	فلائٹ نمبر AA-77	202
74	کیا شناخت کے ذرائع قابل اعتماد تھے؟	205
75	عملی ثبوت کہ پنٹاگان سے بوئنگ 757 نہیں ٹکرایا	208
76	دہشت گردوں نے ویسٹ ونگ کو ہی کیوں نشانہ بنایا؟	219

Marfat.com

77	کیا ایک ناتجربہ کار پائلٹ جہاز اڑا سکتا تھا؟	220
78	کیا فلائٹ 77 واقعی آدھے گھنٹے کے لیے غائب ہو گئی تھی؟	221
79	حملہ روکا کیوں نہیں جا سکا؟	222
80	پنٹاگان کو خالی کیوں نہیں کرایا گیا؟	225
81	میسان تھیوری پر سرکاری ردِعمل	226
82	فلائٹ نمبر UA-93	227
83	صدر کا طرزِ عمل	235
84	کیا امریکن حکام کو 9/11 کے حملوں کی پہلے سے اطلاع تھی؟	241
85	کیا ان حملوں کا کسی نے پیشگی اندازہ نہیں لگایا تھا؟	242
86	کیا حملوں کے بارے میں کوئی قطعی وارننگ موجود نہ تھی؟	244
87	کیا امریکن حکام نے تحقیقات میں روڑے اٹکائے؟	252
88	اسامہ اور القاعدہ کے تعاقب میں عدم دلچسپی	252
89	بش، بن لادن اور سعودی شاہی خاندان کے تعلقات	255
90	ایف۔بی۔آئی ایجنٹ کی رپورٹ سے اغماض	258
91	ایف۔بی۔آئی منی پولس کے راستے میں روڑے اٹکانا	260
92	شکاگو میں ایف۔بی۔آئی کے راستے میں رکاوٹیں	264
93	ایف۔بی۔آئی نیویارک کی راہ میں رکاوٹیں	265
94	ایک جاسوس کے لیے انصاف	265
95	شپرز، ایف۔بی۔آئی بنام یو ایس گورنمنٹ	266
96	ہائی جیکروں کی درست شناخت کا سوال	268
97	کیا 9/11 حملوں میں امریکن انتظامیہ ملوث ہے؟	271

Marfat.com

98	9/11 سے پہلے افغانستان پر حملے کا منصوبہ	271
99	9/11 سے پہلے عراق پر حملے کا پلان	275
100	نیا پرل ہاربر	280
101	اسامہ بن لادن اور القاعدہ کو کچلنے کے خلاف مزاحمت	293
102	پاکستان کی آئی۔ایس۔آئی (ISI) کے کردار کی پردہ پوشی	297
103	مزید ثبوت کہ آئی۔ایس۔آئی کے خلاف تحقیقات کی جائے	306
104	FBI کا فلائٹ سکول، انویسٹی گیشن سے فرار	311
105	ایف۔بی۔آئی کی طرف سے عمر البیومی کی فوری رہائی	313
106	این۔ایس۔اے میں معاملات کی پردہ پوشی	314
107	موسودی کا ملوث ہونا	314
108	سزا کی بجائے ترقیاں	316
109	کس کو فائدہ پہنچا؟	319
110	سرکاری سازش کے ثبوت	326
111	مسلم دنیا کو دہشت گرد قرار دینے کے لیے ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پنٹا گان کو بارود سے اڑانے کا منصوبہ امریکہ نے خود بنایا	329
112	9/11 کا الزام امریکی حکومت پر لگانے والے پروفیسر کو کر جبری رخصت پر بھیج دیا گیا	335
113	امریکہ ایسا تو کبھی بھی نہیں تھا	338

Marfat.com

نائن الیون (9/11)

نائن الیون کا واقعہ اکیسویں صدی کا ایک ایسا تباہ کن حادثہ ہے جس نے دنیا کی تاریخ کا رخ بدل کے رکھ دیا ہے۔ اس حادثے کے پیچھے کن لوگوں کا ہاتھ تھا۔ کون لوگ اس کی منصوبہ بندی کی سازش میں ملوث تھے اور امریکن ٹریڈ سنٹر اور امریکہ کے دفاعی ہیڈ کوارٹر "پنٹاگان" کے ایک حصے کی تباہی سے کن لوگوں کو سیاسی اور مالی فائدہ پہنچا؟ اس بارے میں اب تک بے شمار کتابیں، مضامین، مقالے اور تحقیقاتی رپورٹیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں لیکن کوئی ایک کتاب، مضمون، مقالہ یا رپورٹ اب تک اصلی محرکات کو منظرِ عام پر لانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

صحافیوں، دانشوروں، مصنفین اور قانونی ماہرین کی اکثریت اس شبہے کا اظہار کرتی ہے کہ کسی نہ کسی سطح پر خود امریکن حکومت، اس کی انٹیلی جنس ایجنسیاں اور نہایت اوپر کی سطح کی سیاسی قیادت اس میں ملوث ہے کیونکہ صدر بش کی نامقبول قیادت کو اس واقعہ سے اپنے جنگی عزائم، جن کی منصوبہ بندی برسر اقتدار آنے سے پہلے ہی کر لی گئی تھی پر عمل پیرا ہونے میں بے پناہ مدد ملی اور اسے عالم اسلام کے خلاف دہشت گردی کی آڑ میں تاریخ انسانی کی سب سے بڑی صلیبی جنگ شروع کرنے کا سنہری موقع ہاتھ آ گیا۔

بش انتظامیہ کے ایک تھنک ٹینک اور پالیسی ساز ادارے پراجیکٹ فار دی نیو امریکن سنچری (امریکہ کا نئی صدی کے لیے منصوبہ) جو سال 2000ء میں بش کی انتخابی مہم کے دوران شائع کیا گیا تھا۔ اس میں واضح طور پر لکھا تھا۔

"امریکہ کو آئندہ (اکیسویں) صدی کی سب سے بڑی سپر پاور

Marfat.com

بنانے اور دنیا سے منوانے کے لیے لمبی مدت درکار ہوگی، تاوقتیکہ "پرل ہاربر" کی طرح کا کوئی تباہ کن اور ہیجان انگیز انقلاب عظیم واقع ہو جائے"

(Project for the new american century)

9/11 کے روز، رات کو بستر پر لیٹنے سے پہلے بش نے اپنی ڈائری میں لکھا۔

"آج اکیسویں صدی کا "پرل ہاربر" وقوع پذیر ہو گیا"۔

چنانچہ 9/11 کے نتیجے میں بش کو عالم اسلام کے خلاف اپنے مکروہ عزائم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے عوام، کانگریس اور سینٹ کی اتنی زیادہ اور فوری حمایت حاصل ہوگئی جتنی کہ "پرل ہاربر" کے واقعہ کے بعد امریکہ کو دوسری جنگ عظیم میں کودنے کے لیے حاصل ہوگئی تھی۔

مصنف چونکہ 9/11 کو بذات خود امریکہ میں موجود تھا اور تمام واقعات کا عینی شاہد ہے۔اس لیے اپنے ذاتی تاثرات کے علاوہ مستند ذرائع سے حاصل ہونے اور چونکا دینے والی معلومات اس کتاب میں پیش کر دی ہیں۔

امریکہ کا تیسرا پھیرا

میرے امریکہ کے پہلے دو سفروں کی روئداد میری کتاب "عالمی سفرنامہ" (اشاعت دسمبر 2005ء) میں چھپ چکی ہے۔

1997ء میں مَیں واشنگٹن ڈی سی کے نواحی علاقے، میری لینڈ سٹیٹ میں واقع اینڈریوز ایئر فورس بیس کے قریب "کلنٹن" کے علاقے میں ووڈیارڈ روڈ پر موبل گیس سٹیشن پر رات کی شفٹ کا انچارج تھا۔ یہ گیس سٹیشن چوہدری محمد جاوید اور میاں محمد شریف صاحبان جو آپس میں کزن ہیں، کی ملکیت تھا۔ چوہدری صاحبان میرے کام اور انتظام سے بہت خوش اور مطمئن تھے اور انہوں نے مجھے گرین کارڈ کے لیے سپانسر شپ دے دی تھی اور واشنگٹن ڈی۔ سی کے سب سے زیادہ کامیاب اور شہرت یافتہ یہودی وکیل مسٹر ریمس کے ذریعے میرا کیس محکمہ امیگریشن کے پاس داخل کرا دیا تھا اور مجھے امریکہ میں رہنے اور کام کرنے کی اجازت بھی مل چکی تھی۔

اسی سال امریکن کانگرس نے سال 1988ء کے امیگریشن قوانین کی جگہ نیا قانون

Marfat.com

پاس کر دیا جس کے تحت ہر اس فرد کو جو اس قانون کے نفاذ کے وقت امریکہ میں مقیم تھا، اس کا کیس خواہ فائنل سٹیج پر ہی کیوں نہ ہو، اسے لازمی طور پر امریکہ چھوڑ کر اپنے ملک واپس جانا تھا۔ اس کا کیس اس کے ملک میں واقع امریکن ایمبسی کے ذریعے پروسیس ہو کر اگر منظور ہو گیا تو ایسا شخص ایمبسی سے گرین کارڈ لے کر امریکہ واپس آسکے گا۔ اس نئے قانون میں اس بات کا قطعاً خیال نہیں رکھا گیا تھا کہ ایسے شخص کے امریکہ میں روزگار، کاروبار اور اگر شادی شدہ ہے تو بیوی بچوں کا امریکہ سے اس کی غیر حاضری میں کیا بنے گا؟

اس نئے امیگریشن قانون کا نفاذ 27 ستمبر سے ہونا تھا۔ میرے وکیل نے مجھے مشورہ دیا کہ چونکہ اس نئے قانون میں فی الحال فوری تبدیلی کا امکان نظر نہیں آتا لہٰذا بہتر ہوگا کہ میں 27 ستمبر سے قبل اپنے ملک واپس چلا جاؤں اور اسلام آباد میں واقع امریکن ایمبسی کے ذریعے اپنے گرین کارڈ کا انتظار کروں۔ اس نے یہ بھی مشورہ دیا تھا کہ اس کی لیگل فیس کی بقایا اقساط باقاعدگی سے ادا کرتا رہوں تاکہ اس کا سٹاف میرے کیس کی پیروی میں مستعدی سے کام کرتا رہے اور کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔

چنانچہ اپنے وکیل کے مشورے کے مطابق میں نے اسے دسمبر تک کی فیس کا چیک بھیج دیا اور اسے یقین دلایا کہ اگلے سال کی فیس کی اقساط میں پاکستان میں موجود اپنے ڈالر اکاؤنٹ سے بھیجتا رہوں گا۔ 20 ستمبر کو میں نیشنل ایئر پورٹ واشنگٹن ڈی۔ سی سے روانہ ہو کر جے۔ ایف کینیڈی ایئر پورٹ، نیویارک پہنچا اور وہاں سے اپنی قومی ایئر لائن پی۔ آئی۔ اے سے روانہ ہو کر 21 ستمبر کو رات 10 بجے لاہور پہنچ گیا۔

اس کے بعد حالات نے کیا رخ اختیار کیا۔ اگلے صفحات میں پڑھیے۔

Marfat.com

حصہ اول

امریکہ 9/11 سے پہلے

Marfat.com

پاک امریکہ تعلقات کا اجمالی جائزہ

پاکستان اور امریکہ کے درمیان تعلقات کی تاریخ نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہے۔ جب 1947ء میں پاکستان معرضِ وجود میں آیا اسی وقت دونوں ملکوں میں دوستانہ تعلقات استوار ہو گئے۔ پاکستان کو اپنے قیام کے وقت سے ہی ہندوستان سے خطرات کا سامنا تھا۔ جبکہ روس کی بڑھتی ہوئی طاقت سے امریکہ خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ وہ پاکستان میں روس کے خلاف فوجی اڈے قائم کرنا چاہتا تھا۔ ان اڈوں کا بنیادی مقصد بحر ہند اور خلیج فارس میں روسی ریچھ کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو روکنا تھا۔

خلیجی ممالک میں امریکہ کا دیرینہ دوست ایران تھا۔ ایران میں امریکن خفیہ ایجنسی سی۔ آئی۔ اے (CIA) کا ہیڈ کوارٹر موجود تھا، جو خلیج اور جنوبی ایشیا پر نظر رکھتا تھا۔

امریکہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنا پاکستان کی مجبوری تھی۔ کیونکہ ایک طرف روس کی پشت پناہی اور ہندوستان کی اشیر باد سے افغانستان نے ''پختونستان'' کا سٹنٹ کھڑا کر کے پاکستان کی مخالفت شروع کر رکھی تھی اور دوسری طرف بھارت آئے دن پاکستان کو ریت کی دیوار سمجھ کر نیست و نابود کرنے کے لیے دھمکیاں دیتا رہتا تھا۔

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم خان لیاقت علی خاں کے دورِ حکومت تک روس نے کبھی پاکستان کی مخالفت نہیں کی تھی بلکہ بھارت کے ساتھ ساتھ پاکستان کی طرف بھی دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا اور وزیر اعظیم کو 1948ء میں روس کے دورے کی دعوت دی تھی۔ بعدازاں جب امریکہ نے بھی لیاقت علی خاں کو امریکہ آنے کی دعوت دی تو انہوں نے روس کو نظر انداز کرتے ہوئے امریکہ کے دورے کو ترجیح دی جس پر ناراض ہو کر روس نے

Marfat.com

بھارت اور افغانستان سے دوستانہ تعلقات استوار کر لیے۔ 1964ء میں پشاور سے پرواز کر کے روس کی جاسوسی کرنے والے ایک امریکن ہوائی جہاز کو روس نے مار گرایا اور روسی صدر نے غضب ناک ہو کر اعلان کر دیا کہ ''میں نے پشاور کے اس ہوائی اڈے پر سرخ نشان لگا دیا ہے جہاں سے جاسوس طیارے نے پرواز کی تھی''۔

امریکہ کی نظر میں جنوبی ایشیاء میں سب سے کمزور اور غیر مستحکم ملک پاکستان تھا (اور ہے) اس کے باوجود روسی اثر و رسوخ کو پھیلنے سے روکنے کے لیے امریکہ نے اس کمزور و ناتواں ملک سے دوستانہ تعلقات استوار کر لیے اور پاکستان کو سیٹو اور سنٹو کا ممبر بنا لیا۔ 1960ء تک پاکستان کو امریکہ سے بے حساب فوجی اور اقتصادی امداد مل رہی تھی، کیونکہ پاکستان کی جغرافیائی پوزیشن بڑی اہمیت کی حامل تھی۔

فیلڈ مارشل صدر ایوب کے دور حکومت میں پاکستان نے امریکہ سے کئی معاہدے کیے اور مکمل طور پر امریکی کیمپ میں چلا گیا اور امریکہ نے پاکستان میں جاسوسی کے اڈے قائم کر لئے۔

1965ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران امریکہ نے پاکستان کو اسلحہ کی سپلائی پر پابندی لگا دی اور بہانہ یہ بنایا کہ امریکی امداد اور اسلحہ صرف کیمونسٹ حملوں سے بچاؤ کے لیے ہے، ہندوستان کے خلاف لڑنے کے لیے نہیں، اس سے تعلقات میں قدرے کشیدگی اور شکر رنجی پیدا ہو گئی۔

1971ء میں جب بنگلہ دیش پر پاکستان اور بھارت کی جنگ ہوئی تو امریکہ نے ایک دفعہ پھر پاکستان کو دھوکے اور اندھیرے میں رکھا۔ ایک طرف پاکستان کو کہتا رہا کہ اس کا ساتواں بحری بیڑہ پاکستان کی مدد کے لیے خلیج بنگال کی طرف بڑھ رہا ہے، دوسری طرف پاکستان کے دشمنوں کو شہ دیتا رہا کہ وہ اپنا کام جلدی مکمل کریں۔

جس کا نتیجہ بنگلہ دیش کے قیام اور ہمارے ستر ہزار فوجیوں کے یرغمال کی صورت میں نکلا۔ اس دوران عوام کا اعتماد امریکہ سے اٹھ گیا اور عام پاکستانی بنگلہ دیش کے قیام کو امریکی سازش قرار دینے لگے۔

بھٹو کے دور میں پاک امریکہ تعلقات مزید خراب ہو گئے۔

1977ء میں صدر ضیاء الحق کی حکومت نے پاک امریکہ تعلقات کا از سرِ نو جائزہ لیا

Marfat.com

اور پاکستان نے 1979ء میں سیٹو جیسے بے مقصد اور فضول معاہدے سے گلو خلاصی کرالی اور امریکن اثر ورسوخ سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ ضیاء الحق نے عرب ریاستوں، مسلم اور غیر جانبدار ممالک سے تعلقات استوار کرنے شروع کر دیئے، اسلامی ممالک کی تنظیم (Organisation of Islamic Countres) او۔ آئی۔ سی کا قیام اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

1979ء میں افغانستان پر روسی حملے اور قبضے کے بعد ضیاء الحق نے بڑی جرأت مندی کا ثبوت دیا اور کھلے بندوں روس کے خلاف برسرپیکار مجاہدین کی دامے درمے سخنے امداد شروع کر دی اور افغانستان سے آنے والے لاکھوں افغانی پناہ گزینوں کو اپنے ملک میں پناہ دی۔

اس وقت امریکہ کو پھر پاکستان کی اہمیت کا احساس ہوا کیونکہ روس کے گرم پانیوں تک پہنچنے کے صدیوں پرانے خواب کی راہ میں اب صرف پاکستان ہی راہ کا روڑا تھا۔ امریکہ نے پھر پاکستان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور دس کروڑ امریکی ڈالر کی پیشکش کی۔

یکم جنوری 1980ء کو روسی فوجوں نے افغانستان پر مکمل قبضہ کر کے وہ تمام راستے بند کر دیئے جہاں سے افغان مجاہدین کو مدد پہنچ سکتی تھی یا وہ بارڈر پار کر کے پاکستان آ جا سکتے تھے۔

امریکی صدر جمی کارٹر کو روسی حملے کے بارے میں کئی ماہ قبل ہی اطلاعات مل چکی تھیں۔ جس کے بعد امریکن خفیہ ایجنسی سی۔ آئی۔ اے نے پاکستان آئی۔ ایس۔ آئی کے ساتھ مل کر پاکستانی سرزمین کو استعمال کرتے ہوئے روس نواز کابل حکومت کے خلاف افغان مجاہدین کو متحد اور مسلح کرنا شروع کر دیا۔ امریکی اور پاکستانی جرنیلوں کو افغانستان میں روسی مداخلت کی وجہ سے ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقع ملا۔

روسی افواج نے ٹینکوں اور ہوائی حملوں کے ذریعے افغانستان کے تقریباً تمام اہم مقامات پر کنٹرول حاصل کر لینے کے بعد اپنے پٹھو اور خود ساختہ صدر ببرک کارمل کے ذریعے افغان مجاہدین کے لیے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ جسے مجاہدین نے ضیاء الحق مرحوم کے مشورے سے پائے حقارت سے ٹھکرا دیا اور روسیوں اور ان کے افغان گماشتوں کے

Marfat.com

خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔

صدر ضیاء الحق نے ابھی تک امریکی پیشکش کا جواب نہیں دیا تھا کیونکہ وہ محسوس کر چکے تھے کہ روس کے خلاف جمی کارٹر کا پاکستان کے علاوہ کوئی ساتھ نہیں دے سکتا۔

ضیاء الحق نے 2 جنوری 1980ء کو جمی کارٹر کے نام ایک مراسلہ ارسال کیا اور گلہ کیا کہ 1965ء اور 1971ء کی جنگوں کے دوران امریکہ نے وعدہ کے باوجود پاکستان کا ساتھ نہیں دیا۔ جس کی وجہ سے 1971 میں پاکستان دولخت ہو گیا، ضیاء الحق نے گویا جمی کارٹر کو پاکستان کی اہمیت کا احساس دلا دیا اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ ہمیں مونگ پھلی کے چند دانے نہیں چاہئیں (اشارہ دس کروڑ ڈالر امداد کی پیشکش کی طرف تھا اور جمی کارٹر کے خاندان کا بزنس مونگ پھلی کی تجارت تھا)۔

ضیاء الحق افغانستان میں روسی مداخلت کے بعد مسلسل اپنے جرنیلوں کے ساتھ صلاح مشورہ کرتے رہے کیونکہ اب امریکہ کی طرف سے التجاء کی جا رہی تھی کہ پاکستان اسے اپنی سرزمین روس نواز کابل حکومت کے خلاف استعمال کرنے کی اجازت دے۔

افغانستان کے خودساختہ صدر ببرک کارمل نے اس خوف سے اپنی تمام مسلح افواج کو غیر مسلح کر دیا تھا کہ کہیں وہ مجاہدین سے مل کر اس کی حکومت کا دھڑن تختہ نہ کر دے اور اب کٹھ پتلی افغان صدر کا تمام تر اعتبار، انحصار اور حفاظت کا دارومدار روسی افواج پر ہی تھا۔

اب امریکہ نے وعدہ کیا کہ پاکستان کی مشرقی سرحدوں پر بھارت حملہ نہیں کرے گا اور جہاں تک روسی خطرے کا تعلق ہے تو امریکہ کی تمام فوجی صلاحیتیں پاکستان کو دفاعی اعتبار سے مضبوط و مستحکم اور مضبوط بنانے پر خرچ کر دی جائیں گی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ امریکہ کے مطالبے پر روس نے افغانستان سے اپنی مسلح افواج واپس بلانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ روس اور امریکہ کے تعلقات اتنے کشیدہ ہو گئے تھے کہ امریکہ نے ماسکو میں اپنا سفارتخانہ بند کر دیا تھا اور ساتھ ہی واشنگٹن سے روسی سفارتی عملے کو چلے جانے کا حکم دے دیا تھا۔

امریکی صدر جمی کارٹر نے 10 جنوری 1980ء کو روس کو جدید ٹیکنالوجی مہیا کرنے والے تمام لائسنس منسوخ کر کے امریکی بندرگاہوں پر روسی جہازوں سے مال اتارنے پر پابندی عائد کر دی تھی۔

Marfat.com

انہی دنوں پاکستان نے اسلام آباد میں اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کا اجلاس بلا کر اپنے ہمسایہ مسلم ملک پر روسی جارحیت کی پُرزور انداز میں مذمت کی اور تمام مسلم ممالک نے متفقہ طور پر کابل کی روس نواز حکومت کے خلاف مجاہدین کو بھرپور مالی اور فوجی امداد فراہم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

11 جنوری 1980ء کو ضیاء الحق کے وزیر خارجہ آغا شاہی نے نیویارک میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے افغانستان پر روسی حملے کی شدید مذمت کی اور اعلان کیا کہ پاکستان خلوص نیت سے اپنے افغان بھائیوں کا ساتھ دے رہا ہے اور روسی افواج کی افغانستان سے واپسی تک ہم افغان عوام پر ڈھائے جانے والے مظالم کی مذمت کرتے رہیں گے۔

پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا بہانہ کر کے امریکہ نے پاکستان پر کئی قسم کی پابندیاں عائد کر رکھی تھیں۔ مئی 1981ء میں امریکی سینیٹ نے پاکستان کو ایٹمی پابندیوں سے مستثنٰی قرار دے کر 10 کروڑ ڈالر کی منظوری دے دی۔ جسے پاکستان نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

پاکستان کی امداد اور تعاون سے جیسے جیسے افغان مجاہدین نے روسیوں کے خلاف اپنی یلغار کو تیز کرنا شروع کیا، پاکستان کے لیے امریکی ڈالروں اور مجاہدین کے لیے جدید ترین اسلحہ کی بھاری کھیپیں آنا شروع ہوگئیں۔ امریکہ کے نئے صدر ریگن نے بھی پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے چشم پوشی کرتے ہوئے پاکستان کی مالی و فوجی امداد جاری رکھی۔ 1989ء میں روسی فوجیں افغانستان سے نکل گئیں کیونکہ مجاہدین نے پاکستان کی امداد اور تعاون سے مار مار کر روسیوں کا بھرکس نکال دیا تھا۔ جیسے ہی روسی افواج افغانستان سے واپس چلی گئیں امریکہ نے پاکستان اور افغانستان کی طرف سے نظریں پھیر لیں اور انہیں تنہا چھوڑ دیا۔ امریکہ نے اس پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ایک سازش کے تحت ضیاء الحق کو شہید اور امریکی اسلحے کا راولپنڈی کے قریب سب سے بڑا ڈپو ''اوجڑی کیمپ'' تباہ کرا دیا۔ نیز پاکستان پر دوبارہ ایٹمی پابندیاں عائد کردیں۔

افغانستان خانہ جنگی کا شکار ہوگیا اور پاکستان میں کلاشنکوف اور ہیروئن کلچر نے پنپنا شروع کر دیا۔

Marfat.com

اس کے بعد پاکستان میں کئی حکومتیں آئیں اور گئیں لیکن امریکی سرد مہری کی پالیسی جاری رہی۔حتیٰ کہ 9/11 کے تباہ کن حادثے کے بعد ایک دفعہ پھر پاکستان کی ضرورت و اہمیت اچانک امریکہ کی نظروں میں نمایاں ہو گئی اور اب امریکہ کی طرف سے دہشت گردی کے خلاف مہم میں پاکستان اس کا ''فرنٹ لائن'' (Front Line) اتحادی ہے۔امریکہ کی طرف سے پاکستان کو ''نان نیٹو اتحادی'' (Non Nato Ally) قرار دیا گیا ہے۔گذشتہ کئی سال سے پاکستان پر تجارتی، فوجی اور اقتصادی پابندیاں اٹھالی گئی ہیں، جن میں ویزا کی پابندیاں بھی شامل ہیں۔امریکہ کا کہنا ہے کہ پاکستان ایسا قابلِ اعتماد دوست ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔1998 میں انڈیا کے جواب میں پاکستان کی طرف سے ایٹمی دھماکوں کے بعد جو پابندی عائد کی گئی تھیں۔وہ بھی نرم کر دی گئی ہیں اور پاکستان کو ایک مسلمہ ایٹمی طاقت تسلیم کر لیا گیا ہے۔ویزے میں پابندیوں کے خاتمے سے پاکستانیوں کو تعلیم، روزگار، تربیتی پروگراموں میں شرکت کے لیے آسانیاں پیدا ہوں گی۔سیر و سیاحت کے لیے بھی کثیر تعداد میں پاکستانی باشندے امریکہ جا سکیں گے، لیکن امریکہ آنے والوں کو ''ہوم لینڈ سکیورٹی'' (Homeland Security) کے نئے قوانین کے تحت اپنی انگلیوں کے نشان (Finger Prints) اور تصویریں ایئر پورٹ پر دینی ہوں گی اور امیگریشن افسروں کے تلخ و ترش سوالات کے جوابات دینا ہوں گے۔ توہین آمیز طریقے سے اپنے جوتے اتار کر امریکن سرزمین پر قدم رکھنا ہوں گے۔

ایٹمی دھماکے اور ڈالر اکاؤنٹ منجمد (Freeze)

11 اور 13 مئی 1998ء کو انڈیا نے 5 ایٹمی دھماکے کر کے پاکستان کی سلامتی اور سکیورٹی کے حوالے سے انتہائی مشکل اور پریشان کن صورتِ حال پیدا کر دی تھی۔پاکستان کے عوام اور پریس کی طرف سے اپنے حکمرانوں پر بہت زیادہ دباؤ پڑنا شروع ہو گیا تھا کہ وہ اپنے پاکستانی باشندوں اور مسلح افواج کے حوصلے بلند کرنے کے لیے جوابی اقدام کریں اور ایٹمی دھماکہ کر دیں۔مجاہد صحافت جناب مجید نظامی نے صاف لفظوں میں وزیر اعظم نواز شریف کو بتا دیا کہ وہ ایٹمی دھماکہ کر دیں ورنہ قوم ان کا دھماکہ کر دے گی۔

دوسری طرف جاپان، یورپی ممالک اور امریکہ بہادر کی طرف سے پاکستان کو کسی

Marfat.com

جوابی اقدام سے باز رکھنے کے لیے ہر طرح کا دباؤ آنا شروع ہو گیا تھا جس میں مالی اور اقتصادی امداد میں خاطر خواہ اضافے کے ساتھ ساتھ، دھماکوں کی صورت میں ہر طرح کی امداد کی بندش کے علاوہ اقتصادی اور فوجی پابندیوں کی دھمکیاں بھی شامل تھیں حالانکہ بھارت کو دھماکوں سے پہلے یا بعد میں کسی نے پوچھا تک نہیں تھا۔ پوری دنیا میں پاکستان کے ''اسلامی بم'' کی اصطلاح استعمال کر کے، یہودی پریس اور غیر مسلم میڈیا نہایت زہریلا پروپیگنڈہ کرنے میں دن رات ایک کئے ہوئے تھا۔

بھارت اس سے پہلے 1974ء میں اپنا پہلا ایٹمی دھماکہ کر کے پاکستان کے لیے مہلک خطرات پیدا کر چکا تھا لیکن دنیا میں کہیں اس کے خلاف ''ہندو بم'' کی اصطلاح استعمال کر کے اس کی مذمت کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی تھی۔ اس کے برعکس پاکستان کا ایٹمی پروگرام شروع سے بھارت امریکہ، اسرائیل، جاپان، اور یورپی ممالک کی آنکھوں میں بری طرح کھٹک رہا تھا اور ایک تسلسل کے ساتھ پاکستان کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے کی مہم جاری تھی۔

پاکستان میں کئی حکومتیں بدلیں مگر کسی حکومت نے بھی ایٹمی پروگرام سے چشم پوشی نہیں کی اور ہمارا پروگرام مسلسل آگے بڑھتا رہا۔ اگرچہ پاکستان نے اسی کی دہائی میں ہی ایٹم بم بنا لیا تھا لیکن قومی اور بین الاقوامی مصلحت کے تحت دھماکہ نہیں کیا تھا۔ اب بھارت کے 11 اور 13 مئی کے دھماکوں نے یہ موقع بھی پیدا کر دیا۔

پاکستان نے 28 اور 30 مئی کو چھ دھماکے کر کے بھارت کو منہ توڑ جواب دے دیا، اور بھارت کے ایٹمی طاقت ہونے کے تکبر و غرور کو خاک میں ملا دیا۔ بھارت کا وزیراعظم، جو ایٹمی دھماکوں کے بعد، بات بات پر پاکستان کو دھمکیاں دیتا رہتا تھا۔ اب بھیگی بلی بن گیا۔

پاکستان کے ایٹمی دھماکوں نے جہاں عالم اسلام میں ایک خوشی اور جوش و خروش کی لہر پیدا کر دی وہیں، ہنود و یہود، امریکہ اور یورپی ممالک سکتے میں آ گئے۔ پھر امریکہ کی شہ پر ہر طرف سے پاکستان پر اقتصادی اور فوجی پابندیاں عائد کر دی گئیں اور باہر سے ہر قسم کی امداد آنا بند ہو گئی۔

پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے بعد بیرون ملک مقیم پاکستانیوں میں بے پناہ جوش و

Marfat.com

خروش پایا جاتا تھا اور وہ اس مشکل وقت میں پاکستان کی بڑھ چڑھ کر مالی مدد کرنے اور زیادہ سے زیادہ زرمبادلہ اپنے وطن بھیجنے کے لیے تیار تھے، لیکن ہماری حکومت نے پتہ نہیں کس احمق بزرجمہر کے مشورے پر، بیرون ملک مقیم اپنے ہم وطنوں کے ملک میں موجود ''فارن کرنسی اکاؤنٹ'' منجمد کر دیئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ باہر سے زرمبادلہ کی آمد یکدم بند ہوگئی۔ جو لوگ بدقسمتی سے اس وقت اپنے وطن آئے ہوئے تھے اور جن کا روزمرہ کے تمام اخراجات کا انحصار اپنے ''فارن کرنسی اکاؤنٹ'' پر تھا وہ بنک میں ڈالر اور پونڈ ہونے کے باوجود ایک ایک ڈالر کے لیے محتاج ہو کر رہ گئے۔ بلیک مارکٹ میں ڈالر آسمان کو چھونے لگا۔ بنک میں پاکستانی روپوں کی شکل میں ڈالر کا ریٹ اتنا کم مقرر کیا گیا کہ کھلے بازار اور بنک ریٹ میں بیس پچیس روپے کا فرق پڑ گیا۔

جن لوگوں کو کسی ضرورت کے تحت ڈالروں کی شکل میں رقم باہر بھیجنے کی ضرورت پڑی، وہ اپنے ڈالر بنک میں موجود ہونے کے باوجود مارکیٹ سے بلیک میں خریدنے پر مجبور ہو گئے اس طرح غیر ملکی زرمبادلہ کے اکاؤنٹ رکھنے والوں کو بے پناہ نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔

میری لینڈ سٹیٹ میں میرا اپنا کیس گرین کارڈ کے لیے فائنل سٹیج میں تھا۔ میرا واشنگٹن ڈی سی میں یہودی وکیل سال کے آخر تک مجھے فیس کی بقایا اقساط کے بارے میں یاددہانی کراتا رہا لیکن میں اپنا ڈالر اکاؤنٹ منجمد ہونے کی وجہ سے اسے کوئی رقم نہ بھیج سکا۔

میرا وکیل واشنگٹن ڈی سی کا نہایت کامیاب ترین امیگریشن وکیل مسٹر ریمس Remes تھا اور اس کی فرم کا نام کلائنر اینڈ ریمس پی سی Carliner And Remes تھا۔ اس کا نام ہی کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا تھا۔ اس کی فیس اگرچہ واشنگٹن کے سب وکلا سے زیادہ ہوتی تھی لیکن اس کی طرف سے داخل کیے گئے امیگریشن اور گرین کارڈ کے کیسوں کے ناکام ہونے کے خدشات نہ ہونے کے برابر ہوتے تھے۔

اس وکیل کے بے شمار جونیئر وکلاء تھے جو دنیا کی مختلف قوموں سے تعلق رکھتے تھے لہٰذا ہر کلائنٹ کی ملکی زبان میں اس کا مسئلہ سنتے تھے۔ نہایت ذمہ داری سے کاغذات تیار کرتے تھے اور امیگریشن ڈیپارٹمنٹ کے پاس داخل کرنے سے پہلے مسٹر ریمس ہر کاغذ کو خود چیک کرتے تھے تاکہ بعد میں امیگریشن والے کسی قسم کا اعتراض نہ لگا سکیں، اس کے

Marfat.com

جونیئرز میں ایک انڈین لڑکی مس روپا (Rupa) تھی جو نہایت تیز طرار اور اپنے کام کی ماہر تھی، وہ ہم سے ہندی، اردو میں بات چیت کرتی تھی۔ اکثر پاکستانی، انڈین نیپالیوں اور بنگلہ دیش کے کلائنٹ کے کیس وہی تیار اور ہینڈل کرتی تھی۔ اسی طرح مسٹر ریمس کے دفتر میں ایرانی، فلپینی، ہسپانوی اور دیگر قوموں کے جونیئرز تھے جو مسٹر ریمس کے زیر نگرانی نہایت احساس ذمہ داری سے کیس تیار کرتے اور امیگریشن عدالتوں میں ججوں کے سامنے عمدہ دلائل سے پیش کرتے تھے۔ کلائنٹ کو ایک آدھ بار کے سوا تاریخ پیشی پر عدالت جانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

مسٹر ریمس کی جہاں ایک کامیاب ترین امیگریشن وکیل کی شہرت تھی وہاں وہ اس بات کے لیے بھی ''بدنام'' تھا کہ وہ اپنی فیس کے معاملے میں کسی قسم کی مصالحت، رعایت یا کمپرومائز نہیں کرتا تھا۔

میرے ساتھ مسٹر ریمس کی جو فیس طے ہوئی تھی اس میں سے اس نے ایک ہزار ڈالر تو یک مشت ایڈوانس لے لیے تھے اور باقی ماہانہ اقساط میں طے پائی تھی۔ چنانچہ 30/28 مئی کے ایٹمی دھماکوں تک میں آدھی سے زیادہ اقساط ادا کر چکا تھا۔ لیبر سرٹیفکیشن (Labour Certificaton) ہو چکی تھی، یعنی مجھے امریکہ میں رہنے اور کام کرنے کی اجازت مل چکی تھی۔ اب صرف گرین کارڈ کے اجراء کی عدالت سے منظوری کے بعد میرا کیس اسلام آباد، امریکن ایمبسی میں بھیجا جانا تھا تاکہ مجھے گرین کارڈ جاری کیا جاسکے۔

25 جولائی کو میں نے گورنر، سٹیٹ بنک آف پاکستان 26 جولائی کو مسٹر سرتاج عزیز، وزیر خزانہ اور میاں نواز شریف، وزیر اعظم پاکستان کو رجسٹری خطوط بھجوائے کہ مجھے میرے منجمد کیئے گئے ڈالر اکاؤنٹ سے صرف پندرہ سو ڈالر اپنے وکیل کی فیس کے لیے بھجوانے کی اجازت دی جائے مگر مجھے کسی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ پاکستانی حکمران اور حکام کسی بھی خط کا جواب دینا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔

جولائی میں مسٹر ریمس نے اپنے ایک خط میں مجھے یاد دہانی کرائی کہ اگر اس کی فیس کی بقایا اقساط نہ پہنچیں تو وہ میرے کیس کی پیروی نہیں کرے گا اور میرا کیس گرین کارڈ کے لیے نہیں بھیجے گا۔ میں نے پاکستان میں حکومت کے ہر متعلقہ اہلکار کا دروازہ کھٹکھٹایا، لیکن

Marfat.com

مجھے کوئی کامیابی نہ ہوئی ۔دسمبر میں وکیل نے میرا کیس امیگریشن عدالت سے واپس لے لیا۔

میں یہاں گورنر سٹیٹ بنک آف پاکستان، وزیر خزانہ اور وزیر اعظم کو لکھے گئے خطوط کی نقل درج کررہا ہوں تا کہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ ہمارے حکمران کس قدر بے حس اور عام لوگوں کے دکھوں اور تکلیفوں سے بے پرواہ ہو چکے ہیں۔

مصنف واشنگٹن ڈی سی کے اینڈریوز ائیرفورس بیس پر ائیر شو کے دوران،
راڈار پر نظر نہ آنے والے جنگی جہاز کے پاس

102356

Marfat.com

اس وقت کی حکومت میں شامل جس بقراط نے بھی فارن کرنسی اکاؤنٹ منجمد کرنے کا مشورہ دیا ہوگا اسے نرم سے نرم الفاظ میں محبِ وطن تو ہرگز نہیں کہا جاسکتا، ہاں ایک سازشی ذہن کا مالک اور ملکی معیشت کا دشمن ضرور کہا جاسکتا ہے، کیونکہ غیر ممالک میں دن رات محنت مشقت کر کے اپنا خون پسینہ بہا کر زرِ مبادلہ کمانے اور وطن بھیجنے والوں کا اعتماد بری طرح مجروح ہوا اور انہوں نے اپنی خون پسینے کی کمائی کو وطن بھیجنا بند کر دیا۔

حکمرانوں نے راتوں رات اربوں ڈالر باہر بھجوا دیئے

کہا جاتا ہے کہ عام پاکستانیوں کے فارن کرنسی اکاؤنٹ منجمد کرنے سے قبل حکمرانوں نے اپنے اکاؤنٹ میں موجود اربوں ڈالر بیرونِ ملک منتقل کر دیئے تھے۔

جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد نے ہفت روزہ ''ایشیاء'' کو دیئے گئے اپنے انٹرویو میں الزام لگایا تھا اور کہا تھا کہ:

> ''قوم کا پیسہ بیرون ملک منتقل کیا جا رہا ہے۔ ہمارے پاس اس کے ثبوت موجود ہیں کہ نواز شریف حکومت کیا کر رہی ہے۔ نواز شریف خود قرض نادہندہ ہیں۔ انہوں نے دو ارب 50 کروڑ ڈالر ہنگامی حالت کے اعلان سے قبل، 28 مئی کو بیرونِ ملک منتقل کئے ہیں۔ اس کا ثبوت مسلم کمرشل بنک کی مرکزی برانچ کراچی میں دیکھا جاسکتا ہے رات آٹھ بجے سے لے کر صبح آٹھ بجے تک یہ عمل مکمل کیا گیا ہے۔ مجھے قابل اعتماد ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ شام کو اسحٰق ڈار کا فون سرمد آمین کو آیا۔ کہ جتنا فارن کرنسی میں سرمایہ ہے ملک سے نکال لو۔ سرمد آمین نے رفیق

Marfat.com

سہگل سے بات کی اور اس نے شہباز شریف سے کہا۔ شہباز شریف نے میاں محمد منشار سے کہا کہ اڑھائی ارب ڈالر بیرون ملک منتقل کر دیں۔ یہ 27 مئی یا 28 مئی کی شام کی بات ہے۔ یہ رقم شہباز شریف، سرمد امین اور رفیق سہگل کی ملکیت ہے۔ صبح آٹھ بجے میاں شہباز شریف کے اطلاع دی کہ "کام ہو گیا ہے" اور سوا آٹھ بجے ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ کھلی بغاوت ہے۔ اس سے ایک رات قبل ہی یہ قوم سے کہہ رہے تھے کہ میں بھی اپنے بچوں کو دو وقت کی روٹی کھلاؤں گا اور جب ملک کو ایک ایک پائی کی ضرورت تھی انہوں نے یہ کام کر دکھایا۔ اس کے بعد یہ باہر چلے گئے اور پاکستانیوں سے کہا کہ ملک کی حالت خراب ہے اس لیے پاکستان پیسے بھیجیں۔ لہٰذا یہ لوگ درست احتساب کے بغیر درست ہو ہی نہیں سکتے۔ نواز شریف اور بے نظیر ایک دوسرے کا احتساب نہیں کر سکتے۔ یہ لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں"۔

(ہفت روزہ "ایشیاء" 2 جولائی 1998ء)

REGISTERED

لاہور ۲۸ جولائی 1998

محترم مسٹر سرتاج عزیز صاحب وزیر خزانہ پاکستان ......

السلام علیکم!

امید تو نہیں ہے کہ میری یہ گزارشات آپ پڑھنے یا ان کا جواب دینے کی زحمت فرمائیں گے۔ پھر بھی اتمام حجت کے لئے لکھ رہا ہوں۔

آپ نے ہم غریبوں کے ڈالر اکاؤنٹ پر ۲۸ مئی کو شب خون مار کر قبضہ کر لیا اور آپ کے اندرون خانہ راز دار اُسی رات کروڑوں ڈالر ملک سے باہر لے گئے۔

آپ نے یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ ڈالر اکاؤنٹس کو منجمد کرنا غلط تھا۔ ان بدنصیب اکاؤنٹ ہولڈرز کے لئے اب تک قطعاً کسی رعایت کا اعلان نہیں کیا سوائے اس کے کہ وہ اپنے ڈالروں کے بدلے پاکستانی کرنسی بحساب ۴۶ روپے فی ڈالر لے سکتے ہیں اور اپنی ضرورت کے لئے ڈالر کھلی مارکیٹ سے ۶۲ تا ۶۵ روپے کے حساب سے خریدیں۔

یہ کس قدر ظلم اور ناانصافی کی بات ہے کہ مجھے اپنے وکیل کو فیس بھیجنے کیلئے اپنے اکاؤنٹ سے 1500 ڈالر ٹرانسفر تک کرانے کی اجازت نہیں ہے حالانکہ یہ ڈالر میں نے دو سال امریکہ میں رہ کر سخت محنت کر کے کمائے تھے۔ اگر میرے وکیل کو فیس نہ پہنچی تو اس نے اگست میں میرے امیگریشن کا کیس پیروی نہ کرنے کی دھمکی دی ہے۔

میرا ڈالر اکاؤنٹ گرینڈلیز بینک لاہور میں ہے لہٰذا گزارش ہے کہ مجھے اپنے وکیل کو جس کے خط کی فوٹو کاپی لف ہے، اپنے اکاؤنٹ سے 1500 ڈالر کی ادائیگی کی اجازت دی جائے۔

اگر یہ ممکن نہیں تو پھر لاکھوں دوسرے میرے جیسے تباہ حال لوگوں کی طرح میرے دل کی گہرائیوں سے بھی بددعا نکلے گی کہ

جس طرح آپ نے ملک کی اقتصادیات کا بیڑہ غرق کیا ہے خدا آپ کا بیڑہ غرق کرے۔

والسلام

محمد ابراہیم طاہر [illegible]
20/H ماڈل ٹاؤن ایکسٹینشن، لاہور
فون 5167907

Marfat.com

لاہور 26-7-96

جناب میاں نواز شریف صاحب وزیر اعظم پاکستان۔

السلام علیکم! امید تو نہیں کہ میری یہ گزارشات آپ کی نظر سے گزر سکیں اور آپ کو جواب دینے کی فرصت ہو۔ لیکن اتمام حجت کے طور پر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے تحریر کر رہا ہوں۔

میں نے دو سال امریکہ میں سخت محنت کر کے چند ہزار ڈالر کمائے تھے اور ٹرانسفر کر کے بینک میں اپنے ڈالر اکاؤنٹ میں جمع کرائے تھے۔ جنہیں آپ کی حکومت نے 28 مئی کی رات شب خون مار کر قبضے میں لے لئے حالانکہ اسی رات زرداران اندرون خانہ کروڑوں ڈالر بینکوں سے نکال لے گئے۔ آپ کی حکومت نے یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ یہ ڈالر اکاؤنٹ منجمد کرنے کا اقدام غلط تھا۔ ان متاثرین کے نقصان کے ازالے کے لئے اب تک کچھ نہیں کیا۔ لوگ جھولیاں پھیلا کر اور ہاتھ اٹھا کر آپ کی حکومت کو بددعائیں دے رہے ہیں۔

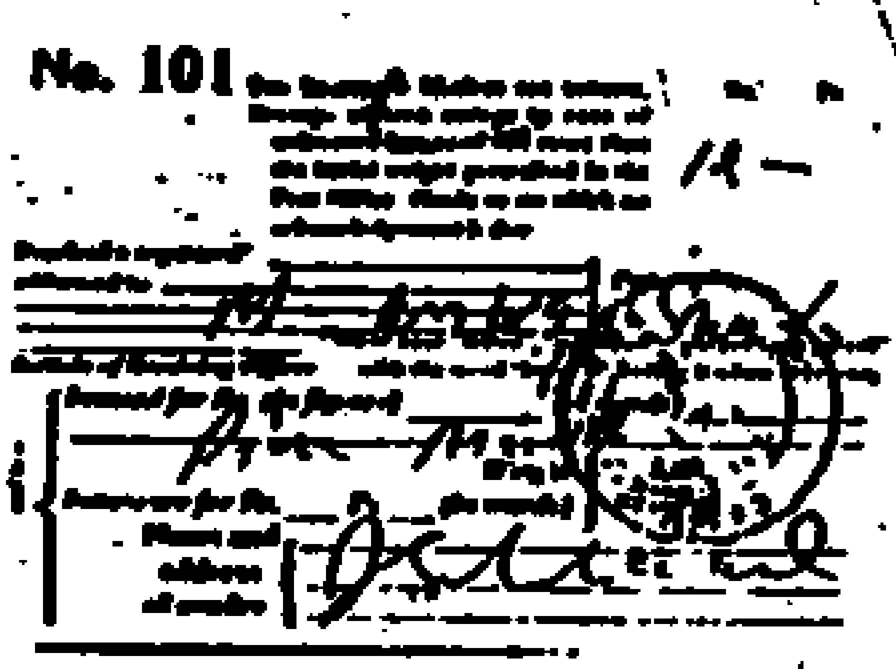

امریکہ میں میرا امیگریشن کا کیس چل رہا ہے۔ جو آخری مراحل میں ہے۔ مجھے اپنے وکیل کو فیس کے 1500 ڈالر فوری طور پر بھیجنے ہیں کیونکہ وکیل نے دھمکی دی ہے کہ اگر اسے یہ فیس نہ بھیجی گئی تو وہ اگست میں میرے کیس کی پیروی نہیں کریں گے۔ وکیل کے لیٹر کی کاپی لف ہے اور اس سلسلے میں میں نے 20 جولائی کو گورنر سٹیٹ بینک کو بھی درخواست بھیجی ہے لیکن وہاں سے مجھے کسی مثبت جواب کی امید نہیں ہے کیونکہ وہاں ایسی سب درخواستوں کو پڑھے بغیر ہی رد کر دیا جاتا ہے۔

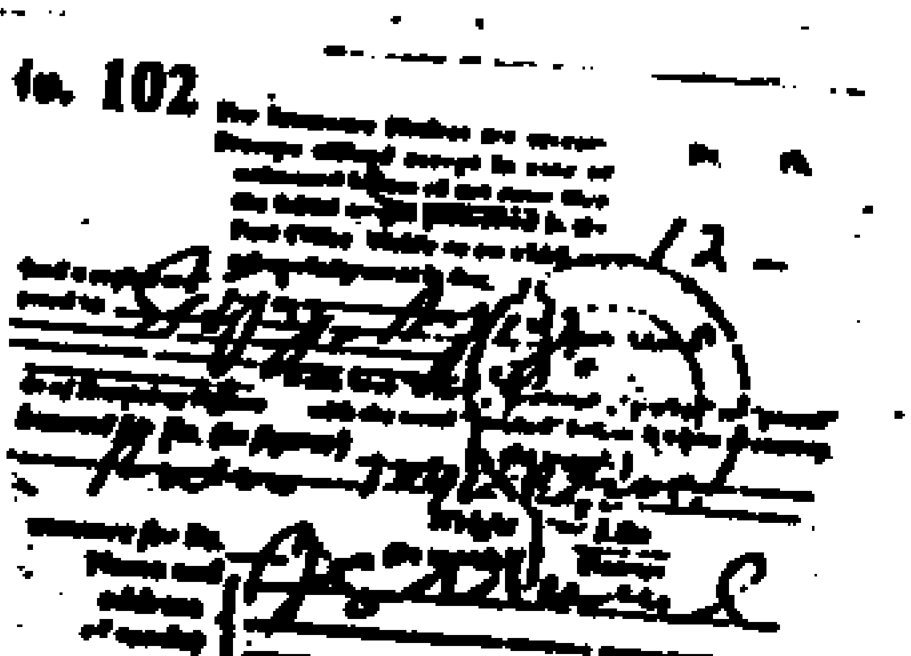

لہٰذا گزارش ہے کہ مجھے اپنے منجمد ڈالر اکاؤنٹ سے 1500 ڈالر لیگل فیس بھیجنے کی اجازت دی جائے۔ ورنہ امریکہ میں میرا مستقبل شاندار جاب خطرے میں پڑ جائے گا لہٰذا اپنا ملک زر مبادلہ سے محروم ہو جائے گا

والسلام

محمد ابراہیم طاہر

(فری لانس جرنلسٹ)

20/H ماڈل ٹاؤن ایکسٹینشن۔ لاہور

فون 516707

Marfat.com

خط بنام گورنر سٹیٹ بنک آف پاکستان

To,

The Governor,
State Bank of Pakistan,
Through
A.N.Z. Grindlays Bank,
Lahore.

Dear Sir,   Sub: **Remittance of legal fee of U.S $ 1500.**

I may enclosing herewith a letter from my lawyer M/S CARLINER & REMES P.C., Washington D. C., U. S. A., which is self explainatry.

I have to remit a sum of U.S $ 1500/- urgently towards the legal fee of my immigration case pending with the I.N.S. department, U. S. A.

Kindly accord your permission to my Bank to remit this amount by Demand Draft.

Thanking you.

Yours faithfully

(MUHAMMAD IBRAHIM TAHIR)
Freelance Journalist

Dated: 25-07-1998

Marfat.com

نئے سرے سے ویزہ کا حصول

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ میرا گرین کارڈ کا کیس تو ایٹمی دھماکوں کے بعد ڈالر اکاؤنٹ منجمد کیے جانے کی وجہ سے ختم ہو گیا تھا۔ امریکہ کی طرف سے پاکستان کے خلاف اقتصادی، معاشی، فوجی اور تجارتی پابندیوں کے علاوہ نئے ویزہ پر بھی بہت سے نئے ضابطے نافذ کر دیے گئے تھے۔ مجھے نئے سرے سے ویزہ ملنے کی امید تو نہیں تھی لیکن کوشش کر دیکھنے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔

امریکن ویزے کے لیے درخواست دینے سے پہلے میں جرمنی اور انگلینڈ کے نئے ویزے حاصل کر چکا تھا۔ دل میں خیال یہ تھا کہ اگر امریکن ویزہ نہ بھی ملا تو جرمنی میں اپنے پرانے دوستوں اور انگلینڈ میں اپنے چھوٹے بیٹے سعید طاہر اور اس کے بیوی بچوں کے ہمراہ کچھ عرصہ گذار کر واپس آ جاؤں گا۔

9 مئی کو رات تقریباً 10 بجے امریکہ سے میرے دوست محمد شریف چوہدری کا فون آیا۔ وہ میرے سپانسر بھی تھے۔ وہ میرے کیس کے خراب ہونے پر ندامت کا اظہار کر رہے تھے حالانکہ اس میں ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ میں جتنی فیس اپنے کیس کے سلسلے میں اپنے وکیل مسٹر ریمس کو ادا کر چکا ہوں، وہ مجھے واپس دلوا دیں گے یا وکیل کے لیے کوئی نیا کیس ڈھونڈ کر ایڈجسٹ کرا لیں گے اور میری ادا شدہ فیس میں سے یا مجھے اپنے پاس سے تین سو ڈالر ماہانہ کے حساب سے رقم بھیجتے رہیں گے۔

میں نے چوہدری صاحب کا شکریہ ادا کیا اور درخواست کی کہ وہ مجھے یہ رقم ڈالروں کی شکل میں پاکستان نہ بھجیں۔ اپنے پاس امانت کے طور پر محفوظ رکھیں۔ جب بھی میں

Marfat.com

برمنگھم یو کے۔ مصنف اور اہلیہ مرحومہ کی یادگار تصویر

Marfat.com

امریکہ آسکا تو آپ سے لے لوں گا یا جب انگلینڈ پہنچوں گا تو حسب ضرورت وہاں منگوالوں گا"۔ دراصل پاکستانی حکومت کے رویئے سے میرا اعتماد بالکل ختم ہو چکا تھا۔

11 مئی کو امریکن ایمبسی، اسلام آباد فون کر کے ویزہ کی درخواست پیش کرنے اور انٹرویو کے لیے وقت لیا۔ انہوں نے 24 مئی کو صبح آٹھ بجے بلایا۔ 20 مئی کو میں نے ریلوے ہیڈکواٹر جا کر 23 مئی کو رات 12 بجے لاہور سے راولپنڈی جانے والی ریل کار سے اپنی سیٹ بک کرالی۔

ریل کار نے 24 مئی کو صبح 6:00 بجے راولپنڈی پہنچا دیا۔ سٹیشن کے ریٹائرنگ روم میں کپڑے تبدیل کر کے اپنے کپڑوں کا بیگ سٹیشن کے "امانت خانے" میں جمع کرایا اور اپنا پاسپورٹ و دیگر کاغذات ہمراہ لے کر بذریعہ ویگن آبپارہ مارکیٹ اسلام آباد پہنچا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر قریبی مسجد میں نماز فجر کی قضاء ادا کی۔ پھر ایمبسی کی طرف جانے والی ایک گاڑی سے لفٹ لے کر پونے آٹھ بجے ایمبسی پہنچ گیا۔ وہاں پہلے ہی ویزے کے امیدواروں کی لمبی لائن لگی ہوئی تھی۔ 8 بجے گیٹ کھلتے ہی سکیورٹی چیک کے بعد تقریباً آدھ گھنٹے میں سب لوگ ٹوکن لے کر ویزہ آفس کے ہال میں پہنچ گئے اور سیٹوں پر بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگے۔ ویزہ آفس میں آٹھ دس کونٹر بنے ہوئے ہیں۔ درخواست گذاروں کو ٹوکن نمبر کے حساب سے بلایا جاتا ہے۔ جس کھڑکی پر آپ کا ٹوکن نمبر روشن ہو جائے، آپ کو اسی کونٹر پر اپنی دستاویزات پیش کرنا اور انٹرویو دینا ہوتا ہے۔ وہاں امریکن کونسلر بیٹھے ہوتے ہیں۔ جو آپ کی دستاویزات چیک کر کے اور مختلف سوال پوچھ کر اپنی تسلی کر کے ویزہ جاری کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اگر آپ اچھی طرح انگریزی سمجھ یا بول نہیں سکتے تو آپ کو ترجمان کی سہولت بھی مہیا کی جاتی ہے۔ آپ اپنی قومی زبان اردو یا علاقائی زبانوں پنجابی، سندھی، پشتو اور بلوچی وغیرہ میں بھی جواب دے سکتے ہیں۔ انگریزی زبان نہ جاننے کی بنیاد پر کسی کو ویزے کے اجراء سے انکار نہیں کیا جاتا بشرطیکہ آپ کے کاغذات مکمل ہوں اور آپ قونصلر کو مطمئن کر سکیں۔

ویزہ قونصلر عموماً مطمئن ہونے پر ویزہ جاری کر دیتے ہیں لیکن اگر آپ کے پیش کردہ کاغذات اور زبانی انٹرویو سے ان کی تسلی نہ ہو تو ویزے سے انکار کی صورت میں وہ تحریری شکل میں ویزہ جاری نہ کرنے کی وجوہات سے آپ کو آگاہ کر دیتے ہیں۔

Marfat.com

ویزہ آفس کے ہال میں داخل ہونے سے پہلے فیس جمع کرانے کے لیے ایمبسی کے اندر جا کر کیشئر کی کھڑکی کے سامنے دوبارہ لائن میں لگنا پڑا۔ بہر حال یہ مرحلہ بھی چند منٹ میں طے ہو گیا۔ ویزہ ملے نہ ملے۔ ویزہ فیس نا قابل واپسی ہوتی ہے (پہلے امریکن ویزہ کے لیے کوئی فیس نہ ہوتی تھی)

ساڑھے دس بجے کے قریب کھڑکی نمبر تین پر میرا ٹوکن نمبر فلیش ہونا شروع ہوا۔ میں اس کھڑکی کے عین سامنے ہی بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ سے پہلے اس کھڑکی سے کراچی کا ایک جوڑا، اسلام آباد کی ایک خاتون اور پشاور کے ایک باریش خاں صاحب نا کام لوٹا دیئے گئے تھے۔ جب میرا ٹوکن نمبر اسی کھڑکی سے فلیش ہوا تو میرے منہ سے ایک دم نکلا "یا اللہ خیر"۔

میں نے کھڑکی میں پیش ہو کر اپنا پاسپورٹ اور دیگر کاغذات قونصلر کو پیش کر دیئے۔ میں نے اپنے نئے پاسپورٹ کے ساتھ پانچ عدد پرانے پاسپورٹ بھی نتھی کیے ہوئے تھے۔ جن پر پہلے ہی امریکہ کے ویزے لگے ہوئے تھے۔

کونسلر نے میرے پاسپورٹوں کو اور دوسری دستاویزات کو سرسری طور پر دیکھا، مجھ سے ایک آدھ سوال کیا اور مسکرا کر مجھ سے کہا۔ "ویل مسٹر طاہر! آپ چار بجے آ کر اپنا پاسپورٹ لے جائیں"۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پاسپورٹ اور ویزہ فارم اپنے پاس رکھ کر باقی تمام کاغذات مجھے واپس لوٹا دیئے۔ اس کام میں صرف ڈیڑھ منٹ لگا، حالانکہ مجھ سے پہلے والوں کے اسی قونصلر نے دس دس اور پندرہ پندرہ منٹ تک انٹرویو کیے تھے اور اس کے باوجود انہیں نا کام لوٹا دیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔

میں ایمبسی سے نکل کر دوبارہ آبپارہ مارکیٹ آیا۔ دوپہر کا کھانا کھا کر نماز ظہر لال مسجد میں باجماعت ادا کی اور شکرانے کے نفل بھی پڑھے۔ ایمبسی واپس جانے کے لیے ابھی بہت وقت پڑا تھا۔ لہٰذا لال مسجد سے نکل کر بس پکڑی اور فیصل مسجد آ گیا۔ وہاں بھی نوافل ادا کیے۔ پھر واپس آبپارہ مارکیٹ آ کر کسی سے لفٹ لی اور مقررہ وقت چار بجے ایمبسی پہنچ گیا، لیکن کمپیوٹر میں کسی فنی خرابی کی وجہ سے تاحال ویزے نہیں لگ سکے تھے لہٰذا ایک گھنٹہ مزید انتظار کرنا پڑا۔ وہیں پر مشہور سنگر عابدہ پروین سے بھی ملاقات ہوئی، جو ویزے کے حصول کے لیے وہاں آئی ہوئی تھیں۔

Marfat.com

خدا خدا کر کے پانچ بجے ویزے لگے ہوئے پاسپورٹ ملنا شروع ہوئے۔ صبح لائن میں تقریباً ڈیڑھ صد افراد تھے جو ویزہ لینے آئے تھے۔ اس وقت جو لوگ اپنے پاسپورٹ واپس لے رہے تھے ان کی تعداد بمشکل بیس پچیس تھی۔

ایمبسی سے پھر کسی سے لفٹ لے کر آبپارہ مارکیٹ آ گیا۔ ایک ریسٹوران میں چائے پی کر عصر کی نماز پھر لال مسجد میں ادا کی۔ کچھ دیر مسجد میں ہی آرام کیا۔ پھر نور پور شاہاں کی طرف جانے والی ویگن میں سوار ہو کر حضرت بری امامؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ وہیں پر قریبی مسجد میں نمازِ مغرب ادا کی۔ واپس آبپارہ مارکیٹ آ کر رات کا کھانا کھایا اور کچھ دیر آرام کیا۔

Marfat.com

امریکن ویزے کی شرائط

امریکن قونصلیٹ جنرل کی طرف سے ویزہ کے خواہش مندوں کے لیے جو شرائط اور ہدایات عام طور پر جاری کی جاتی ہیں جن کیٹیگریز Catogeries کے ویزے جاری کئے جاتے ہیں۔ان کی مختصر تفصیل اس باب میں پیش کی جارہی ہے۔ان ہدایات میں کہا گیا ہے۔

امریکن قونصلیٹ کے پمفلٹ سے ہدایات

پاکستان میں امریکی قونصلر مشن امریکی سرحدوں کا تحفظ کرتا ہے۔اس طرح کہ پیشہ ورانہ طور پر قابل احترام اور یکساں طرز عمل کے ساتھ ثقافتی قدروں کو ملحوظ رکھتے ہوئے قانونی طور پر جائز سفر کو آسان بنایا جاسکے۔

ہمارا یقین ہے کہ ہر شخص عزت واحترام کے سلوک کا مستحق ہے۔ہم اپنی خدمات مستعدی، پیشہ ورانہ طرز پر خوش اخلاقی اور مؤثر طریقے سے امریکی قانون کے مطابق فراہم کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں آگاہی، ثقافت، ثقافتی قدروں کا احساس ہمارے نصیب العین کے لازمی جز ہیں۔

ہم پاکستان اور امریکہ کے مابین کثرت تجارت، کاروبار اور سفر کا خیر مقدم کرتے ہیں ہم ہمیشہ ایسے ذرائع کے متلاشی رہتے ہیں جن کے ذریعے قانونی طور پر سفر کرنے والے سیاحوں اور کاروباری حضرات کا امریکہ کا سفر آسان بنایا جاسکے۔ویزا انٹریوں کے

Marfat.com

لیے امریکی سفارت خانہ کے قونصلر سیکشن میں مکمل تیاری کے ساتھ آنے پر آپ کی درخواست گذاری کے مراحل خوش اسلوبی سے طے پاسکتے ہیں۔

ویزا کی ضرورت کیوں؟

امریکہ ایک آزاد معاشرہ ہے۔ دوسرے ممالک کے برعکس امریکہ زائرین پر داخلی پابندیاں عائد نہیں کرتا۔ جیسا کہ مقامی حکام کے پاس اندراج وغیرہ۔ ان آزاد سفری سہولتوں سے مستفید ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ویزا ملنے سے قبل ہر درخواست گزار یہ ثابت کرے کہ وہ اپنے وطن واپس آئے گا۔ امریکی قانون شہریت کے تحت ضروری ہے کہ قونصلر افسر ہر درخواست گذار کو امریکہ میں مستقل سکونت کا خواہش مند تصور کرے۔ جب تک کہ وہ درخواست گزار بصورت دیگر ثابت نہ کردے۔

دفعہ 214(ب)

دفعہ 214(ب) امریکی قانونِ شہریت کا حصہ ہے۔

اس کے مطابق ہر شخص امریکہ میں مستقل سکونت کا خواہش مند ہوتا ہے۔ جب تک وہ قونصلر افسر کے اطمینان کے لیے یہ ثابت نہ کردے کہ وہ غیر سکونتی حیثیت (ویزا) کا اہل ہے۔

غیر سکونتی ویزا کا اہل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہر درخواست گذار قانونِ شہریت کی دفعہ (15) (1) 212 کے لوازمات پورے کرے۔ ناکامی کی صورت میں قانون شہریت کی دفعہ 214 (ب) کے تحت اس کا ویزا مسترد کر دیا جاتا ہے۔ عموماً اس دفعہ کے تحت مسترد ہونا ان لوازمات سے تعلق رکھتا ہے جس میں ایک درخواست گذار کے روابط اور ان کی عدم تحلیل کی نشاندہی ہو۔ درخواست گذار یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان کے مدنی روابط مضبوط ہیں اور وہ ان روابط کی وجہ سے امریکہ میں مختصر قیام کے اختتام پر اپنے وطن واپس آجائیں گے۔ قانون کے مطابق یہ ثابت کرنا درخواست گذار کی ذمہ داری ہے۔

قونصلر افسران کا کام مشکل ہوتا ہے۔ انہیں مختصر وقت میں فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ

Marfat.com

درخواست گذار ویزے کے لیے اہل ہے یا نہیں۔ اکثر درخواستیں مختصر انٹرویو اور درخواست گذار کی طرف سے اپنے روابط کے ثبوت کی روشنی میں حل کی جاتی ہیں۔

مضبوط روابط کیا ہیں؟

مضبوط روابط ملکی، شہری اور شخصی سطح پر مختلف ہوتے ہیں۔ ایک اچھی ملازمت، گھر، کنبہ اور بینک میں خطیر رقم مضبوط روابط کی اچھی مثالیں ہیں۔ روابط آپ کی زندگی کے وہ مختلف پہلو میں جو آپ کو اپنی جائے سکونت سے وابستہ رکھتے ہیں۔ آپ کی جائیداد و ملکیت، کاروبار یا ملازمت، سماجی اور خاندانی رشتے وغیرہ۔

قونصلر افسر اس اختلافات سے واقف ہیں۔ ویزا انٹرویو کے دوران وہ ہر درخواست گذار کی شخصی سطح پر اس کے پیشہ ورانہ سماجی، اقتصادی اور ثقافتی پہلوؤں کو دیکھتے ہیں، کچھ کیسوں میں قونصلر افسر درخواست گذار کے مخصوص مقاصد، خاندانی حالات، طویل المیعاد منصوبہ بندی اور جائے سکونت میں کامیابی کے امکانات کا اندازہ لگاتے ہیں۔ ہر کیس انفرادی طور پر رکھا جاتا ہے اور قانون کے مطابق بھرپور توجہ حاصل کرتا ہے۔

مفید دستاویزات

- تمام پرانے پاسپورٹ۔
- اگر شریک حیات یا والدین (21 سال سے کم عمر بچوں کے لیے) کے ساتھ سفر کر رہے ہوں تو ان کے پاس ویزا ہونے کا ثبوت مفید ہوتا ہے۔
- تنخواہ کا ثبوت۔
- ذاتی بینک کے گوشوارے (اگر آپ کے اخراجات کوئی اور برداشت کر رہا ہو، اس صورت میں بھی آپ کی ذاتی مالی حالت کے بارے میں جاننا ضروری ہے)۔
- فوجی یا سول عہدے کا ثبوت۔

طالب علموں کے لیے ویزا

تعلیمی ویزا حاصل کرنے کے لیے درست طور پر تیار کردہ فارم 20-1 آپ کو قونصلر

Marfat.com

افسر کو پیش کرنا ہوگا۔ جو تعلیمی ادارے کے مجاز افسر کی طرف سے دستخط شدہ ہو۔ اس کے علاوہ ایک عدد مکمل ویزا کی درخواست فارم (OF-156) پیش کرنا ہوگی۔ آپ اپنے درس کے شروع ہونے کی تاریخ جو کہ 20-1 پر لکھی ہوتی ہے کہ 90 دن کے دوران درخواست دے سکتے ہیں۔ 90 دن سے پہلے درخواست کی صورت میں درخواست واپس کردی جائے گی۔

آپ کو ایسے جدید دستاویزی ثبوت فراہم کرنا ہوں گے جن سے یہ ثابت ہو کہ ایسے مالیاتی ذرائع موجود ہیں جو آپ کے سفر، تعلیمی اخراجات اور امریکہ میں رہائش کے اخراجات برداشت کرسکتے ہیں۔ ایسے ثبوت پچھلے چھ ماہ کے بینک گوشوارے، حصص یا بانڈ ہوسکتے ہیں۔

آپ کی کم از کم تعلیمی قابلیت اتنی ہو جو امریکی تعلیمی ادارے میں آپ کے داخلے کے لیے کافی ہو اور کم از کم پچھلے دو سال کی تعلیمی اسناد بیرونی امتحانات مثلاً Sat, Toefl, Gre, Ap, Ach یا ایسے امتحانات جن سے آپ کی تعلیمی سنجیدگی کا اظہار ہوتا ہو۔ اس کے علاوہ آپ کو اپنی تعلیمی ضرورت کے مطابق انگریزی زبان سے واقفیت ہونی چاہیے۔

آپ کے بچوں اور شریک حیات کو بھی آپ کے ساتھ سفر کرنے یا آپ کو بعد میں آن ملنے کے لیے ویزا جاری کیا جاسکتا ہے۔ آپ کے کنبے کے افراد کو یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ وہ اپنے اخراجات برداشت کرسکتے ہیں اور تعلیم مکمل ہونے پر وہ آپ کے ساتھ واپس آئیں گے۔

ویزا برائے ایکسچینج وزیٹرز

امریکی قانونی شہریت ایکسچینج وزیٹرز پروگرام میں شامل ہونے والوں کے لیے دو قسم کے ویزے فراہم کرتا ہے۔ ''J'' ویزا تعلیمی اور ثقافتی تبادلے کے پروگرام کے لیے ہوتا ہے جس کا تعین امریکی دفتر اطلاعات (USIA) اور ''Q'' ویزا بین الاقوامی ثقافتی تبادلے کے پروگرام کے لیے ہوتا ہے جو کہ ادارہ شہریت کرتا ہے۔

''J'' ایکسچینج وزیٹر پروگرام تعلیم، فنون لطیفہ اور سائنس کے شعبوں میں علمی اور فنی

Marfat.com

تبادلے کے لیے ہوتا ہے۔ جس میں تمام تدریسی درجات سے طلبا، مختلف اداروں میں کام پر تربیت پانے والے زیرِ تربیت لوگ، ادنیٰ، ثانوی اور ماہرانہ تدریسی اداروں کے اساتذہ، پروفیسر جو کہ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں پڑھانے یا تحقیق کی غرض سے آتے ہیں۔ طبی اور اس سے متعلقہ شعبوں میں پیشہ ورانہ تربیت پانے والے اور بین الاقوامی زائرین جو سفر، ملاحظات پر ماہرانہ رائے، تحقیق، تربیت، تبادلہ یا مخصوص علمی یا فنی تبادلے یا افراد کے باہمی مرتب شدہ پروگرام میں شرکت کرنے والے شامل ہوتے ہیں۔

"Q" بین الاقوامی ثقافتی تبادلے کا پروگرام تربیت، ملازمت، تاریخ، ثقافت اور اپنی ملکی روایات کے تبادلے کے لیے ہوتا ہے۔

"J" پروگرام میں شمولیت کے لیے درخواست گذار کو فارم IAP-66 جو کہ معاون ادارے کی طرف سے جاری کیا گیا ہو پیش کرنا ہوتا ہے۔ "Q" پروگرام میں شامل ہونے والے درخواست گذاروں کے لیے معاون ادارے کو امریکی ادارہ شہریت میں فارم (Petition For-129 Nonimmigrant Worker) دائر کرنا ہوتا ہے۔ ادارہ شہریت معاون ادارے کو فارم 79-1 کے ذریعے درخواست کی قبولیت کے بارے میں مطلع کرے گا۔ توجہ رہے کہ 797-1 کی قبولیت اس امر کی دلیل نہیں کہ ویزا جاری کر دیا جائے گا۔ اگر درخواست گذار قانون شہریت کے تحت ویزے کے لیے نااہل ہو۔

وقتی ملازمت کا ویزا

غیر سکونتی وقتی ملازمت کے لیے درخواست گذار کے آجر کو فارم (Petition For-129 Nonimmigrant Worker) امریکی ادارہ شہریت میں دائر کرنا ہوتا ہے۔ قبولیت کی صورت میں آجر یا اس کے نمائندے کو قبولیت کا نوٹس 797-1 جاری کیا جاتا ہے۔ یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ ویزا جاری کر دیا جائے گا اگر درخواست گذار قانون شہریت کی دفعات کے تحت نااہل ہو۔

تمام وقتی ملازمت کے ویزے مخصوص معینہ مدت کے لیے امریکہ میں ملازمت کے لیے جاری کیے جاتے ہیں بعض حالات میں ادارہ شہریت ملازمت مکمل کرنے کے لیے ویزا کی مدت میں تجدید کر سکتا ہے۔ اس کے بعد درخواست گذار کو خاص مدت کے لیے

Marfat.com

امریکہ سے باہر رہنا پڑتا ہے۔

ادارہ شہریت آجرز کو فارم 797-1 کے ذریعے ویزا کی قبولیت، ویزے کی مدت میں تجدید یا سکونت کی مدت میں اضافے کے بارے میں مطلع کرتا رہتا ہے۔

مختصر ملازمت کا ویزا حاصل کرنے کے لیے درخواست گذار کو فارم 797-1 اپنی ویزا درخواست کے ہمراہ جمع کرانا پڑتا ہے۔ اصل درخواست اور اس کے علاوہ ایسے دستاویزات جس سے درخواست گذار کی تعلیمی اور فنی قابلیت کا ثبوت ملتا ہو عموماً مفید ہوتے ہیں۔

''QI'' ثقافتی ویزے کے علاوہ تمام مختصر ملازمت کے ویزا درخواست گذاروں کے شریک حیات اور غیر شادی شدہ چھوٹے بچے بھی ان کے ہمراہ یا بعد میں ویزے کے لیے درخواست دے سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ اس صورت میں حاصل کردہ ویزے کے تحت شریک حیات یا بچے امریکہ میں سکونت کے دوران ملازمت حاصل نہیں کر سکتے۔ درخواست گذار کو یہ بھی ثابت کرنا ہوتا ہے کہ وہ امریکہ میں اپنے کنبے کی کفالت کے لیے مالی اہلیت رکھتا ہے۔

کاروباری سفر کے لیے ویزا

ان ثبوتوں کے علاوہ جو کہ درخواست گذار کے مدنی روابط ثابت کر سکے کاروباری ویزا حاصل کرنے کے لیے درخواست گذاروں کو اپنی درخواست کے ہمراہ درج ذیل دستاویزات مہیا کرنا ہوتی ہے۔

☆ کاروباری اجازت نامے (مثلاً درآمدات و برآمدات کے اندراج کی سند جو ایکسپورٹ پروموشن بیورو جاری کرتی ہے۔ فارم H اگر شراکتی کاروبار ہو یا کمپنی آرٹیکل بصورت جائنٹ سٹاک کمپنی)۔

☆ گذشتہ دو سال کے ٹیکس گوشوارے۔

☆ بینک گوشوارے جس میں گذشتہ چھ ماہ میں وقوع پذیر لین دین کا اندراج ہو۔ اپنے ذاتی اور کاروباری دونوں گوشوارے شامل کریں اور یہ ثبوت بھی فراہم کریں کہ درخواست گذار کمپنی اکاؤنٹ سے رقم نکالنے کا مجاز ہے۔

Marfat.com

☆ امریکی خریداروں، فروخت کنندگان کے ساتھ رابطے کے ثبوت۔

☆ موجودہ معاہدے، بل آف لیڈنگ یا اس کے علاوہ موجودہ درآمدات وبرآمدات کے ثبوت۔

☆ کوئی ایسے ثبوت جو کہ آپ کی امریکی اداروں کے ساتھ ملاقات کے اوقات اور وہاں رہائش کے سلسلے میں کی گئی منصوبہ بندی ثابت کر سکے۔

☆ آپ کی کمپنی کا موجودہ اشتہاری مواد۔

معاہداتی تجارت یا سرمایہ کاری کا ویزا

امریکی قانونِ شہریت ایسے ممالک کے شہریوں کو غیر سکونتی ویزا جاری کرتا ہے جن ممالک کے ساتھ امریکہ نے Treaty of Commerce & Navigation پر دستخط کیے ہوں۔ پاکستان نے 12 فروری 1961ء میں اس معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ اس کے تحت وہ لوگ جو امریکہ میں بڑے پیمانے پر تجارت، تکنیکی اور کاروباری خدمات یا ایسے ادارے کا قیام جس میں معاہدے کے ملک کے شہری کی سرمایہ کاری ہو چکی ہو یا سرمایہ کاری ہونیوالی ہو، ویزے کے لیے اہل ہوتے ہیں۔

معاہداتی تجارت

تجارت سے مراد بین الاقوامی سطح پر مال، خدمات یا تکنیکی تبادلہ ہے تجارتی مال کی ملکیت ایک پارٹی سے دوسری کو منتقل ہونا ضروری ہے۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ درخواست گذار ادارے میں مدیرانہ حیثیت سے کام کر رہا ہو ایسے شعبے میں اعلیٰ مہارت رکھتا ہو جو اس ادارے کی مؤثر کارکردگی کے لیے ضروری ہو۔ عمومی مہارت یا کوئی قابلیت نہ رکھنے والے درخواست گذار ایسے ویزے کے لیے اہل نہیں ہیں۔

معاہداتی سرمایہ کاری

ذاتی یا ادارے کی بنیاد پر سرمایہ کار معاہداتی ملک کا شہری ہو۔

Marfat.com

سرمایہ کاری بڑے پیمانے پر ہو۔ سرمایہ کاری کی مقدار کاروباری ادارے کی اعلیٰ کارکردگی کے لیے کافی ہو۔ کم خرچ کاروبار کے لیے سرمائے کی فیصد شرح زیادہ خرچ کاروبار کی فیصد شرح سے زیادہ ہونا ضروری ہے۔

سرمایہ کار ادارے کی ارتقاء اور رخ کا تعین کرنے کے لیے امریکہ آرہا ہو۔ اگر درخواست گذار بنیادی سرمایہ کار نہ ہو تو اس صورت میں وہ ادارے میں مدیرانہ حیثیت رکھتا ہو یا ایسے شعبے میں اعلیٰ مہارت کا حامل ہو جو اس ادارے کی مستعد کارکردگی کے لیے ضروری ہو عمومی مہارت رکھنے والے افراد اس ویزے کے لیے اہل نہیں۔

معاہداتی تجارت یا سرمایہ کاری کا ویزا رکھنے والے افراد جب تک ادارے سے منسلک رہیں امریکہ میں سکونت رکھ سکتے ہیں۔

علاج معالجے کے لیے ویزا

وہ افراد جو امریکہ علاج معالجے کی غرض سے جانا چاہتے ہوں انہیں بھی سیر کے لیے ویزا حاصل کرنے کی تمام لوازمات پورا کرنا ہوتی ہیں (کہ ان کی امریکہ سے باہر مستقل سکونت ہے اور وہ اسے منسوخ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے) اس کے علاوہ یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ ان کے پاس اتنی رقم موجود ہے جو ان کے امریکہ میں علاج معالجے اور رہائش کے دوران اٹھنے والے اخراجات کی ادائیگی کے لیے کافی ہیں۔

درج ذیل ثبوت قونصلر افسر کو اس بات کا تعین کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں کہ درخواست گذار امریکہ میں علاج معالجہ کے لیے ویزا کا اہل ہے۔ مگر یہ ثبوت بذات خود ویزا حاصل کرنے کے لیے کافی نہیں اگر درخواست گذار ذاتی طور پر اہلیت نہ رکھتا ہو۔

آپ کو ایسے ثبوت فراہم کرنا ہوتے ہیں جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ آپ کو امریکہ میں کسی مجاز طبی ادارے میں علاج کے لیے قبول کیا جا چکا ہے اور آپ معائنے کے لیے وقت حاصل کر چکے ہیں۔ اس طبی ادارے سے ایک خط آپ کے معالج یا آپ کے اپنے نام جاری ہو جس میں علاج کے اخراجات اور فوراً پاکستان واپس نہ آنے کی صورت میں علاج کے بعد طبی امداد کی سہولت موجود ہو۔ اکثر طبی ادارے اخراجات کی پیشگی ادائیگی چاہتے ہیں ایسی صورت میں اس کا ثبوت فراہم کرنا ضروری ہے۔

Marfat.com

آپ کو ایسے ثبوت فراہم کرنا ہوں گے جن سے معلوم ہو سکے کہ آپ کے پاس اتنی رقم موجود ہے جو کہ متوقع اخراجات کی ادائیگی کے لیے کافی ہے اس کے لیے آپ کے بینک گوشوارے جن میں پچھلے ایک سال کے دوران لین دین کا اندراج ہو ایک اچھا ثبوت ہوتا ہے۔

درج بالا کے علاوہ آپ سے سفارت خانے کے منظور شدہ ڈاکٹروں میں سے کسی ایک سے طبی رپورٹ فراہم کرنے کے لیے بھی کہا جا سکتا ہے۔

مندرجہ بالا شرائط کے علاوہ اب امریکہ نے تقریباً 27 ملکوں پر جن میں بیشتر اسلامی ممالک بشمول پاکستان شامل ہیں، رجسٹریشن کی پابندیاں بھی عائد کی ہوئی ہیں یعنی آپ جیسے ہی امریکہ کے کسی ایئر پورٹ پر اتریں گے، آپ کے فنگر پرنٹ اور تصویریں لے کر کمپیوٹر میں محفوظ کی جائیں گی اور یہی عمل امریکہ سے واپسی پر بھی دہرایا جائے گا (آج کل ایمبیسی میں بھی فنگر پرنٹ لئے جا رہے ہیں جن کی علیحدہ فیس 85 ڈالر ہے) ایئر پورٹ پر فارم 94-1 پر اپنا امریکہ میں رہائش کا جو ایڈریس درج کریں گے آپ کو اسی ایڈریس پر ٹھہرنا ہو گا دورانِ قیام امریکہ ایڈریس کی تبدیلی کی اطلاع بھی امیگریشن جسے اب ''ہوم لینڈ سیکورٹی'' کے محکمے کا نام دیا گیا ہے، دینی ہو گی۔

برٹش ویزہ

گذشتہ رات کا سفر، دن بھر کی جگل خواری اور بے آرامی کی وجہ سے طبیعت قدرے بوجھل ہو رہی تھی۔ عشاء کی نماز پھر لال مسجد میں ادا کر کے واپس برٹش ایمبیسی کی طرف روانہ ہو گیا۔

ان دنوں برٹش ایمبیسی کے باہر لوگ رات کو ہی قطاروں میں لگ کر بیٹھ جاتے تھے۔ صبح سورج نکلنے تک تقریباً ایک کلومیٹر لمبی لائن بن جاتی تھی۔ جو ہزاروں افراد پر مشتمل ہوتی تھی جبکہ ایمبیسی میں داخلہ صرف پہلے دو اڑھائی صد افراد کو ہی ملتا تھا۔ باقی لوگوں کو مایوس واپس لوٹنا پڑتا تھا۔ اس لیے لوگ رات کو ہی قطار میں بیٹھنا شروع کر دیا کرتے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد میں جب ایمبیسی کے باہر پہنچا تو مجھ سے پہلے 158 افراد قطار میں لگے بیٹھے تھے۔ ایک صاحب رضا کارانہ طور پر اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے ٹوکن دے

Marfat.com

رہے تھے، تاکہ بعد میں آنے والے قطار توڑ کر آگے گھسنے کی کوشش نہ کریں۔

رات بارہ بجے تک قطار میں لگنے والوں کی تعداد تقریباً سو تک پہنچ چکی تھی۔ بیٹھنے کے لیے کوئی چیز نہ تھی، کچھ لوگ زمین پر کپڑے بچھا کر بیٹھے تھے، کچھ اپنے بریف کیسوں کو بطور سٹول استعمال کر رہے تھے۔ بعض نے قریبی جھاڑیوں سے اینٹیں اور پتھر ڈھونڈ کر ان پر بسیرا کیا ہوا تھا۔ سخت گرمی، حبس اور اس پر مستزاد بے حد وحساب مچھروں کی یلغار کسی لمحہ چین نہ لینے دیتی تھی۔

میں آدھی رات تک تو کسی نہ کسی طرح حالات سے سمجھوتہ کر کے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ پھر نیند کا غلبہ ہونے لگا۔ بہ امر مجبوری میں اپنا پتھر اپنی جگہ رکھ کر ارد گرد کے ہمسایوں کو بتا کر انڈین ایمبیسی کے سامنے ایک کچی مسجد کے صحن میں آ کر لیٹ گیا۔ مچھروں سے بچنے کے لیے اگر منہ سر لپیٹوں تو گرمی اور حبس سے دم گھٹے اور جسم کا کوئی حصہ ننگا رہ جائے تو بے شمار مچھر بیک وقت یلغار کر کے خون پینا شروع کر دیں۔ انڈین ویزے کے متلاشی کئی افراد بھی مسجد کے صحن میں لیٹے ہوئے تھے۔ کچھ تو موسم اور مچھروں سے بے پراہ ہو کر گہری نیند کے خراٹے لے رہے تھے اور کچھ میری طرح کروٹیں بدل بدل کر مچھروں سے دھینگا مشتی کر رہے تھے۔

تقریباً دو گھنٹے اس کشمکش میں گزارنے کے باوجود ایک لمحہ کے لیے بھی آنکھ نہ لگ سکی۔ لہٰذا فجر کی نماز ادا کر کے واپس آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

رات بھر برٹش ایمبیسی کے باہر لائن میں بیٹھنے کے باوجود جب صبح مقررہ وقت پر ایمبیسی کی طرف سے داخلے کے ٹوکن جاری ہونے شروع ہوئے تو میرا نمبر 63 تھا۔

ایمبیسی کے احاطے میں داخل ہو کر "واش روم" گیا، برش کیا، ہاتھ منہ دھویا اور اپنا حلیہ درست کر کے قونصلر ہال (ویزہ آفس) میں داخل ہوا تو مجھے ٹوکن نمبر 49 ملا۔ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب میرے انٹرویو کی باری آئی۔ ویزا آفیسر نے میرے فارم اور دیگر کاغذات چیک کیے، پرانے پاسپورٹوں پر پہلے سے لگے ہوئے ویزے دیکھے اور تازہ ترین لگا ہوا امریکن ویزا دیکھ کر مجھے چھ ماہ کے ویزے کی خوشخبری سنادی اور میرا پاسپورٹ اور ویزا فارم جمع کر لیے اور مجھے فیس جمع کرانے کے لیے کیشئر کی طرف بھیج دیا۔ چنانچہ چند منٹ بعد فیس جمع کرا کے میں فارغ ہو گیا۔ مجھے کہا گیا کہ میں اڑھائی تین گھنٹے کے بعد آ کر

Marfat.com

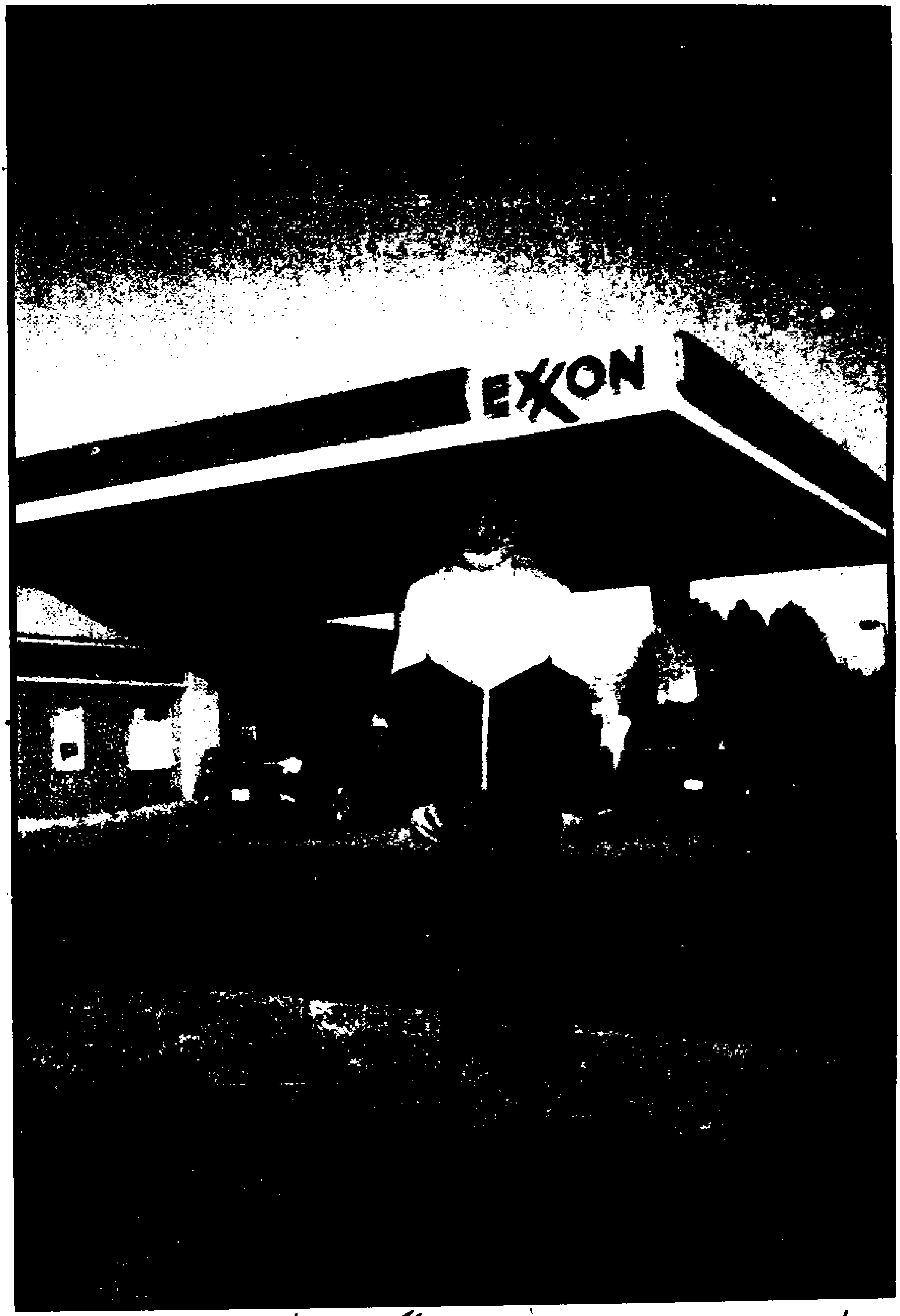

بالٹی مور امریکہ۔ مصنف اپنے گیس اسٹیشن کے سامنے

Marfat.com

خروج (Exit) گیٹ کے ساتھ بنی ہوئی کھڑکی سے ویزا لگا پاسپورٹ وصول کرلوں۔

مجھے اس وقت سخت بھوک لگ رہی تھی اور چائے کی طلب بھی محسوس ہو رہی تھی لہٰذا ایمبیسی کی بلڈنگ سے باہر نکل آیا۔ کنیڈین ایمبیسی کے پاس سے ویگن پکڑ کر آبپارہ مارکیٹ آ گیا۔ ایک ریستوران میں ناشتہ کر کے کچھ دیر لال مسجد کے صحن میں آرام کیا۔ ساڑھے گیارہ بجے واپسی ایمبیسی پہنچا تو گیٹ پر ان لوگوں کے نام کی ایک فہرست آویزاں تھی جن کے پاسپورٹ ویزا لگ کر گیٹ پر آ چکے تھے۔ ان میں میرا نام بھی شامل تھا۔ اپنا پاسپورٹ وصول کر کے سیدھا راولپنڈی پہنچا۔ کمیٹی چوک سے فلائنگ کوچ پکڑی جس نے شام 6:15 بجے لاہور پہنچا دیا۔ راولپنڈی سے چلنے کے بعد شدید بارش شروع ہو گئی جو گوجرانوالہ پہنچنے تک جاری رہی۔ ڈرائیور نے نہایت محتاط ڈرائیونگ کرتے ہوئے سفر جاری رکھا۔ لاہور میں بارش کا نام ونشان بھی نہ تھا۔

آزادی چوک میں فلائنگ کوچ سے اتر کر ویگن پکڑی اور بخیریت گھر پہنچ گیا۔ سب سے پہلے وضو اور غسل کر کے قضا نمازیں ادا کیں، شکرانے کے نوافل ادا کیے اور بعد ازاں چھت پر بستر لگا کر وہیں کھانا کھایا۔ کیونکہ میرے گھر پہنچنے سے پہلے ہی بجلی غائب تھی۔ بستر پر لیٹتے ہی گہری نیند آ گئی کیونکہ پچھلی دو راتوں کا جگراتا، سفر کی تھکان اور بے آرامی کی وجہ سے پورا جسم درد کر رہا تھا۔

نوٹ: اب امریکن اور برٹش ویزا کا طریق کار بالکل تبدیل ہو چکا ہے۔ پاسپورٹ، ویزا فیس اور دستاویزات کی وصولی اور چیکنگ کا کام کوریئر سروس Fedex فیڈیکس اور امریکن ایکسپریس کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ انٹرویو کے لیے اسلام آباد نہیں جانا پڑتا۔ ویزا لگ کر یا نہ لگ کر فیڈیکس کے ذریعے ہی پاسپورٹ واپس آ جاتا ہے۔ اس طرح ویزا کے خواہشمندوں کو اسلام آباد جانے اور پہلے کی طرح لمبی لائنوں میں لگنے کی زحمت سے نجات مل گئی ہے۔ صرف استثنائی صورت میں ہی انٹرویو کے لیے بلایا جاتا ہے۔ امریکہ نے پولیس کیریکٹر سرٹیفکیٹ بھی لازمی کر دیا ہے۔

سفر کی تیاری

9 جون کو صبح ڈی سی آفس جا کر اپنا ''انٹرنیشنل ڈرائیونگ لائسنس'' بنوایا۔ میں جب

Marfat.com

بھی کسی غیر ملکی سفر پر نکلتا ہوں، انٹرنیشنل ڈرائیونگ لائسنس ضرور ساتھ رکھتا ہوں کیونکہ اس سے غیر ممالک میں ایک سال تک گاڑی چلانے میں سہولت رہتی ہے، وہاں مقامی ڈرائیونگ لائسنس نہیں بنوانا پڑتا۔

غیر ملکی سفر پر روانگی سے پہلے چند اور باتوں کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً:

1- اگر آپ کسی قسم کی ادویات استعمال کرتے ہیں تو ایسی ادویات کی معقول مقدار اور ڈاکٹری نسخہ ضرور ساتھ رکھ لیں کیونکہ غیر ممالک میں ایک تو دوائیاں بہت مہنگی ہوتی ہیں دوسرے ڈاکٹری نسخے کے بغیر ملتی ہی نہیں ہیں۔

2- اپنے ''بلڈ گروپ'' کا کارڈ ضرور ہمراہ رکھیں، خدانخواستہ کسی ایمرجنسی میں خون کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

3- اگر آپ ''ذیابیطس'' کے مریض ہیں۔ ادویات، گولیاں یا انسولین لیتے ہیں تو ''ذیابیطس'' کارڈ ضرور ہمراہ رکھیں۔

4- روزمرہ استعمال کی اشیاء مثلاً برش، ٹوتھ پیسٹ، کنگھا، جوتوں کا برش، ایک چپل، تولیہ، سوئی دھاگا، چند بٹن، پینٹ کی ایک فالتو بیلٹ، موسم کے لحاظ سے چند جوڑے گرم و ٹھنڈے کپڑے، جرابیں، ایک فالتو جوتا ضرور سامان میں پیک کر لیں۔

5- اپنے کپڑے، جوتے وغیرہ ایک چھوٹے سوٹ کیس میں پیک کریں جو جہاز کے ہینگر میں چلا جائے گا۔ اپنا پاسپورٹ، ٹکٹ، سفری دستاویزات، ٹریولر چیک اور ضروری کاغذات ایک ہینڈ بیگ میں رکھیں جو اپنے ساتھ جہاز کے اندر لے جا سکیں۔

6- سفر ہمیشہ ہلکے پھلکے انداز میں اور کم سے کم سامان کے ساتھ کریں۔ اس سے آپ ہوائی اڈوں، ریلوے سٹیشن اور بس سٹاپوں پر غیر ضروری بوجھ اور پریشانی سے محفوظ رہیں گے۔

9 جون کو ہی میں نے علی کمپلیکس، ایمپریس روڈ میں واقع ''ٹریول گائیڈ'' کے مینجنگ پارٹنر اور اپنے دوست حسن مسعود مرزا کو 22 جون کے لیے اپنی ٹکٹ بنانے کے لیے کہا۔

10 جون کو فیصل آباد جا کر اپنے دوستوں ملک محمد رفیق، غلام عباس، محمد یوسف غوری، مہر عبدالرشید (سابق ایم۔ این۔ اے) مہر جاوید عزیز، محمد عبدالرؤف اور رفیق راہی

Marfat.com

سے ملاقات کی۔

13 جون کو کراچی پہنچا اور اپنے کرم فرماؤں آغا عبداللہ، آفتاب ناگوری، سبطین نقوی، SVP یونائیٹڈ بنک، افتخار حسین زیدی اور چند دوسرے دوستوں سے الوداعی ملاقات کی۔ کراچی سے واپسی پر ملتان ریلوے سٹیشن پر میاں محمد جمال، سنیئر ایڈووکیٹ ہائی کورٹ اپنے بیٹوں میاں اصغر جمال، اختر جمال اور اطہر جمال کے ساتھ میرے منتظر تھے۔ بڑے خلوص، پیار اور محبت سے ملے۔ وہ میرے لیے گھر سے کھانا بھی تیار کرا کے لائے تھے۔ شالیمار ایکسپریس ٹرین تقریباً دو گھنٹے لیٹ ملتان پہنچی تھی اور میاں صاحبان اس دوران سٹیشن پر ہی موجود رہے تھے۔ ان کے ساتھ سٹیشن پر کھڑے کھڑے ہی کچھ دیر گپ شپ لگائی۔

ٹرین رات 10:30 بجے ملتان سے لاہور کے لیے روانہ ہو کر اپنے مقررہ وقت 0:30 بجے بجائے صبح 4:30 بجے یعنی پورے چار گھنٹے لیٹ ہو کر لاہور پہنچی اور میں پانچ بجے گھر پہنچ سکا۔

دوبئی

میرے دوست حسن مسعود مرزا نے مجھے ایمریٹ Emetate ائیرلائن کی ٹکٹ دلوادی تھی جس میں 24 گھنٹے کا دوبئی میں قیام ائیرلائن کے ذمے تھا۔

22 جون کو صبح 1:30 بجے گھر سے بیٹے ندیم طاہر، سہیل پاشا، شہریار طاہر، عمران سعید، اسفندیار طاہر اور اپنی اہلیہ مسز منور طاہر کے ہمراہ ائیرپورٹ کے لیے روانہ ہوا۔

ایمریٹ کے کاؤنٹر سے بورڈنگ کارڈ لے کر چند منٹ میں کسٹم اور امیگریشن سے فارغ ہو کر ڈیپارچر لاؤنج میں چلا گیا۔ نمازِ فجر بھی وہیں ادا کی۔

ایمریٹ ائیرلائن کی فلائٹ نمبر EK-675 ٹھیک اپنے مقررہ وقت 4:15 بجے روانہ ہوئی۔ جہاز کے اندر کا ماحول، عملے کا رویہ اور سروس کا معیار نہایت عمدہ تھا۔ جہاز کی روانگی کے 15/20 منٹ بعد مسافروں کو نہایت عمدہ ناشتہ چائے اور کافی کے ساتھ پیش کیا گیا۔ دو گھنٹے کے اس سفر کے دوران جہاز کا عملہ نہایت مستعدی اور خدمت گزاری کے جذبے کے ساتھ مسافروں کی خدمت میں مصروف رہا۔

Marfat.com

جہاز میں جرمن دوست سے اچانک ٹاکرا

علامہ اقبال ائیر پورٹ سے جہاز میں سوار ہونے کے بعد میں ابھی اپنی سیٹ کی تلاش میں کوریڈور سے گزر رہا تھا کہ مجھے کسی نے اچانک پیچھے سے جپھہ ڈال لیا۔ میں نے چونک کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو یعقوب بٹ صاحب مجھے اپنے بازوؤں کے شکنجے میں جکڑے مسکرا رہے تھے۔ یعقوب کو ایک عرصۂ دراز کے بعد دیکھ کر اس حسنِ اتفاق پر میں بھی کھل اٹھا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کی خیریت دریافت کی اور جہاز میں ایک ہی جگہ بیٹھ کر گپ شپ لگاتے ہوئے دوبئی تک کا سفر طے کیا۔ جرمنی کے قیام کے دوران میرا یعقوب کے پاس ہمبرگ میں ٹھہرنے کا پروگرام میں شامل تھا۔

یعقوب کا تعلق جلالپور جٹاں، گجرات سے ہے۔ ان سے میری پہلی ملاقات ستمبر 1979ء میں جرمنی کے مشہور صنعتی وثقافتی مرکز ''کلون'' میں ہوئی تھی، جو جلد ہی گہری دوستی کا روپ دھار گئی۔ اس وقت بھی یعقوب کا کلون کے قریب خوبصورت اور سرسبزو شاداب قصبے ''ویسلنگ'' میں واقع گھر نئے آنے والے پاکستانیوں کے لیے سب سے بڑی پناہ گاہ تھا۔ جرمنی زبان ایک بہت بڑا مسئلہ ہے اور یعقوب صاحب اس وقت بھی جرمن زبان پر مکمل عبور رکھنے کی وجہ سے ہر نئے پاکستانی کے ساتھ بطور ترجمان سرکاری دفتروں اور پرائیویٹ اداروں میں رہنمائی کا فریضہ ادا کیا کرتے تھے۔

دوبئی تک کا دو گھنٹے کا سفر پرانی یادیں تازہ کرتے ہوئے گزرنے کا اس وقت احساس ہوا جب جہاز میں دوبئی پہنچنے کا اعلان ہوا۔ یعقوب نے اسی فلائٹ سے فرانکفرٹ (جرمنی) تک جانا تھا جبکہ میرا دوبئی میں 24 گھنٹے رکنے کا پروگرام تھا، لہٰذا دوبئی ائیر پورٹ پر ہم نے ایک دوسرے سے جرمنی میں جلد دوبارہ ملنے کی امید پر الوداع کہا۔ رخصت ہونے سے پہلے یعقوب نے مجھ سے وعدہ لے لیا کہ فرانکفرٹ پہنچ کر میں سیدھا اس کے پاس ہمبرگ چلا آؤں جہاں اس کا اور اس کے دونوں بیٹوں ندیم اور ساجد کا وسیع کاروبار ہے۔

فلائٹ عین اپنے وقت مقررہ 6:15 بجے دوبئی لینڈ کر گئی۔ کسٹم اور امیگریشن سے 15/20 منٹ میں فارغ ہو گئے۔ امیگریشن والوں نے میرا پاسپورٹ جمع کر کے مجھے 24

Marfat.com

گھنٹے کی انٹری دے دی ایئرلائن کی طرف سے مجھے ہوٹل مارکو پولو Marcopolo میں ٹھہرانے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ جیسے ہی ایئرپورٹ کی عمارت سے باہر آیا تو ہوٹل کی وین کا ڈرائیور میرے نام کی تختی بلند کیے ہوئے میرا منتظر تھا۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر اپنا تعارف کرایا، اس نے مؤدب انداز میں سلام کر کے میرا بیگ اٹھا کر وین میں رکھا۔ مجھے نہایت آرام دہ، ایئرکنڈیشنڈ وین کے اندر بٹھا کر چند دوسرے مسافروں کو لینے چلا گیا۔ اس طرح 15/20 منٹ میں وین میں پانچ مسافر سوار ہو گئے اور ڈرائیور نے دوبئی کی سنسان سڑکوں پر ہوٹل کی طرف فراٹے بھرنے شروع کر دیے۔ صبح صبح دوبئی کی سڑکوں پر ٹریفک برائے نام ہی تھی۔

ہوٹل، ایئرپورٹ سے کافی دور معلوم ہوتا تھا کیونکہ ہوٹل پہنچنے میں تقریباً پچیس منٹ لگ گئے۔ مجھے ہوٹل کے کمرہ نمبر 224 میں ٹھہرایا گیا۔ ایک پورٹر (قلی) نے میرا سوٹ کیس اٹھایا اور مجھے میرے کمرے میں پہنچا دیا۔ پورٹر نیپالی تھا، انگلش، اردو، ہندی اور عربی بول اور سمجھ لیتا تھا۔

جب اسے معلوم ہوا کہ میں لاہور، پاکستان سے آیا ہوں تو اس نے پاکستانیوں خصوصاً لاہور کے لوگوں کی تعریفیں شروع کر دیں۔ کہنے لگا۔ "صاحب! لاہور کا آدمی لوگ بہت زندہ دل اور فس کلاس ہوتا ہے۔ دوبئی آ کر بہت پیسہ خرچ کرتا ہے۔ جبکہ انڈین لوگ بہت کنجوس ہوتا ہے"۔

میرے پاس ٹپ دینے کے لیے مقامی کرنسی تو تھی نہیں۔ میں نے اسے پاکستانی سو روپے کا نوٹ دیا تو کہنے لگا۔ "صاحب! دوبئی میں ہر ملک کا کرنسی چلتا ہے، ٹھیک ہے سر! آپ ہاتھ لے کر نیچے لابی میں آ کر بریک فاسٹ کھا لیں"۔ اتنا کہہ کر وہ آہستہ سے دروازہ بند کر کے چلا گیا۔

اب میں نے کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ کمرہ نہایت فراخ، ایئرکنڈیشنڈ، ٹیلیفون، انٹرنیٹ کنکشن، کلر ٹی وی، ہر قسم کے مشروبات سے بھرے ہوئے ایک ریفریجریٹر سے مزین تھا۔ میں نے پردہ سرکا کر باہر جھانکا تو مین روڈ پر تاحد نظر کھجور کے درخت قطار در قطار لگے ہوئے تھے اور دھوپ خوب چمک رہی تھی۔

میں نے کپڑے تبدیل کیے، غسل کیا اور لفٹ کے ذریعے نیچے لابی میں آ گیا۔ ناشتہ

Marfat.com

اگرچہ میں جہاز میں ہی کر چکا تھا۔ صرف ایک کپ کافی اور دو سلائس لے کر وقت گذاری کے لیے ایک ٹیبل پر بیٹھ کر اردگرد کے ماحول کا جائزہ لینے لگا۔

ہوٹل میں کام کرنے والے عملے کے ارکان سب کے سب غیر ملکی تھے۔ کاؤنٹر پر جو لڑکیاں آنے والے مہمانوں یا رخصت ہونے والے مسافروں کو اٹنڈ کر رہی تھیں وہ سری لنکن تھیں۔ کچن اور لابی میں کام کرنے والے باورچی اور بیرے (مردوزن) بھی بنگلہ دیش، انڈین یا سری لنکن ہی تھے۔ مجھے کہیں کوئی پاکستانی ملازم نظر نہیں آیا۔

مہمانوں میں تقریباً ہر ملک اور ہر قومیت کے لوگ تھے۔ عربی چغوں، سوٹ بوٹ اور شلوار قمیض میں ملبوس مہمان بوفے بریک فاسٹ سے اپنے اپنے پسندیدہ کھانوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ میں تقریباً ایک گھنٹہ تک لابی میں بیٹھا کافی کی چسکیاں لیتا رہا۔ پھر واپس کمرے میں آ کر بستر پر دراز ہو گیا۔ چونکہ پچھلی رات سفر کی تیاری اور سفر میں گذری تھی اور نیند نہیں لے سکا تھا، اس لیے فوراً ہی نیند آ گئی اور میں آرام دہ بستر میں خواب خرگوش کے مزے لینے لگا۔

جب آنکھ کھلی تو ظہر کی اذان کی آواز آ رہی تھی۔ واش روم (غسل خانہ) جا کر وضو کیا اور ہوٹل کے کسی سٹاف ممبر سے رہنمائی لے کر قریبی مسجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کرنے کا قصد کیا۔ کاؤنٹر پر موجود ایک لڑکے نے مسجد کا راستہ سمجھایا، جو ہوٹل سے تقریباً آدھ کلومیٹر پر واقع تھی۔ جیسے ہی ہوٹل کے خنک ماحول سے مین گیٹ سے باہر نکلا، گرم ہوا کی ایسی لپٹ پڑی کہ چودہ طبق روشن ہو گئے۔ جون میں تو اپنے پنجاب میں ہی جھلسا دینے والی لُو چلتی ہے۔ وہ تو پھر دوبئی تھا۔ چند قدم دھوپ میں چل کر ہی ہمت جواب دے گئی اور بھاگ کر واپس ہوٹل میں آ گیا۔ اپنے کمرہ میں قبلہ کی سمت کا نشان آویزاں تھا۔ لہٰذا کمرے میں ہی دو فرض ادا کر کے واپس بستر میں گھس گیا۔ کچھ دیر ٹی وی دیکھا، ایک انگریزی اخبار، خلیج ٹائمز، جو میں کاؤنٹر سے اٹھا لایا تھا، کی ورق گردانی کی۔ ''دوبئی شاپنگ گائیڈ'' کا سرسری جائزہ لیا اور دوبارہ سو گیا۔

شام کو غروب آفتاب سے تھوڑی دیر پہلے بستر سے نکلا غسل کیا، عصر اور مغرب کی نمازیں اکٹھی ادا کیں اور کافی پینے کے لیے نیچے لابی میں آ گیا۔ بیٹھے بیٹھے باہر سڑک کا نظارہ کیا۔ پوری سڑک روشنی سے نہائی ہوئی تھی۔ کھجور کے درخت تیز ہوا کے جھونکوں سے لہرا

Marfat.com

رہے تھے۔

اپنی کافی ختم کر کے دوبارہ ہوٹل سے باہر نکلا تو خیال تھا کہ باہر درجہ حرارت کافی کم ہو چکا ہوگا، لیکن ہوا میں تپش بدستور موجود تھی۔ چند فرلانگ تک زیر تعمیر فٹ پاتھ کے ساتھ ساتھ چہل قدمی کی۔ ایک بڑے ڈیپارٹمنٹل سٹور میں گھس کر قیمتوں کا جائزہ لیا، پاکستان کی بنی ہوئی بے شمار اشیاء سٹور میں موجود تھیں۔ جن میں پاکستانی آم سب سے زیادہ فروخت ہونے والی آئٹم تھی۔ چونکہ مجھے کوئی خریداری تو کرنا نہیں تھی۔ اس لیے بے مقصد گھوم پھر کر سٹور کی خنک فضا میں کچھ وقت گذار کر واپس ہوٹل آ گیا۔ ہوٹل کے اردگرد بے شمار تعمیراتی کام ہو رہا تھا۔ سڑک کے دونوں طرف فٹ پاتھ بھی زیر تعمیر تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ دوبئی کا مضافاتی علاقہ ہے جہاں ابھی تعمیر و ترقی کا عمل جاری ہے۔ بے شمار نئے گھر، دکانیں، ڈیپارٹمنٹل سٹور، اپارٹمنٹس اور ہوٹل زیر تعمیر تھے۔

چونکہ دوپہر کو کھانا نہیں کھایا تھا اور چہل قدمی کرنے سے بھوک بھی چمک اٹھی تھی۔ لہٰذا واپس ہوٹل پہنچ کر رات کا کھانا کھایا۔ بیشتر ڈشیں گوشت سے بنی ہوئی تھیں۔ میں سفر میں ہمیشہ گوشت سے اجتناب کرتا ہوں۔ ابلے ہوئے چاول، دال سبزی اور کڑھی بھی موجود تھی مگر روٹیوں یا چپاتیوں کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ میں نے دو چپاتیوں کا آرڈر دے دیا جن کے آنے میں تقریباً پندرہ منٹ لگے اور جن کی قیمت کے طور پر مجھے 10 ریال ادا کرنے پڑے کیونکہ چپاتیاں رات کے کھانے کے مینو میں شامل نہیں تھیں، جو ہوٹل کے مہمانوں کو ائیر لائن کی طرف پیش کیا جا رہا تھا۔ یہ روٹیاں ہوٹل والوں کو میرے لیے خصوصی طور پر تیار کرنی پڑی تھیں۔

دوبئی سے جرمنی

رات کے کھانے کے بعد واپس کمرے میں آ کر اخبارات و رسائل کا مطالعہ کرتے کرتے رات کے 12 بج گئے۔ چونکہ دن بھر سویا تھا، اس لیے اب نیند نہیں آ رہی تھی، صبح پانچ بجے دوبئی سے لفتھانزا ائیر لائن سے فرینکفرٹ کے لیے روانہ ہونا تھا۔ روشنی گل کر کے سونے کی کوشش کی ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی ریسور اٹھایا تو استقبالیہ سے لڑکی کہہ رہی تھی۔

Marfat.com

''گڈ مارننگ سر، تین بجے ہمارا پورٹر آپ کا سامان نیچے لانے کے لیے پہنچ جائے گا۔ آپ غسل وغیرہ کر کے ایئر پورٹ جانے کے لیے تیار ہو جائیے۔ تھینک یو سر''۔ اس وقت رات کے دو بجے تھے۔

ٹھیک تین بجے ہوٹل کا پورٹر سامان لینے کے لیے پہنچ گیا۔ ایئر پورٹ جانے کے لیے وین تیار کھڑی تھی۔ میرے ساتھ تین اور مسافر بھی تھے جنہوں نے اسی فلائٹ سے دوبئی سے سفر کرنا تھا۔ لہٰذا وین نے آدھے گھنٹے میں ایئر پورٹ پر جا اتارا۔

ایئر پورٹ کی ضروری کارروائیوں کے بعد اپنا پاسپورٹ لیا اور پوچھتے پاچھتے ''لفتھانزا'' کے کاؤنٹر پر پہنچ کر اپنا سوٹ کیس ان کے حوالے کر کے بورڈنگ کارڈ حاصل کر کے ڈیپارچر لاؤنج میں آ گیا۔ فلائٹ کی روانگی میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا، لیکن ڈیپارچر لاؤنج کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ کیونکہ دوبئی اب دنیا کا مصروف ترین ایئر پورٹ بن چکا ہے۔ بے شمار فلائٹیں آ رہی تھیں اور روانہ ہو رہی تھیں۔

میں نے یہ وقت ایئر پورٹ پر گھوم پھر کر ڈیوٹی فری شاپس پر ''ونڈو شاپنگ'' کرنے میں گذارا۔ پورا ایئر پورٹ دنیا بھر کے سامانِ تعیش سے بھرا پڑا تھا۔ زیورات، ہیرے جواہرات، تمباکو، سگریٹ، سگار، طرح طرح کی شرابیں، ملبوسات، جوتے، کراکری، سامانِ آرائش وزیبائش، کاسمیٹکس، خوشبویات حتیٰ کہ کاریں تک ان ڈیوٹی فری شاپس میں موجود تھیں۔

جرمنی میں آمد

دوبئی سے میری فلائٹ 5:00 بجے کی بجائے 5:20 بجے فرینکفرٹ کے لیے روانہ ہو کر جرمن وقت کے مطابق 9:50 بجے صبح فرینکفرٹ پہنچی۔

''لفتھانزا'' والوں نے راستے میں تقریباً بھوکا ہی رکھا۔ دوبئی سے روانگی کے بعد ایک ایک سموسہ اور کافی کا کپ بطور ناشتہ پیش کیا۔ اس کے بعد وہ بھول ہی گئے کہ مسافروں کو کچھ کھانے کو دیا جائے۔ فرینکفرٹ پہنچنے سے تھوڑی دیر پہلے جبکہ مسافروں کا بھوک سے برا حال ہو رہا تھا۔ ہلکا پھلکا کھانا پیش کیا گیا۔ لفتھانزا ایئر لائن کے متعلق میرا سابقہ تجربہ بہت اچھا تھا۔ یہ لوگ دورانِ سفر مسافروں کو اس قدر کھلاتے ''پلاتے'' تھے کہ بعض مسافر تو

Marfat.com

منزلِ مقصود تک پہنچتے پہنچتے ٹن ہو جایا کرتے تھے۔

بہرحال فرینکفرٹ ایئرپورٹ پر کسٹم اور امیگریشن سے فارغ ہو کر ایئرپورٹ کے زیریں حصے میں واقع ٹرین سٹیشن سے ہمبرگ جانے والی ٹرین پکڑی جس نے فرینکفرٹ سے 11:05 بجے روانہ ہو کر شام 5:30 بجے ہمبرگ پہنچا دیا۔

ہمبرگ کے آلٹونا سٹیشن کے قریب ہی میرے پیارے دوست محمد یعقوب بٹ اور ان کے صاحبزادے ندیم اور ساجد کے سٹور ہیں۔ میں آلٹونا سٹیشن سے پیدل ہی ان کے پاس پہنچ گیا۔ وہ مجھے اپنے درمیان دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ یعقوب صاحب سے لاہور سے دوبئی تک کے سفر کے دوران جہاز کے اندر ہی اتفاقاً ملاقات ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ میری آمد کے منتظر تھے۔

23 جون سے 4 جولائی تک میرا قیام جرمنی کے مختلف شہروں میں رہا۔ ہمبرگ کے علاوہ لونی برگ (Luneburg) ڈھالنبرگ (Dhalen Burg) اور کیل (Keel) کے شہروں کی سیر کی اور اپنے پرانے دوستوں، دانیال صادق، شکیل انجم، اسرار حسین شاہ، مارکوس اور ان کے اہلِ خانہ سے ملاقاتیں کیں۔

جرمنی کا دس دن کا یہ سفر بہت سی خوشگوار اور حسین یادیں لیے ہوئے ہے۔

جرمنی میں دس روز

پہلے روز ندیم یعقوب نے اپنے گھر پر نہایت پُرتکلف دعوتِ شیراز کا اہتمام کر رکھا تھا۔ بیگم ندیم نے بہت سے لذیذ پاکستانی کھانے تیار کر رکھے تھے۔ لہٰذا گپ شپ لگاتے ہوئے سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔

شب بسری کے لیے یعقوب صاحب کھانے کے بعد مجھے اپنے فلیٹ پر لے آئے جو آلٹونا میں ان کے سٹور کے بالمقابل واقع ہے اور جہاں وہ اپنے بیٹوں سے الگ اکیلے ہی رہتے ہیں۔ میرا سامان میری آمد کے بعد پہلے ہی یہاں پہنچا دیا گیا تھا۔ دنیا کی ہر آسائش سے آراستہ فلیٹ میں دو نہایت آرام دہ بیڈ لگے ہوئے تھے۔

میں نے سب سے پہلے شب خوابی کا لباس زیبِ تن کر کے "لونی برگ" فون کر کے دانیال اور فوزیہ کو اپنی ہمبرگ آمد کی اطلاع دی۔ کیونکہ وہ میری اپنے ہاں آمد کے منتظر تھے

Marfat.com

ور میرے نہ پہنچنے کی وجہ سے پریشان تھے۔ لاہور سے چلنے سے پہلے میرا جو پروگرام تھا وہ سیدھا "لونی برگ" پہنچنے کا ہی تھا، لیکن جہاز کے اندر یعقوب سے اچانک ملاقات کی وجہ سے مجھے اپنا پروگرام یعقوب کے اصرار پر تبدیل کر کے پہلے ہمبرگ آنا پڑا تھا۔ بہر حال میرا فون سن کر دانیال اور فوزیہ مطمئن ہو گئے ورنہ وہ طویل انتظار کے بعد پاکستان میرے گھر فون کرنے والے تھے۔

جمعرات، 24 جون کو علی الصبح اٹھ کر وضو اور غسل کیا اور گذشتہ روز کی تمام قضا نمازیں ادا کرنے کے بعد نمازِ فجر ادا کی۔ پھر کچھ دیر تلاوت کلام پاک سے دل و دماغ کو روشن کیا۔ اتنے میں یعقوب صاحب بھی اٹھ گئے۔ حوائج ضروریہ اور غسل کے بعد وہ بھی تیار ہو گئے اور نیچے آ کر قریب ہی واقع میکڈانلڈ سے ناشتہ کیا اور کافی سے لطف اندوز ہوئے جس سے طبیعت ہشاش بشاش ہو گئی۔ پھر یعقوب نے اپنا سٹور کھولا اور کاروبار میں مصروف ہو گیا۔ میں وقت گزاری کے لیے اردگرد واقع مارکیٹوں اور سپر سٹوروں میں "ونڈو شاپنگ" کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ گھومتے گھامتے آلٹونا ریل سٹیشن سے لونی برگ جانے والی ٹرینوں کا ٹائم ٹیبل اور کرایہ نامہ بھی پکڑ لایا۔ وہاں یہ چیزیں بالکل مفت مل جاتی ہیں اور کافی تعداد میں ہر سٹیشن پر موجود ہوتی ہیں۔ وہیں پر موجود ایک بک شاپ سے ایک انگریزی اخبار خریدا اور سٹیشن پر موجود آرام دہ صوفے پر بیٹھ کر ورق گردانی شروع کر دی۔ بک شاپ پر زیادہ اخبارات جرمن زبان میں ہی نظر آئے۔ صرف ایک دو انگریزی اور ایک اخبار "حریت" ترکی زبان کا نظر آیا۔ جرمنی میں ترک باشندے (مسلمان) سب سے بڑی اقلیت ہیں اس لیے ترکی زبان کے اخبارات بھی ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ اگرچہ جرمنی میں پاکستانی بھی بڑی تعداد میں آباد ہو چکے ہیں لیکن اردو زبان میں کوئی روزنامہ اخبار نہیں نکلتا شاید ایک دو ہفت روزہ اخبارات نکلتے ہیں اور وہ بھی صرف پاکستانی سٹوروں یا ریسٹورانوں میں ہی نظر آتے ہیں۔

اسی روز بعد دوپہر ندیم اور اشتیاق کے ساتھ ساحلی شہر "کیل" جو جرمنی اور ڈنمارک کے درمیان واقع ہے، روانہ ہوئے، وہاں بادبانی کشتیوں کا دنیا کا سب سے بڑا میلہ لگتا ہے اور ندیم نے وہاں سٹال لگانا تھا۔

ندیم کی ویگن کے اندر ہی ہر قسم کا مال بھرا ہوتا ہے۔ چنانچہ جس شہر میں کوئی میلہ وغیرہ

Marfat.com

لگتا ہے، ندیم وہاں پہنچ کر اپنا سٹال لگا لیتا ہے۔اشتیاق اور ظہیر اس کے مددگار ہیں۔

ہم تقریباً ایک گھنٹے میں کیل پہنچ گئے۔ بچے تو ایک مناسب جگہ سٹال لگا کر اپنے دبار میں مصروف ہو گئے اور میں میلہ دیکھنے نکل کھڑا ہوا

وہاں مختلف ملکوں نے سرکاری سطح پر بھی اپنے سٹال لگائے ہوئے تھے۔ پاکستانی ٹال بھی بہت خوبصورت تھا اور اس سٹال پر سب سے دلچسپ چیز ایک نہایت مہارت سے سجایا گیا ٹرک تھا۔ جسے جرمن لوگ بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے، ایسے ٹرک ہماری جی ٹی روڈ پر عام نظر آتے ہیں۔

ایک طرف کھانے پینے کے سٹال بھی نظر آئے۔مختلف ممالک اور قومیتوں نے اپنے اپنے پسندیدہ کھانے پیش کئے تھے اور لوگ ان سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ایک فوڈ سٹال پر دو لمبی لائنیں نظر آئیں۔قریب پہنچا تو میرا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ یہ پاکستانی سٹال تھا جہاں کی سپیشل ڈش ابلے چاول، کڑھی اور پکوڑے تھے اور جرمن لوگ ان پر ٹوٹے پڑ رہے تھے حالانکہ اس کے ذرا فاصلے پر انڈین سٹال تھا جہاں کوئی گاہک نظر نہ آ رہا تھا، پاکستانی سٹال کے باسمتی چاولوں کی خوشبو اور پکوڑوں کی مہلک دور دور تک پھیلی ہوئی تھی جو جرمنوں اور دیگر ممالک کے باشندوں کو کشاں کشاں پاکستانی فوڈ سٹال کی طرف کھینچے لیے آ رہی تھی۔ دس بارہ پاکستانی لڑکے جو تازہ پکوڑے تلنے اور چاول ابال کر گاہکوں کو ڈسپوزایبل پلیٹوں میں پیش کر رہے تھے۔ بے حد مصروف تھے۔ ان کا سپروائزر لڑکوں کو پنجابی زبان میں ہدایات دینے کے ساتھ ساتھ اپنے جرمن گاہکوں کو جرمن زبان میں اپنے پکوان کی خوبیاں بتانے میں جتا ہوا تھا۔ میں اس کی پھرتی اور اپنے کام سے لگن کو چند قدم دور کھڑا بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں اس کی تعریف کر رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ اس نے بڑے زور سے السلام علیکم کہا اور ہاتھ کے اشارے سے کہنے لگا۔ ''میاں جی! تسیں اندر آ جاؤ''۔اس کا اشارہ کچن کے پیچھے لگے خیمے کی طرف تھا۔ خیمے کے اندر ایک فولڈنگ ٹیبل اور چار کرسیاں لگی تھیں ایک کونے میں ایک فولڈنگ چارپائی اور دیگر سامان پڑا تھا۔ نیچے فرش پر پاکستانی قالین بچھا تھا۔ میں جونہی خیمے میں آ کر بیٹھا، ایک لڑکا چاولوں کی پلیٹ، پکوڑے اور کڑھی لے کر آ گیا۔ میں بہت نانا کرتا رہا لیکن ان کا اصرار تھا کہ میں ان کی اس دعوتِ شیراز سے ضرور لطف اندوز ہوں۔ اگرچہ مجھے بھوک بھی لگ رہی تھی لیکن میرا ارادہ

Marfat.com

بچوں کے ہمراہ جا کر کھانا کھانے کا تھا۔ بہر حال پرویز کے بے حد اصرار پر مجھے لذت کام و دہن سے لطف اندوز ہونا پڑا۔ واقعی یہ ڈش قابل تعریف تھی۔ میں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ جب میں نے کونٹر پر جا کر ادائیگی کرنے کی کوشش کی تو پرویز نے سختی سے منع کر دیا۔

''ناجی نا! تسیں ساڈے مہمان او، تہاڈا ساڈے سٹال تے آنا ہی ساڈی عزت افزائی اے۔ سارے پاکستانی بھراواں واسطے ساڈی کھلی دعوت اے''۔

کیل کے مقامی اخبار میں اس سٹال کی تصویر چھپی ہوئی تھی اور اسے فوڈ کوالٹی، صفائی اور سروس کے لحاظ سے میلے کا بہترین سٹال قرار دیا گیا تھا۔ میں پرویز (سٹال کے مالک) اور ان کے ساتھیوں کا شکریہ ادا کر کے ساحل کی طرف نکل گیا جہاں کھلے سمندر میں تا حدِ نظر ہزاروں کی تعداد میں بادبانی کشتیاں مختلف ممالک کے جھنڈے لہراتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ان میں جدید دور کی نئی نویلی کشتیوں سے لے کر دو سو سال تک پرانی کشتیاں بھی شامل تھیں۔ ان کے بلند و بالا مستول فضا میں جھولتے ہوئے عجب حسین منظر پیش کر رہے تھے۔

میں ندیم اور اس کے ساتھیوں کو، جو اس وقت کافی مصروف نظر آ رہے تھے، یہ بتا کہ کہ میں کھانا کھا چکا ہوں، ساحل کی سیر کرتا ہوا کئی میل دور تک نکل گیا۔ ہر طرف میلے کی رونقیں اپنے عروج پر نظر آئیں۔ جگہ جگہ ہمارے ہاں کی طرح جھولے بھی لگے ہوئے تھے۔ ایک جگہ فضائی جمپ کا مظاہرہ بھی ہو رہا تھا۔ لوگ اُڑن کھٹولے (بیلون) میں سوار شہر کے اوپر فضاؤں میں اُڑتے پھر رہے تھے اور ایسے سینکڑوں غبارے فضا میں تیر رہے تھے۔ معمولی ٹکٹ پر بادبانی کشتیوں کی سیر بھی ہو رہی تھی۔ غرضیکہ میلے کی رونقیں اپنے عروج پر تھیں۔

میں اب پھرتے پھراتے تھک چکا تھا۔ چنانچہ ایک کشتی کے اندر بنے ریستوران میں بیٹھ کر گرم گرم کافی کا لطف اٹھایا اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد خراماں خراماں ندیم کے سٹال پر پہنچ گیا۔ اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا اور 10:00 بج چکے تھے (جرمنی میں سورج اسی وقت غروب ہوتا ہے) لوگ آہستہ آہستہ واپس اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہونا شروع ہو گئے۔ ندیم کے سٹال پر اب بھی کافی رش تھا۔ مجھے ظہیر نے سٹال کے قریب فولڈنگ چیئر لگا دی اور میں اس پر بیٹھ کر ارد گرد کے نظاروں سے لطف اندوز ہونے لگا۔

رات 12 بجے کے قریب ندیم، اشتیاق اور ظہیر نے اپنا سامان پیک کر کے واپس

Marfat.com

وین میں رکھا اور ہم تقریباً ایک گھنٹے میں واپس ہمبرگ ندیم کے گھر پہنچ گئے۔ ندیم کی بیگم نے بہترین اور لذیذ پاکستانی کھانے تیار کر رکھے تھے۔ جوسب نے سیر ہو کر کھائے۔ میں نے یہ رات بیٹے ندیم کے ہاں گزاری۔

اگلے روز جمعہ 25 جون شام کے وقت یعقوب سے اجازت لے کر میں آلٹونا سٹیشن سے لوکل میٹرو ٹرین کے ذریعے مین سٹیشن ہمبرگ پہنچا اور وہاں سے "لونی برگ" جانے والی انٹرسٹی ریل پکڑنے میں کافی تکلیف اٹھانی پڑی۔ کیونکہ لوکل میٹرو ٹرین زیرِ زمین چلتی ہے۔ وہاں سے سامان سمیت دو منزل اوپر آ کر انٹرسٹی ریل پکڑنی ہوتی ہے۔ مین سٹیشن بہت بڑا ہے اور اس کے بیس سے زائد پلیٹ فارم ہیں لہٰذا سائن بورڈوں کی مدد سے پتہ لگانا پڑتا ہے کہ آپ کی مطلوبہ ٹرین کس پلیٹ فارم سے اور کتنے بجے روانہ ہو گی۔

میں نے مین سٹیشن ہمبرگ سے دانیال کو اپنی متوقع لونی برگ آمد کے وقت سے فون کر کے اطلاع کر دی تھی تا کہ وہ مجھے سٹیشن سے آ کر لے جائیں۔ دانیال کا گھر لونی برگ سٹیشن سے 18 کلو میٹر کے فاصلے پر ڈہیالنبرگ کے قصبے میں ہے۔ دانیال نے بتایا کہ اس کی سابقہ جرمن بیوی مائی موہنو اور اس کی موجودہ بیوی فوزیہ بیٹے سٹیل کو ڈاکٹر کو دکھانے کے لیے لونی برگ آئی ہوئی ہیں۔ وہ واپس آتے ہوئے مجھے سٹیشن سے لے لیں گی، لہٰذا میں لونی برگ پہنچ کر سٹیشن پر ہی ان کا انتظار کروں۔

لونی برگ سٹیشن پر پہنچے ہوئے مجھے پندرہ بیس منٹ ہی ہوئے تھے اور میں وقت گزاری کے لیے سٹیشن پر موجود کیفے میں بیٹھ کر گرم گرم کافی سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ مائی موہنو ہاتھ میں کار کی چابیوں کا گچھا لہراتی ہوئی پہنچ گئی اور آتے ہی مجھے جرمن زبان میں ویلکم کرتے ہوئے مجھ سے لپٹ گئی (موہنو کا جرمن لمبا چوڑا نام تو کچھ اور ہے لیکن دانیال نے شادی کے بعد اسے یہ پنجابی نام "مائی موہنو" دیا تھا)۔ میں چونکہ پہلے بھی کئی دفعہ جرمنی آ کر دانیال اور موہنو کی میزبانی کا لطف اٹھا چکا تھا، اس لیے وہ مجھ سے بہت بے تکلف تھی۔ ویسے بھی جرمن لوگ بڑے فراخ دل، مہمان نواز اور جلد گھل مل جانے والے لوگ ہیں اس لیے میں ہمیشہ ان کے پاس آ کر گھر جیسا سکون محسوس کرتا رہا ہوں۔ میرے جرمنی کے پہلے سفروں کی تفصیل میری کتاب "عالمی سفرنامہ" میں موجود ہے۔

موہنو نے میری اور میرے بیوی بچوں کی خیریت معلوم کی اور میرا سفری بیگ اپنے

Marfat.com

بالٹی مور مصنف اپنے دوست ملک محمد رفیق کے ساتھ

Marfat.com

کندھے پر لٹکا کر سٹیشن کے باہر کھڑی اپنی BMW کار کی طرف چل پڑی۔ اس نے بتایا کہ فوزیہ اور سنیل گاڑی میں بیٹھے میرا انتظار کر رہے ہیں۔ سنیل کی طبیعت قدرے خراب تھی لہٰذا اسے ڈاکٹر کو دکھا کر دوائی لے کر آئے ہیں۔ سنیل، فوزیہ اور دانیال کا پہلا بیٹا ہے۔ مائی موہنو سے دانیال کے دو بیٹے ہیں۔

جیسے میں نے سٹیشن کی سیڑھیوں سے نیچے قدم رکھا۔ فوزیہ سنیل کو گاڑی میں ہی چھوڑ کر بھاگتی ہوئی آئی اور مجھ سے جپھا ڈال کر لپٹ گئی۔ فوزیہ بہت پیاری بچی ہے اور میرا بہت احترام کرتی ہے۔ دانیال سے اس کی شادی میں مَیں نے اہم رول ادا کیا تھا اور لاہور سے اسے جرمنی کے لیے میں نے ہی روانہ کیا تھا۔ اس کے بچپن کا کچھ حصہ جرمنی میں ہی گزرا تھا، اس لیے جرمن زبان بالکل جرمنوں کی طرح ہی بولتی ہے لیکن مجھ سے ہمیشہ پنجابی میں بات چیت کرتی ہے۔ جبکہ موہنو، جو ایک نرس ہے، بہت اچھی انگریزی بھی بول لیتی ہے اور مجھ سے انگریزی میں بات چیت کرتی ہے، اس لیے ان کے گھر رہتے ہوئے مجھے زبان کا کوئی مسئلہ محسوس نہیں ہوتا۔

سٹیشن سے نکل کر موہنو نے جو خود ڈرائیونگ کر رہی تھی، گاڑی اپنے قصبے ڈھالنبرگ کی طرف دوڑانا شروع کر دی جو لونی برگ سے 18 یا 20 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک خوبصورت قصبہ ہے جہاں دنیا کی ہر شہری سہولت موجود ہے۔ ہوٹل، ریسٹوران، بنک، ڈاکخانہ، ڈیپارٹمنٹل سٹور، پٹرول پمپ، بڑی چھوٹی مارکیٹیں، ریل سٹیشن (لوکل ٹرین کے لیے) اور بس ٹرمینل وغیرہ۔ سب یہاں موجود ہیں۔

پندرہ بیس منٹ میں ہم گھر پہنچ گئے۔ دانیال گھر پر ہی موجود تھا۔ بڑے خلوص اور پیار سے اس نے میرا استقبال کیا۔ بہت بڑا گھر ہے اردگرد بڑا باغ باغیچہ ہے۔ صحن میں ٹینس کورٹ بھی بنا رکھا ہے۔ میں نے اپنے پچھلے قیام کے دوران باغیچے میں سٹرابری کے چند پودے لگائے تھے۔ جو اب آدھے باغیچے تک پھیل چکے تھے اور اتنا زیادہ پھل لگا ہوا تھا کہ دیکھ کر میں خود حیران رہ گیا۔

دانیال نے خود ہی پاکستانی کھانے تیار کیے تھے۔ گپ شپ لگاتے ہوئے سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا پھر اپنے اپنے بیڈ روموں میں جا کر سو رہے۔ میرا بیڈ دانیال اور موہنو کے بڑے بیٹے سیمی کے کمرے میں لگایا گیا تھا جو اب ملٹری میں جا چکا ہے۔ کمرے میں ٹی وی

Marfat.com

موجود تھا۔ میں رات گئے تک ٹی وی کے پروگراموں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

رات کو اگرچہ بہت دیر سے سویا تھا لیکن صبح نماز فجر کے وقت خود بخود آنکھ کھل گئی۔ وضو کر کے نماز ادا کی اور حسب عادت مکان کے پچھلے دروازے سے ہوا خوری اور سیر کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ گھر کے سامنے سے ایک پختہ سڑک کھیتوں میں سے ہوتی ہوئی دوسرے گاؤں کی طرف جاتی تھی۔ سڑک کے ساتھ ساتھ سائیکل ٹریک تھا۔ میں سائیکل ٹریک پر چل پڑا۔ اس دفعہ سیر میں دانیال کا کتا بھی میرا ہمراہی تھا۔ پہلے دانیال کے گھر میں کتا نہیں ہوتا تھا صرف پالتو بلی ہوا کرتی تھی۔ کتا انہوں نے کچھ عرصہ قبل ہی سنیل کے لیے لیا تھا۔ یہ کتا رات کو ہی مجھ سے کافی مانوس ہو گیا تھا، لہٰذا صبح میرے ساتھ مکان سے نکل کھڑا ہوا۔

گاؤں سے باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک طرف تاحدِ نظر گندم کے کھیت لہلہا رہے تھے اور دوسری طرف دور دور تک آلو کی فصل اپنی بہار دکھا رہی تھی۔ کھیتوں کے درمیان، ہمارے ہاں کی طرح درخت نہ ہونے کے برابر تھے لیکن دائیں ہاتھ تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر بہت بڑا اور گھنا جنگل تھا۔ راستے میں کئی جگہ جنگلی ہرنوں کے غول بھی نظر آئے۔ جو بلاخوف و خطر کھیتوں میں گھوم رہے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ قریبی جنگل سے رات کو ہرن خوراک کی تلاش میں کھیتوں کی طرف نکل آتے ہیں اور دن کی روشنی پھیلتے ہی واپس جنگل میں جا گھستے ہیں۔ قانوناً انہیں مارنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک خاص موسم میں حکومت مخصوص تعداد میں انہیں مارنے کی اجازت کے لائسنس جاری کرتی ہے۔ اکثر کھیتوں کے اردگرد باڑ لگی ہوتی ہے اس لیے یہ ہرن فصلوں کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچاتے۔

میں آہستہ خرامی سے اردگرد کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دو اڑھائی میل دور دوسرے قصبے تک پہنچ گیا اور پھر واپس گھر آ گیا۔ سڑک اس وقت سنسان پڑی تھی۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر کچھ دیر CNN پر بین الاقوامی خبریں دیکھیں اور پھر دوبارہ بستر میں گھس گیا۔ آج ہفتہ کا روز تھا۔ کسی نے کام پر نہیں جانا تھا، لہٰذا سب لوگ سو رہے تھے۔ میں بھی جلدی ہی نیند کی وادیوں میں پہنچ گیا۔

اسی روز ناشتے کے دوران ہمبرگ جا کر سیکنڈ ہینڈ گاڑیوں کی ہفتہ وار لگنے والی مارکیٹ دیکھنے کا پروگرام بن گیا۔ شکیل کو فون کیا کہ اگر اس کا بھی چلنے کا ارادہ ہو تو تیار رہے۔ ہم جاتے وقت اسے بھی ہمراہ لے لیں گے۔ اس نے فون پر تو ہاں کر دی لیکن جب

Marfat.com

ہم اس کے گھر پہنچے تو اس کا ارادہ بدل چکا تھا۔ شکیل مجھ سے مل کر بہت خوش ہوا۔ اس نے مجھے چند روز اس کے ہاں گزارنے کی دعوت دی جو میں نے بخوشی قبول کر لی۔ اس کی جرمن بیوی اور دونوں بیٹے بھی بہت خوش ہوئے۔ اس کے بچے مجھے "دادو" کہہ کر بلاتے ہیں۔ اس روز شکیل نے اپنے بڑے بیٹے ساندرو کو ہمارے ساتھ ہمبرگ بھیج دیا۔ ہمبرگ جاتے ہوئے دانیال نے راستے سے اپنے ایک دوست مجاہد کو بھی ہمراہ لے لیا۔ مجاہد کا جرمنی میں اپنا وسیع کاروبار ہے۔

تقریباً سوا ایک بجے ہم مارکیٹ پہنچے اور گھوم پھر کر مارکیٹ کا جائزہ لیا۔ اس وقت تک مارکیٹ کی رونقیں کافی کم ہو چکی تھیں کیونکہ اکثر گھروں کو جا چکے تھے۔ یہ مارکیٹ صبح 8 سے 2 بجے بعد دوپہر تک ہی لگتی ہے۔ بہرحال دانیال نے چار ہزار مارک کی ایک گاڑی خریدی۔ پھر ہمبرگ شہر کے مین ریل سٹیشن کے قریب واقع ایک ترکی سٹور سے گوشت، سبزیاں، دالیں، ترکی نان اور دیگر اشیائے خورد و نوش خریدیں اور تقریباً چار بجے گھر واپس پہنچ گئے اور کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کیا۔

گاڑیوں کی مارکیٹ میں ہی ایک اور پاکستانی جناب فیض الحسن صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ انہیں جب دانیال نے بتایا کہ میں ایک صحافی ہوں اور پاکستان کے مختلف اخبارات اور رسائل میں لکھتا ہوں تو انہوں نے بڑے خلوص، پیار اور محبت سے اگلے روز (اتوار کو) اپنے ہاں دوپہر کے کھانے کی دعوت دی لیکن میں نے اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے معذرت کر لی اور بشرط زندگی پھر کبھی آنے کا وعدہ کر لیا۔

مجاہد صاحب جو ہمارے ساتھ مارکیٹ آئے تھے، انہوں نے اپنی مزدا گاڑی فروخت کر کے ایک سیکنڈ ہینڈ مرسڈیز خریدی اور ہم سے رخصت ہو کر واپس گھر چلے گئے۔ انہوں نے بھی جانے سے پہلے بہت زور دیا کہ میں ایک دو روز ان کے ہاں بھی گزاروں لیکن میں نے عدیم الفرصتی کی بنا پر ان سے بھی معذرت کر لی۔

رات کو شکیل اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ملنے کے لیے آ گیا۔ دانیال اور شکیل نے کسینو جانے کا پروگرام بنا لیا جہاں مشینوں کے ذریعے جوا ہوتا ہے۔ میں نے پوری زندگی میں نہ تو کبھی جوا کھیلا ہے اور نہ ہی کبھی جوا خانے کی زیارت کی ہے، لیکن انہوں نے مجھے بھی ساتھ کھینچ لیا۔ دوبارہ ہمبرگ کی طرف روانہ ہو کر گیارہ بجے کے قریب کسینو پہنچ گئے۔ ہفتے

Marfat.com

کی رات ہونے کی وجہ سے وہاں بے پناہ رش تھا۔ بڑی مشکل سے کار پارک کرنے کی جگہ ملی۔

میں نے دونوں بھائیوں سے بہت کہا کہ میں ریسٹوران میں بیٹھ کر کافی پیتا ہوں۔ وہ جوا کھیل کر اپنا دل بہلا آئیں، لیکن وہ مجھے اپنے ساتھ گھسیٹنے کا پکا ارادہ کر کے آئے تھے۔ میں ان کا مہمان تھا لہٰذا مجھے ان کا ساتھ دینا پڑا، چنانچہ ہم کسینو میں داخل ہو گئے۔ پہلے ہال میں کم پیسوں کے جوئے کی مشینیں لگی ہوئی تھیں۔ اگلے بڑے ہال میں بڑے جوئے کی مشینیں تھیں اور وہاں داخلے کے لیے دس مارک کا ٹکٹ تھا۔ میں نے بڑے ہال میں ان کے ساتھ جانے سے معذرت کر لی اور پہلے ہال میں ایک صوفے پر دراز ہو گیا۔ اس ہال میں بھی کوئی مشین خالی نہ تھی۔ دانیال نے بڑے ہال میں جانے سے پہلے زبردستی مجھے سو مارک کے سکے لے کر تھما دیے کہ جیسے ہی کوئی مشین خالی ہو، میں ان کی واپسی تک اپنے آپ کو مصروف رکھوں۔

میں نے کافی کا کپ لیا اور صوفے پر بیٹھ کر لوگوں کو نہایت انہماک سے جوا کھیلتے ہوئے دیکھنے لگا اور ساتھ ساتھ مشینوں کو چلانے کی تکنیک بھی سمجھنے کی کوشش کرنے لگا، مشینیں بے شمار قسم کی تھیں اور ہر ایک کی تکنیک مختلف تھی۔ جس کسی کی قسمت اچھی ہوتی تھی۔ سکہ مشین میں ڈال کر ہینڈل گھمانے یا بٹن دبانے پر مشین اس کے سامنے سکوں کا ڈھیر لگا دیتی تھی۔ لوگ ہار بھی رہے تھے اور جیت بھی رہے۔

جیسے ہی میرے قریب ایک مشین سے ایک بوڑھی جرمن خاتون اپنی جمع پونجی سے ہاتھ دھو کر اٹھی، میں اس مشین پر قابض ہو گیا، اس سے پہلے کہ کوئی اور اس پر قبضہ جما لیتا۔

میں نے مشین میں پانچ مارک کا سکہ ڈال کر جیسے ہی ہینڈل گھمایا، میرے آگے لگی ٹرے میں کھنکھناتے ہوئے سکوں کا ڈھیر لگ گیا۔ میں نے تمام سکے اکٹھے کر کے ایک پلاسٹک کے پیالے میں ڈالے اور کیشئر کے پاس لے گیا۔ اس نے پیالے کو الیکٹرانک ترازو پر رکھا۔ پھر پیالے میں سے ایک ایک مارک کے پانچ سکے مجھے واپس کرتے ہوئے سو مارک کا کرنسی نوٹ میری مٹھی میں تھما دیا۔ وہاں سکے گنے نہیں جاتے بلکہ تول کر ان کی تعداد معلوم کر لی جاتی ہے۔

اس کے بعد میں نے مشین کی طرف منہ نہیں کیا اور واپس صوفے پر بیٹھ کر اپنے

Marfat.com

دستوں کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

صبح تین بجے کے قریب دانیال اور شکیل بڑے ہال سے برآمد ہوئے۔ ان کے چہرے اُترے ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ دانیال ایک ہزار اور شکیل پندرہ سو مارک ہار کر آیا ہے۔ میں نے جب دو سو پانچ مارک دانیال کے ہاتھ پر رکھے تو وہ حیرت سے میرا منہ دیکھنے لگا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ پہلی ہی کوشش میں میں پانچ مارک کے بدلے میں سو مارک جیت گیا تھا اور اس کے بعد میں نے مشین کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تو دونوں بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ بھی کئی دفعہ جیتے لیکن مزید جیتنے کے لالچ میں مزید رقم ہار کر آئے ہیں دانیال نے اپنے ادھار دیئے ہوئے سو مارک کے علاوہ مجھ سے جیتے ہوئے سو مارک لینے سے انکار کر دیا، لیکن میں نے بھی ضد پکڑلی کہ جوئے کی رقم میرے لیے حرام ہے کیونکہ ہمارا مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا۔ چنانچہ ان سو مارک سے ان کے بچوں کے لیے کھلونے خرید لئے گئے۔

اگلے روز، یعنی اتوار کو مائی موہنو کے اصرار پر ہمبرگ کے چڑیا گھر کی سیر کا پروگرام بن گیا۔ مجھے تو چڑیا گھر بالکل پسند نہیں آیا۔ دانیال کی بھی یہی کیفیت تھی۔ ہمارے لاہور کا چڑیا گھر اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ بہرحال گھوم پھر کر واپس آ گئے۔

اسی شام کو برمنگھم سے بیٹے سعید طاہر کا فون آ گیا۔ وہ میرے یو کے آنے کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں فرینکفرٹ سے لندن آنے کی بجائے ہمبرگ سے لندن آنے کا پروگرام بنا رہا ہوں۔ اگر ایئر لائن نے یہ تبدیلی منظور کر لی تو میں اسے اپنی فلائٹ اور لندن پہنچنے کے وقت سے آگاہ کر دوں گا۔

دانیال پہلے اپنی آٹو ورکشاپ چلاتا تھا، جو اس نے اپنے گھر کے پچھواڑے قائم کر رکھی تھی اور اس نے کچھ جرمن اور چند رومانیہ کے مکینک ملازم رکھے ہوئے تھے، لیکن اب اس نے ورکشاپ بند کر رکھی تھی اور خود ایک ٹرانسپورٹ کمپنی کی بطور بس ڈرائیور ملازمت اختیار کر رکھی تھی۔ اس کا کام نہایت آسان تھا۔ صبح کے اوقات میں اس کی ڈیوٹی مختلف دیہات کے بچوں کو مقررہ وقت پر ان کے گھروں سے اٹھا کر ان کے سکول پہنچانا، دوپہر کے وقت چھٹی کے بعد بچوں کو سکولوں سے گھروں پر ڈراپ کرنا اور شام کو چند دیہات کا مقررہ اوقات میں پھیرا لگانا تا کہ اگر کسی دیہاتی نے ایک گاؤں سے دوسرے

Marfat.com

گاؤں تک جانا ہو تو بس سے فائدہ اٹھا سکے۔ بارش ہو، آندھی یا طوفانِ برف باری، دانیال نے ہر حال میں مقررہ اوقات میں اپنے لیے مختص دیہات میں چکر لگانا لازمی ہے۔ خواہ اسے کوئی مسافر ملے یا نہ ملے۔ اپنی ٹرانسپورٹ یا کار نہ رکھنے والے جرمن باشندوں کے لیے حکومت نے رسل و رسائل اور آمد و رفت کے لیے یہ سہولت مفت مہیا کر رکھی ہے۔

میں جتنے دن دانیال کے پاس مقیم رہا، شام کے اوقات میں اس کی بس میں اس کے ساتھ ارد گرد کے دیہات کی سیر کے لیے اس کے ساتھ چلا جاتا تھا۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ ہمیں پورے پھیرے میں ایک بھی مسافر نہ ملا اور دانیال کو خالی بس لے کر مجوزہ دیہات کا چکر لگانا پڑا، لیکن اپنی ڈیوٹی کو ذمہ داری اور ایمانداری سے پورا کرنا اس کا فرض تھا۔

ہر گاؤں میں ایک مقررہ مقام پر بس سٹاپ بنا ہوتا ہے، جہاں آنے والی مختلف روٹوں کی بسوں کے اوقاتِ آمد و رفت لکھے ہوتے ہیں۔ دیہاتی اپنی متعلقہ بس پکڑنے کے لیے بس کی آمد کے مقررہ وقت سے ایک دو منٹ پہلے بس سٹاپ پر پہنچ جاتے ہیں۔ بس اپنے مقررہ وقت پر آتی ہے اور مسافروں کو لے کر اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو جاتی ہے۔ نہ کبھی بس لیٹ ہوتی ہے اور نہ مسافروں کو بے جا انتظار کی زحمت اٹھانا پڑتی ہے۔

تمام دیہات اور قصبے پکی سڑکوں کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ یہ پختہ سڑکیں نہایت کشادہ، ہموار، سبز و شاداب کھیتوں اور جنگلوں کے درمیان سے گزرتی ہیں۔ ہر طرف ہرے بھرے کھیت اور جنگلات عجب حسین منظر پیش کرتے ہیں۔ نہ ٹریفک کا اژدہام، نہ فضائی آلودگی اور نہ سڑکوں پر مویشیوں کے ریوڑ، مویشیوں بھیڑ، بکریوں اور سؤروں کے ریوڑوں کو کئی کئی ایکڑوں میں پھیلے ہوئے باڑوں کے اندر رکھا جاتا ہے جن کے گرد چھ سے آٹھ فٹ اونچی آہنی جالی کی باڑ لگی ہوتی ہے، لہٰذا مویشیوں کے سڑک پر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ایک بات بتاتا چلوں، سؤروں کے باڑوں کے پاس اتنی بدبو پھیلی ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ سانس لینا مشکل ہوتا ہے۔ ایسے باڑوں کے پاس سے دانیال کوشش کرتا تھا کہ انتہائی تیز رفتاری سے گزر جائے، ورنہ اس کے لیے اپنی مقررہ رفتار سے گاڑی چلانا ضروری ہوتا ہے۔

3 جولائی، ہفتہ کا روز جرمنی میں میرے قیام کا آخری دن تھا۔ ناشتے کے بعد بابل

Marfat.com

(مائی موہنو) مارکوس اور سنیل کے ہمراہ مجھے لونی برگ لے گئی جہاں ہم نے ہفتہ وار لگنے والے بازار فلی مارکیٹFlee Mkt کا چکر لگایا۔ یہ بازار ہمارے ہاں جمعہ اور اتوار بازار جیسے ہوتے ہیں، جہاں لوگ اپنی نئی پرانی اشیاء اور گھریلو سامان اونے پونے داموں فروخت کے لیے پیش کرتے ہیں۔ میں نے پچاس فیانی (آدھے مارک) کا ایک بیگ خریدا کیونکہ میرے پرانے بیگ کی زپ خراب ہوگئی تھی۔ پھر گھر واپسی سے قبل ریلوے سٹیشن جا کر میں نے اپنے لیے لونی برگ تا فرینکفرٹ ریل کی ٹکٹ 4 جولائی کے لیے خریدی اور گھر واپس آتے ہوئے رستے میں پڑنے والے ایک ڈسکاؤنٹ سٹور سے ایک مارک کے تین ٹوتھ برش خریدے۔ تین بجے کے قریب گھر پہنچے اور کھانا کھا کر باقی وقت میں نے آرام کرنے میں گذارا کیونکہ اگلے روز لندن تک کا سفر درپیش تھا۔

Marfat.com

جرمنی سے لندن

4 جولائی کی صبح کو مائی موہنو کے ہمراہ ڈھالنمرگ سے 9:45 بجے لونی برگ ریلوے سٹیشن پہنچا۔ 10:56 بجے ٹرین لونی برگ سے روانہ ہو کر مختلف شہروں، قصبوں، جنگلوں، سبزہ زاروں اور بے شمار حسین وادیوں سے گذرتی ہوئی عین اپنے مقررہ وقت، بعد دوپہر 3:37 بجے فرینکفرٹ پہنچ گئی۔ مین ریلوے سٹیشن سے زیرِ زمین چلنے والی سب وے ٹرین کے ذریعے فرینکفرٹ ائیر پورٹ پہنچ گیا۔ اب میری اگلی منزل لندن تھی۔ لندن میں میرا چھوٹا بیٹا سعید طاہر اپنے بیوی بچوں کے ساتھ میرا منتظر تھا۔

فرینکفرٹ سے لفتھانزا کی فلائٹ نمبر 4634 گیٹ نمبر 53 سے عین اپنے مقررہ وقت 6:20 پر روانہ ہو کر لندن کے وقت کے مطابق 6:55 بجے لندن پہنچ گئی۔ کسٹم، امیگریشن اور سامان لینے میں پندرہ بیس منٹ لگے۔ ٹرمینل سے باہر آیا تو سعید، انیلا اور ولید میرے منتظر تھے۔ سب سے گلے ملا۔ بیٹے سعید نے ہیتھرو ائیر پورٹ کے پارکنگ لاٹ میں کھڑی اپنی گاڑی میں سامان رکھا اور ہم لندن کی پُر ہجوم سڑکوں سے گذرتے ہوئے برمنگھم کی طرف روانہ ہوئے جہاں سعید کی رہائش گاہ ہے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں برمنگھم پہنچ گئے۔

جرمنی دانیال کو فون کر کے اپنے بہ خیریت برمنگھم پہنچنے کی اطلاع دی اور ان کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا۔

برمنگھم میں میرے بیٹے سعید طاہر کا اپنا ذاتی گھر ہے جس کے آگے پیچھے بڑے لان میں جن میں گھاس کے علاوہ پھول اور پھلدار پودے لگے ہوئے ہیں جن میں سیب، انگور اور ناشپاتی وغیرہ شامل ہیں۔

Marfat.com

اگلے دو دن میں نے برمنگھم کی سیر، دوست احباب اور عزیز و اقارب سے ملنے میں گزارے۔ لیور پول میں اپنے عزیز دوست ڈاکٹر میاں محمد لطیف کو فون کر کے برمنگھم آمد کی اطلاع دی۔ وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے۔ ''فوراً میرے پاس چلے آؤ ورنہ میں خود لینے کے لیے پہنچ جاؤں گا''۔

میں نے ڈاکٹر صاحب کو کہا۔'' آپ بہت مصروف آدمی ہیں۔ آپ زحمت نہ کریں، میں خود وقت نکال کر ٹرین کے ذریعے چلا آؤں گا''۔ بہر حال انہوں نے مجھ سے پکا وعدہ لے لیا (ڈاکٹر صاحب اب اپنے خالقِ حقیقی کے پاس جا چکے ہیں۔ خدا انہیں غریقِ رحمت کرے)۔

برمنگھم میں بیٹے سعید کے گردونواح میں کافی مسلمان آباد ہیں۔ پاکستانیوں کے علاوہ زیادہ تعداد بنگلہ دیشیوں کی ہے۔ انہوں نے محلے میں ایک خوبصورت مسجد بھی بنا رکھی ہے اور علاقے کی کمیونٹی کونسلر بھی ایک بنگلہ دیشی خاتون ہے۔ برمنگھم میں قیام کے دوران، الحمدللہ تمام نمازیں مسجد میں باجماعت ادا ہوتی رہیں۔ مسجد کا نام ''مسجد جلالیہ'' ہے۔ 9 جولائی کو نمازِ جمعہ بھی اسی مسجد میں ادا کی۔

سعید کے گھر کے قریب ہی ایک بڑی کرکٹ گراؤنڈ اور ایک بہت بڑا پارک تھا، لہٰذا صبح کی سیر کے لیے باقاعدگی سے اس پارک کے کئی کئی چکر لگاتا تھا۔ میرا پوتا ولید بھی اکثر میرے ساتھ ہوتا تھا۔ وہ آتے جاتے وقت اپنے ہم عمر دوستوں اور دیگر واقف کاروں سے میرا تعارف یہ کہہ کرا تا رہتا تھا۔ ''یہ میرے دادا ابو ہیں'' اب گوروں کو کیا پتہ کہ دادا ابو کیا ہوتا ہے؟

میرے برمنگھم آنے کی سب سے زیادہ خوشی ولید کو ہوئی تھی۔ اس کے سکول جانے سے پہلے ہم پارک میں سیر کر کے واپس آجاتے تھے، پھر اکٹھے ناشتہ کرتے تھے۔ وہ تیار ہو کر سکول چلا جاتا تھا اور میں زیادہ تر مطالعے میں مصروف ہو جاتا تھا۔ شام کو پھر ہم دادا، پوتا گھومنے نکل جاتے تھے۔

11 جولائی کو امریکہ سے میرے پیارے دوست میاں محمد شریف کا فون آیا۔ انہوں نے اصرار کرنا شروع کر دیا کہ ''میں انگلینڈ سے واپس پاکستان جانے کی بجائے امریکہ آجاؤں''۔

Marfat.com

میں نے انہیں بتایا کہ "پاکستان سے چلتے وقت میں نے صرف انگلینڈ تک ہی واپسی ٹکٹ بنوایا تھا۔ اگرچہ میں نے امریکہ کا ویزا لگوالیا تھا لیکن میرا امریکہ آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا"۔

میاں شریف کہنے لگے۔ "میاں صاحب! آپ آدھا سفر تو طے کر ہی چکے ہیں۔ انگلینڈ سے امریکہ تک ٹکٹ بنوا کر آہی جائیے"۔

میاں شریف کے بہت زیادہ زور دینے پر میں نے ان سے وعدہ کر لیا کہ "میں انگلینڈ سے پاکستان واپسی کا ٹکٹ کینسل کرا کے ریفنڈ لے لوں گا اور نیویارک تک کا ٹکٹ برمنگھم سے خرید کر امریکہ آجاؤں گا اور امریکہ روانگی سے پہلے اپنے پروگرام سے ان کو آگاہ کر دوں گا"۔ میاں شریف بہت خوش ہوئے۔

16 جولائی کو بیٹے سعید کے ہمراہ جا کر سنٹرل ٹریول کے مسٹر عرفان سے ملاقات کی۔ ان کا نام مجھے ڈاکٹر میاں محمد لطیف صاحب نے دیا تھا، کیونکہ ڈاکٹر صاحب کی سفری ضروریات اور ٹکٹ وغیرہ کا کام مسٹر عرفان ہی کیا کرتا تھا۔

مسٹر عرفان نے مختلف ایئرلائنوں سے ٹیلیفون پر رابطہ کیا، ان کے کرائے اور جلد از جلد کسی فلائٹ میں سیٹ ملنے کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ انہوں نے بتایا کہ سب سے کم کرایہ انڈین ائیرلائن کا ہے جو نیویارک کا واپسی ٹکٹ 261 پونڈ میں پیش کر رہی ہے۔ اور 21 جولائی میں سیٹ مل سکتی ہے۔

میں نے مسٹر عرفان سے کہا۔ "مجھے تو نیویارک کا یکطرفہ ٹکٹ چاہئے"۔ میرا خیال تھا کہ ون وے ٹکٹ شاید آدھی قیمت میں مل جائے گا۔

مسٹر عرفان نے مجھے حیران کر دیا۔ "انکل! اول تو ائیرلائنیں امریکہ کے لیے یکطرفہ ٹکٹ جاری ہی نہیں کرتیں! اگر جاری کریں تو کرایہ کسی طرح بھی 350/400 پونڈ سے کم نہیں ہوگا"۔

بعد میں مجھے تجربہ ہوا کہ یورپ اور امریکہ میں دوطرفہ کرایہ اکثر کم اور یکطرفہ کرایہ زیادہ ہوتا ہے۔ ائیرلائنوں، ٹرینوں اور بسوں وغیرہ میں یہی اصول کارفرما دیکھا۔

بہر حال سنٹرل ٹریول کو 261 پونڈ ادا کر کے 21 جولائی کی فلائٹ سے نیویارک کے لیے سیٹ بک کرائی۔ گھر واپس آتے ہوئے برمنگھم ریلوے سٹیشن سے لیورپول کا کرایہ معلوم

Marfat.com

کیا۔ یکطرفہ کرایہ 11 پونڈ اور واپسی ٹکٹ 10,50 پونڈ تھا۔ چنانچہ دوطرفہ ٹکٹ خرید لیا اور ڈاکٹر میاں لطیف صاحب کو فون کر کے ہفتے کے روز ان کے پاس پہنچنے کی اطلاع کر دی۔

اسی رات کو امریکہ اپنے پرانے دوست اور مالک مکان ٹام کو فون کیا تا کہ وہ میرا پرانا انیکسی Annaxe اگر خالی ہو تو میرے رہنے کے لیے تیار کر دے، لیکن ٹام شاید گھر پر نہ تھا۔ کسی نے فون نہیں اٹھایا۔ میں نے اس کی آنسرنگ مشین میں پیغام ریکارڈ کرا دیا۔

لیور پول (Liver Pool)

ڈاکٹر میاں محمد لطیف سے کیے ہوئے وعدے کے مطابق میں 17 جولائی کو برمنگھم سے 9:51 بجے لیور پول جانے والی ٹرین پکڑ کر 11:39 بجے لیور پول پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب ریلوے سٹیشن پر موجود تھے بڑے خلوص، پیار اور محبت سے ملے۔ میرا بیگ بھی خود اٹھا لیا اور سٹیشن کے باہر پارکنگ لاٹ میں کھڑی اپنی نئی نویلی مرسڈیز کار میں گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں وہ میرے اور میں ان کے اہل خانہ اور بیوی بچوں کی خیر و عافیت کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ کار ڈاکٹر صاحب خود چلا رہے تھے۔ باتوں باتوں میں وقت کا احساس ہی نہیں ہوا اور ہم لیور پول کے انتہائی پوش علاقے کے ایک بڑے سے گھر کے سامنے پہنچ گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے خود اتر کر گیٹ کھولا اور گاڑی پورچ میں کھڑی کر دی۔ گھر میں دو مزید مرسڈیز کاڑیاں کھڑی تھیں معلوم ہوا کہ ایک ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ کی اور دوسری ان کے چھوٹے صاحبزادے عمران کی ہے۔ گھر پہنچ کر بیگم صاحبہ اور عمران سے بھی ملاقات ہوئی۔ وہ بھی میری آمد پر بہت خوش ہوئے۔

ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی لیور پول کی اوکفیلڈ روڈ (Oakfiled Road) پر واقع ہے۔ اس علاقے میں لیور پول کے انتہائی متمول اور امیر لوگ رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے گھر کے باہر اپنے نام کی تختی کی بجائے ''الفقراء'' لکھوا رکھا ہے۔ اسی نام سے ڈاکٹر صاحب نے لاہور میں ایک خیراتی ادارہ ''الفقراء چیریٹی ایبل ٹرسٹ'' قائم کر رکھا ہے جس کے تحت ایک فری ڈسپنسری، ایک بچیوں کا دارالامان، دو مدرسے اور دو مساجد کے تمام تر اخراجات ٹرسٹ کے ذمہ ہیں اور ٹرسٹ کا تمام خرچہ جو لاکھوں روپے ماہانہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب ادا کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں جیل روڈ لاہور پر ایک کئی منزلہ بلڈنگ تعمیر کروا کے

Marfat.com

ٹرسٹ کے نام لگا رکھی ہے اور اس بلڈنگ کے کرایوں کی تمام آمدنی بھی رفاہی اور فلاحی کاموں پر خرچ کی جاتی ہے۔ میں بطور سیکرٹری اس ٹرسٹ کے جملہ انتظامات اور اخراجات کی نگرانی اور اداروں کے نظم و نسق کی دیکھ بھال کرتا ہوں۔

لیور پول میں ڈاکٹر صاحب کے دو ''نرسنگ ہوم'' چل رہے ہیں جن کی نگرانی اب ڈاکٹر صاحب کے دونوں صاحبزادے امجد اور عمران کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ریٹائرڈ لائف گزار رہے ہیں، لیکن بچوں کو اپنے مشوروں اور تجربات سے نوازتے رہتے ہیں، اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لیے پراپرٹی کی خرید و فروخت کا مشغلہ اپنا رکھا ہے۔

ڈاکٹر صاحب اور ان کی بیگم چاند نے دو روز میری بے پناہ آؤ بھگت کی۔ لیور پول کے علاوہ مجھے مانچسٹر، اپنے بڑے بیٹے امجد کا گھر دکھانے کے لیے لے گئے۔ ماشاء اللہ امجد کا بھی بہت بڑا گھر ہے، بہو ڈاکٹر ہے اور ان کے دو بچے، ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ بیٹے کا نام اجمل اور بیٹی کا شاہین ہے جبکہ بیگم اور امجد گوری انگریز ہے جو مشرف بہ سلام ہو چکی ہے۔

امجد، ان کی بیگم اور بچوں نے ہمیں بے پناہ پیار دیا۔ بچے تو اپنے دادا دادی سے کسی لمحے جدا ہونے کو تیار ہی نہ تھے۔

اتوار کا پورا دن ہم نے مانچسٹر میں گذارا۔ اس شہر میں بہت زیادہ پاکستانی ہیں۔ ایک پورے بازار میں سوائے پاکستانیوں کے کوئی دوسرا شخص نظر ہی نہیں آتا۔ تمام دکانیں، سٹور، ہوٹل، ریستوران، بیکری، گوشت، سبزی، ترکاری، میڈیسن، کاسمیٹک، ہیئر ڈریسنگ وغیرہ کا کاروبار پاکستانیوں ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے ہاں کی طرح ہی فٹ پاتھوں پر قبضہ کر کے دکانیں سڑک تک بڑھائی ہوئی ہیں، لیکن دکانوں کی صفائی اور چیزوں کا رکھ رکھاؤ بہت عمدہ نظر آیا اور یہ دیکھ کر دل بہت خوش ہوا کہ پاکستانی نہایت خوشحال اور صاحب ثروت ہیں۔

ڈاکٹر میاں محمد لطیف، میری طرح شوگر کے مریض ہیں۔ جب ہم لوگ شاپنگ کے لیے مانچسٹر پہنچے تو ڈاکٹر صاحب ہمیں ایک بڑے گروسری سٹور میں شاپنگ میں مصروف چھوڑ کر کھسک گئے۔ جب میں نے امجد سے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب قریب ہی واقع مٹھائی کی ایک دکان میں ''چھپ'' کر اپنی شوگر کی کمی پوری کر رہے ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب ذیابیطس کے مریض

Marfat.com

ہونے کے باوجود مٹھائیوں سے پرہیز نہیں کرتے اور بیگم سے چوری چھپے کچھ نہ کچھ کھاتے رہتے ہیں۔ جب ہم گوشت وغیرہ خرید کر فارغ ہوئے تو ڈاکٹر صاحب بھی مٹھائی کا ایک بڑا ساڈبہ اٹھائے ہم میں آشامل ہوئے۔

اگلے روز ناشتے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اپنے دفتر میں بیٹھ کر مانچسٹر سے لائی ہوئی مٹھائی کا ڈبہ کھول کر مجھے بھی دعوت دی لیکن میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے معذرت کرلی۔ میں پردیس میں سفر کے دوران اپنی شوگر کا کوٹہ بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔ پھر جب ڈاکٹر صاحب نے اپنی اور میری شوگر چیک کی تو ان کی شوگر تین سو سے اوپر اور میری تقریباً نارمل تھی۔

دوپہر کا کھانا امجد کے ہاں کھا کر شام کو واپس لیور پول آگئے۔ شام کی چائے پی کر ڈاکٹر صاحب مجھے ریلوے سٹیشن چھوڑ گئے جہاں سے میں واپس برمنگھم آگیا۔

رات کو امریکہ شریف صاحب سے فون پر بات چیت ہوئی اور انہیں میں نے اپنے امریکہ آنے کے پروگرام سے آگاہ کیا۔ نیز ان سے درخواست کی کہ وہ مجھے لینے کے لیے نیوریارک نہ آئیں۔ نیو یارک سے میں خود ہی ٹرین یا بس کے ذریعے بالٹی مور پہنچ جاؤں گا۔

برمنگھم میں اگلے دو دن اِدھر اُدھر سیر سپاٹے میں گذارے۔ لاہور فون کرکے بیوی بچوں کو اپنے پروگرام کی تبدیلی اور امریکہ سدھارنے کی خبر سنائی تو وہ بہت مایوس ہوئے۔ وہ آئندہ چند روز میں میری وطن واپسی کے بارے میں پُر امید تھے۔ میرے پوتے خاص طور پر بہت سٹ پٹائے کیونکہ وہ مجھ سے بہت زیادہ مانوس تھے۔ میرے ساتھ صبح سکول جاتے اور دوپہر کو واپس آیا کرتے تھے۔ اپنی ماں یا باپ کے ساتھ انہیں سکول جانا اچھا نہ لگتا کیونکہ وہ راستے میں ان کی شرارتوں پر ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہتے تھے جبکہ میں ان کے ساتھ خود بچہ بن جایا کرتا تھا۔ شہریار طاہر اور اسفند یار طاہر نے تو ٹیلیفون پر ہی باقاعدہ رونا شروع کردیا اور چلانے لگے۔ ''دادو آپ واپس آئیں، دادو آپ واپس آئیں ہم بہت اداس ہیں اور آپ کو مس کرتے ہیں''۔ میں نے انہیں جھوٹی تسلی دی کہ ''ابھی آپ کے سکول گرمیوں کی چھٹیوں کے لیے بند ہیں جب تک دوبارہ کھلیں گے، میں واپس آجاؤں گا''۔

برمنگھم سے روانگی

21 جولائی کو صبح ناشتے کے بعد انیلا اور ولید کو الوداع کہا اور بیٹا سعید بس ٹرمنل پر

Marfat.com

چھوڑ گیا۔ برمنگھم سے بس براہِ راست سیدھی لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ جاتی ہے۔ جس کی ٹکٹ میں نے ایک روز پہلے ہی خرید لی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ بیٹا سعید مجھے ایئرپورٹ چھوڑنے جائے اور اپنا پورا دن ضائع کرے۔

برمنگھم ٹرمینل سے بس اپنے مقررہ وقت 7:30 بجے کی بجائے دس منٹ لیٹ روانہ ہوئی۔ راستے میں اس نے برمنگھم ایئرپورٹ پر چھ مسافروں کو اتارا اور کچھ کو لندن کے لیے سوار کیا۔ بس نہایت آرام دہ تھی اور موٹروے پر اتنی سبک رفتاری سے چل رہی تھی کہ احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ بس سڑک پر چلی جارہی ہے۔ لندن کے قریب پہنچ کر ہماری بس تقریباً 15/20 منٹ تک ٹریفک ''جام'' میں پھنسی رہی۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر بس ٹریفک میں اسی طرح پھنسی رہی تو کہیں فلائٹ ہی نہ نکل جائے۔

خدا خدا کر کے بس ٹریفک کے ہجوم سے نکلی اور اس نے عین اپنے وقت مقررہ پر 10:15 بجے ہیتھرو ایئرپورٹ کے متعلقہ ٹرمینل پر مجھے لا اتارا جہاں سے میں نے نیویارک کے لیے ایئر انڈیا کی فلائٹ پکڑنی تھی۔

ٹرالی پر اپنا سوٹ کیس اور بیگ رکھ کر سکیورٹی چیکنگ کے کاؤنٹر پر پہنچا۔ سامان سکینر مشینوں میں گزرا اور میں سکیورٹی گیٹ سے گذر کر اندر داخل ہوا۔ اپنا سامان دوبارہ ٹرالی پر رکھا اور ایئر انڈیا کے کاؤنٹر پر پہنچا۔ وہاں پہلے ہی لمبی لائن لگی ہوئی تھی۔ میں بھی لائن میں لگ کر جوں کی رفتار سے کاؤنٹر کی طرف بڑھنے لگا۔ کام بہت ہی سُست رفتاری سے ہو رہا تھا۔ پاسپورٹ اور ویزا وغیرہ نہایت باریک بینی سے چیک کیے جا رہے تھے۔ خدا خدا کر کے پون گھنٹے بعد میری باری آئی۔ اس ایئر لائن کا میں غالباً اس روز اکلوتا پاکستانی مسافر تھا۔ اس لیے کاؤنٹر پر موجود لالہ جی نے کچھ زیادہ ہی تجسس سے میرے پاسپورٹ اور ویزے کو چیک کیا۔ تسلی ہونے پر میرا سوٹ کیس جہاز کے ہینگر میں بھیجنے کے لیے جمع کر کے مجھے بورڈنگ کارڈ جاری کر دیا۔ چنانچہ میں اپنا بیگ کندھے پر لٹکائے ڈیپارچر لاؤنج میں آ کر بیٹھ گیا۔ صبح گھر سے چلنے سے پہلے بیٹی انیلا نے کچھ سینڈوچ بنا کر میرے بیگ میں رکھ دیئے تھے۔ ڈیپارچر لاؤنج میں بیٹھ کر ان سے پیٹ پوجا کی۔ فلائٹ کی روانگی میں ابھی کچھ وقت باقی تھا۔ لہٰذا اِدھر اُدھر گھوم پھر کر ڈیوٹی فری شاپس کا جائزہ لیا۔ خریداری کا نہ تو کوئی ارادہ تھا، نہ ہی چیزیں سستی لگیں، البتہ اس ونڈو شاپنگ میں وقت کے گذرنے کا

Marfat.com

احساس اس وقت ہوا جب اعلان ہوا کہ ایئر انڈیا کی فلائٹ نمبر AI-111 نیویارک روانگی کے لیے تیار ہے۔ تمام مسافر گیٹ نمبر 51 سے جہاز پر تشریف لے جائیں۔ ایک بجے جہاز میں سوار ہوئے 1:15 بجے روانگی کا وقت تھا، لیکن کوئی وجہ بتائے بغیر جہاز 2:15 بجے تک ایئر پورٹ پر ہی کھڑا رہا۔

2:15 بجے جہاز نے رن وے پر رینگنا شروع کیا۔ اب مسافروں کو بھی کچھ حوصلہ ہوا کہ مزید تاخیر نہیں ہوگی۔ عملے کی ہدایت کے مطابق مسافروں نے بیلٹ باندھ لیں اور جہاز نے تیز رفتاری سے رن وے پر دوڑنا شروع کر دیا۔ چند منٹ میں جہاز نیویارک کی طرف محو پرواز ہو گیا۔ جہاز مسافروں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ پورے جہاز میں ایک بھی سیٹ خالی نہ تھی۔ چونکہ نیویارک تک چھ گھنٹے کی نان سٹاپ پرواز تھی اور تمام سفر سمندر کے اوپر اڑتے ہوئے طے ہونا تھا۔ راستے میں کھڑکی سے جھانک کر دیکھنے والی کوئی چیز، ماسوائے سمندر کے نیلگوں پانی یا منجمد برفانی ٹیلوں کے نہ تھی، لہٰذا میں تو سیٹ کی پشت کو پیچھے کر کے لمبی تان کر سو گیا۔

نیند کے ہلکورے لیتے ہوئے شاید آدھ گھنٹہ ہی گذرا تھا کہ ایئر ہوسٹس نے آ کر جگا دیا۔

''سر! آپ کا لنچ! ساتھ میں کیا پینا پسند کریں گے؟''

میرے ٹریول ایجنٹ مسٹر عرفان نے برمنگھم سے، میری سیٹ بک کراتے وقت میرے لیے ''مسلم فوڈ'' کا آرڈر بک کروا دیا تھا، اس لیے ایئر ہوسٹس میرے لیے دوسرے مسافروں سے الگ اور سب سے پہلے ایک ٹرے میں میرا لنچ لے کر پہنچ گئی تھی۔

میں نے آنکھیں کھول کر اور چہرے پر پھیکی سی، مجبوری کی مسکراہٹ سجا کر ایئر ہوسٹس کا شکریہ ادا کیا اور پینے کے لیے منرل واٹر کی بوتل طلب کی جو اس نے فوراً لا کر میرے لنچ والی ٹرے میں رکھ دی۔ اب جہاز کے کریوز (Crews) نے دوسرے مسافروں میں لنچ تقسیم کرنا شروع کر دیا تھا۔

میں نے شکم سیر ہو کر کھایا بعد میں ایک کپ کافی پی اور دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ویسے ہی غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔ لہٰذا جلد ہی نیند آ گئی۔ دوبارہ آنکھ اس وقت کھلی جب جہاز کے عملے نے مسافروں کو شام کی چائے، کافی کیک،

Marfat.com

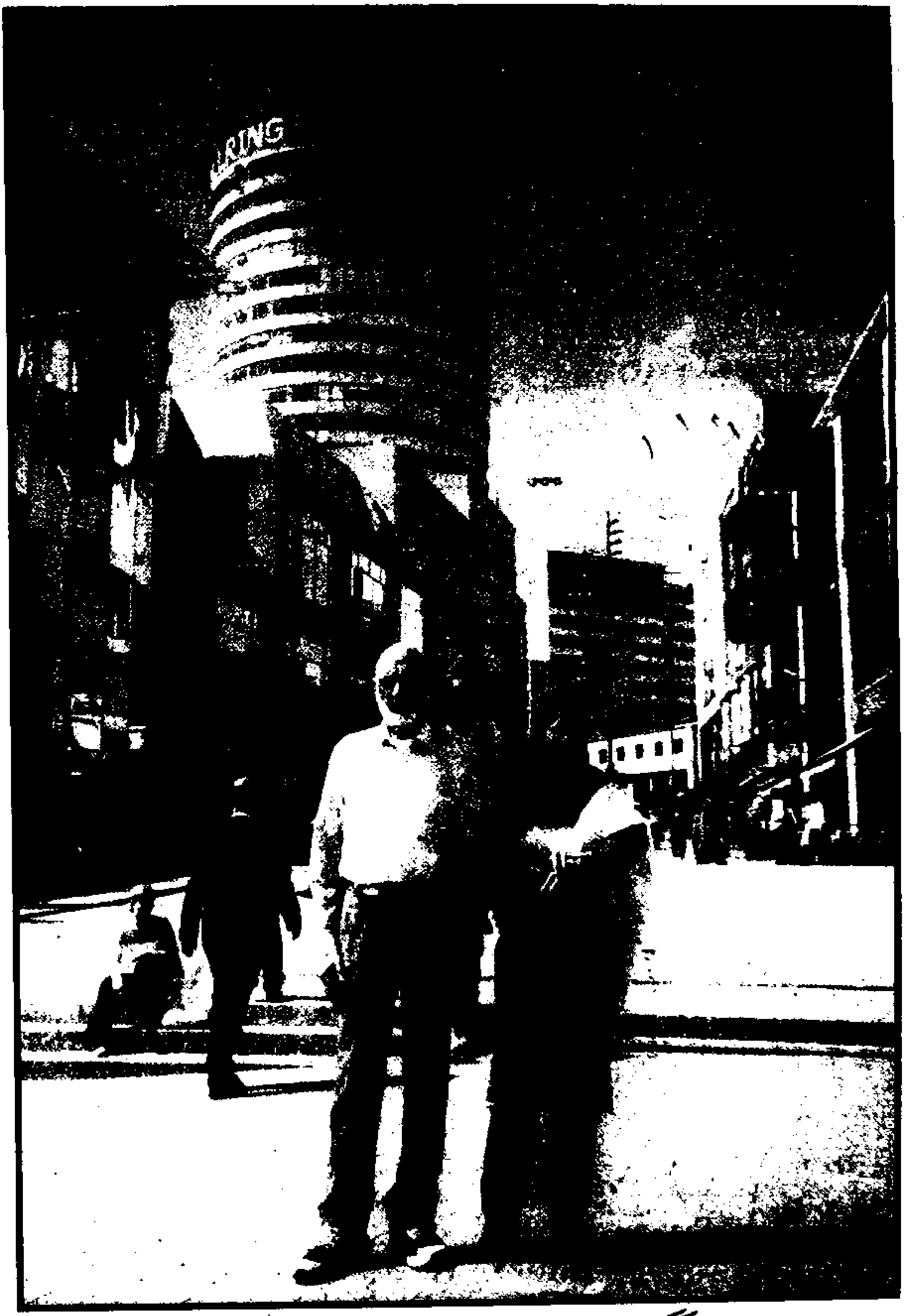

برمنگھم 2004ء اپنی بیگم کے ہمراہ

Marfat.com

پیسٹری اور سموسوں کے ساتھ سروس کرنا شروع کی۔ اس وقت جہاز کو لندن سے اُڑے ہوئے تقریباً ساڑھے چار گھنٹے ہو چکے تھے۔ میں تین ساڑھے تین گھنٹے کی بھرپور نیند لے چکا تھا۔ کافی کے دو کپ پی کر طبیعت تر و تازہ ہو گئی۔ نیو یارک تک باقی وقت اخبارات و رسائل کی ورق گردانی کرتے ہوئے گذارا۔

نیو یارک میں آمد

جہاز سوا تین کی بجائے سوا چار بجے (امریکن لوکل ٹائم) نیو یارک کے جے، ایف کنیڈی ایئر پورٹ پر لینڈ کر گیا۔ چونکہ لندن سے ہی ایک گھنٹہ لیٹ روانہ ہوا تھا۔ اس لیے نیو یارک پہنچنے میں بھی ایک گھنٹہ کی تاخیر ہو گئی۔

جے، ایف کنیڈی ایئر پورٹ کا شمار دنیا کے چند بڑے اور مصروف ترین ایئر پورٹس میں ہوتا ہے۔ اسے آنجہانی صدر کنیڈی کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس ایئر پورٹ پر ہر لمحہ دنیا کی مختلف ہوائی کمپنیوں کی پروازیں اُترتی اور پرواز کرتی رہتی ہیں۔ نیو یارک میں دو اور بھی ایئر پورٹ ہیں مگر یہ سب سے بڑا ہے۔

کسٹم اور امیگریشن میں تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا۔ ایئر پورٹ کے ٹرمینل سے نکل کر باہر بنے ہوئے معلومات کے کاؤنٹر سے بالٹی مور پہنچنے کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اس سے قبل میں واشنگٹن ڈی، سی (ڈسٹرکٹ آف کولمبیا) کے گرد و نواح کے علاقوں لینڈ اوور (Land Over) اور کلنٹن (Clinton) میں تقریباً دو سال رہ کر گیا تھا اور مجھے ان علاقوں کے بارے میں مکمل معلومات حاصل تھیں، لیکن بالٹی مور جانے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔

معلومات کے کاؤنٹر پر بیٹھی ایک ادھیڑ عمر موٹی سفید فام خاتون نے بتایا کہ ''آپ تین طریقوں سے بالٹی مور جا سکتے ہیں، گرے ہاؤنڈ بس سے، ریل سے یا ہوائی جہاز سے۔ ہوائی جہاز سے جانے کے لیے آپ کو دوسرے ایئر پورٹ ''کلاڈیا'' جانا پڑے گا۔ گرے ہاؤنڈ بس شہر کے ٹرمینل سے ملے گی۔ وہاں سے ہر گھنٹے بعد بس واشنگٹن ڈی۔ سی براستہ بالٹی مور روانہ ہوتی ہے اور ٹرین پکڑنے کے لیے آپ کو میٹرو ٹرام سے مین سٹیشن پہنچنا ہو گا''۔

Marfat.com

اس نے یہ بھی بتایا کہ ''ایئر پورٹ کے باہر سے ہر دس پندرہ منٹ کے بعد شٹل بس میٹرو ٹرین تک مسافروں کو مفت لے کر جاتی ہے۔آپ بھی اس سروس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں''۔ میں نے خاتون کا شکریہ ادا کیا اور اپنا سوٹ کیس اور بیگ گھسیٹتا ہوا ایئر پورٹ سے باہر آ گیا۔ چند قدم پر بس شاپ کا سائن نظر آیا۔ چنانچہ سامان سمیت وہاں پہنچ کر بس کا انتظار کرنے لگا۔ بس شاپ پر بھی ایک سیاہ فام نوجوان خاتون مسافروں کی رہنمائی کے لیے موجود تھی میں نے اس سے چین سٹیشن پہنچنے کے بارے میں رہنمائی حاصل کی۔ اس نے کہا۔

''اس بس شاپ سے آپ سفید، بلو اور ریڈ بس میں سوار ہو کر میٹرو سٹیشن جائیں۔ وہاں سے میٹرو ٹرین سے سٹریٹ نمبر 34 پر اتر جائیں۔ وہیں چین سٹیشن ہے۔ چین سٹیشن سے واشنگٹن ڈی۔ سی جانے والی ہر ٹرین بالٹی مور چین سٹیشن پر رکتی ہے''۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اتنے میں سفید، بلو اور ریڈ کلر کی بس، شاپ پر آ کر رکی۔ کچھ مسافر اترے، کچھ سوار ہوئے۔ اسی کالی خاتون نے جس سے میں معلومات حاصل کر رہا تھا، مجھے سامان کے ساتھ بس میں سوار ہونے میں میری مدد کی اور میرا سوٹ کیس اٹھا کر بس کے سامان والے خانے میں رکھ دیا۔

بس، ایئر پورٹ کے مختلف ٹرمینل سے مسافروں کو اتارتی چڑھاتی ہوئی تقریباً بیس منٹ میں میٹرو سٹیشن پر آن رکی۔ بس کا کالا ڈرائیور سپیکر کے ذریعے مسافروں کی رہنمائی کے لیے مختلف ٹرمینل اور بس شاپوں کا نام پکارتا جا رہا تھا۔ جب اس نے میٹرو سٹیشن کا نام پکارا تو جن مسافروں نے میٹرو سے سفر کرنا تھا وہ اپنا سامان لے کر اتر گئے، جن میں میں بھی شامل تھا۔ ہمارے اترتے ہی جو مسافر ایئر پورٹ جانے کے لیے بس شاپ پر کھڑے تھے، بس میں سوار ہو گئے اور بس دوبارہ ایئر پورٹ کی طرف روانہ ہو گئی۔

میٹرو سٹیشن پر ٹکٹ کے لیے بے شمار مشینیں لگی ہوئی تھیں لیکن میرے پاس مشین کے لیے ایک تو ریزگاری نہیں تھی۔ دوسرے مجھے ان کا استعمال بھی نہیں آتا تھا لہٰذا میں کھڑکی میں بیٹھی سفید فام خاتون سے سٹریٹ نمبر 34 کے لیے ٹکٹ مانگا۔ اس نے ڈیڑھ ڈالر طلب کیا۔ میں نے اس کو دس ڈالر کا نوٹ تھما دیا اس نے ٹکٹ اور بقایا رقم مجھے واپس کر دی۔

امریکہ میں آپ میٹرو ٹرین کے پلیٹ فارم پر اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک

Marfat.com

آپ ٹکٹ کو گیٹ پر لگی مشین میں پنچ Punch نہیں کرتے۔ مشین کا کمپیوٹر ٹکٹ پڑھ کر گیٹ کھول کر ٹکٹ آپ کو واپس کر دے گا۔ جیسے ہی آپ گیٹ سے اندر داخل ہوں گے۔ گیٹ دوبارہ بند ہو جائے گا اسی طرح باہر نکلتے وقت بھی جب تک آپ ٹکٹ مشین میں نہیں ڈالیں گے باہر جانے کا گیٹ نہیں کھلے گا۔ جیسے ہی آپ مشین میں ٹکٹ ڈال کر باہر نکلیں گے گیٹ بند ہو جائے گا اور اب ٹکٹ آپ کو مشین واپس نہیں دے گی۔ کیونکہ آپ اس ٹکٹ پر اپنا سفر مکمل کر چکے ہیں۔ البتہ اگر آپ نے ماہانہ کرایہ کا ٹکٹ یا زائد مالیت کا پاس بنوایا ہوا ہے تو وہ دوبارہ استعمال کے لیے مشین آپ کو واپس کر دے گی۔

میٹرو Metro سٹیشن کے پلیٹ فارم پر بے پناہ ہجوم تھا۔ کافی دیر انتظار کرنے کے بعد ڈاؤن ٹاؤن جانے والی ٹرین آئی۔ چونکہ یہ نیویارک شہر کا مضافاتی علاقہ تھا، اس لیے ٹرین زیر زمین نہ تھی۔ ٹرین میں پہلے ہی بے پناہ رش تھا۔ ایئر پورٹ والا ہجوم بھی ٹرین میں سوار ہو گیا تو ''تل دھرنے کی جگہ نہ رہی'' والی کیفیت پیدا ہو گئی۔ مجھے اپنے سوٹ کیس اور بیگ کے ساتھ سوار ہونے میں کچھ دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ میری تکلیف کو دیکھ کر ٹرین میں پہلے سے سوار ایک سفید فام لڑکی نے میرا سوٹ کیس پکڑ کر ڈبے کے اندر گھسیٹ لیا۔ میرے اندر قدم رکھتے ہی دروازہ بند ہو گیا اور ٹرین چل پڑی۔ میں نے لڑکی کا شکریہ ادا کیا۔ وہ مسکرا کر کہنے لگی۔ ''دیٹ از آل رائٹ''

آدھے گھنٹے کا یہ سفر کھڑے کھڑے ہی طے کرنا پڑا۔ کیونکہ ہر سٹاپ پر جتنے مسافر اترتے تھے اتنے ہی اور سوار ہو جاتے تھے کیونکہ یہ شام کا ''رش آور'' تھا۔ مجھے اس بات کا بھی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں میں اپنا سٹاپ مس کر کے کہیں آگے نہ نکل جاؤں، ٹرین اب زیر زمین تھی اور باہر کے سٹاپ سائن رش کی وجہ سے صاف پڑھے نہیں جا رہے تھے۔ اگرچہ آپریٹر (ڈرائیور) ہر نئے سٹاپ سے چلنے کے بعد اگلے آنے والے سٹاپ کے بارے میں اعلان کر دیتا تھا، لیکن سپیکر کی آواز بھی صاف نہ تھی۔ اس لیے میں نے اپنے اردگرد کھڑے ایک دو مسافروں کو کہہ رکھا تھا کہ جب سٹریٹ نمبر 34 کا سٹاپ آئے تو مجھے آگاہ کر دیں۔ میرے سامنے بیٹھی ایک ادھیڑ عمر خاتون نے بتایا کہ اس نے بھی اسی سٹاپ پر اترنا ہے اس لیے میں بے فکر رہوں۔

خدا خدا کر کے سٹریٹ نمبر 34 کا سٹاپ آیا تو خاتون اٹھ کھڑی ہوئی اور میرا سوٹ

Marfat.com

گھسیٹنے میں میری مدد کی۔ پلیٹ فارم پر اتر کر پین سٹیشن کا سائن دیکھا۔ کچھ دور چل کر لوگوں کو لفٹ میں سوار ہوتے دیکھا تو میں بھی لفٹ میں سوار ہو گیا۔ اوپر پہنچ کر لفٹ سے نکلا تو اپنے آپ کو پین سٹیشن کی وسیع وعریض عمارت میں موجود پایا۔ سٹیشن پر ایک بڑے سے بورڈ پر الیکٹرانک سائن نیویارک آنے اور جانے والی ٹرینوں کے نمبر، وقت آمد و روانگی اور منزل مقصود کو نمایاں کر رہے تھے۔ ان سائن سے معلوم ہو کہ فلاڈلفیا، بالٹی مور، واشنگٹن جانے والی ٹرین، ٹریک نمبر A14 سے رات 8:50 بجے روانہ ہو گی۔ ٹکٹ خریدنے کے لیے یہاں بھی بے شمار خودکار مشینیں لگی ہوئی تھیں مگر میں نے کھڑکی میں موجود سیاہ فام لڑکی سے بالٹی مور کے ٹکٹ کے بارے میں پوچھا تو اس نے کرایہ 68 ڈالر بتایا۔

''یہ تو بہت زیادہ ہے''۔ میں نے پریشان ہو کر کہا۔

''سر، اگر آپ نے دس پندرہ دن پہلے بکنگ کرائی ہوتی تو آپ کو اس سے آدھے سے بھی کم کرائے میں ٹکٹ مل جاتی، لیکن آخری لمحوں میں ٹکٹ بہت مہنگی پڑتی ہے''۔ اس نے بتایا۔

میں نے کہا۔ ''میڈم! میں تو تھوڑی دیر پہلے لندن سے آیا ہوں۔ مجھے تو یہاں کے سسٹم کا پتہ نہیں تھا، آپ کچھ کریں''۔

''سر! میں آپ کی اتنی مدد کر سکتی ہوں کہ آپ کو سینئر سیٹیزن کا ٹکٹ بنا دوں اس سے آپ کو 15 ڈالر کی بچت ہو جائے گی''۔

میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے سو ڈالر کا نوٹ اسے دیا۔ اس نے کمپیوٹرائزڈ ٹکٹ اور بقایا رقم میرے حوالے کرتے ہوئے میری اس گیٹ کی طرف رہنمائی بھی کی جہاں کے زیر زمین پلیٹ فارم سے ٹرین نے روانہ ہونا تھا۔

جب میں اپنے سامان کے ساتھ سیڑھیاں اتر کر ٹریک نمبر A-14 پر پہنچا تو ٹرین روانگی کے لیے بالکل تیار تھی۔ جیسے ہی میں کمپارٹمنٹ میں داخل ہوا۔ ٹرین کے دروازے بند ہو گئے اور ٹرین چل پڑی۔ میں نے اپنا سوٹ کیس اور بیگ دروازے کے ساتھ بنے ہوئے سامان کے خانے میں رکھا اور کمپارٹمنٹ کا جائزہ لیا۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرانی ہوئی کہ تقریباً 40 سیٹوں کے اس کمپارٹمنٹ میں میرے علاوہ صرف دو اور مسافر سوار تھے۔ باقی پورا کمپارٹمنٹ خالی پڑا تھا۔ ان دو مسافروں میں سے ایک تو گورا امریکن تھا، جو ٹرین

Marfat.com

کے روانہ ہوتے ہی خراٹے لینے لگا۔ دوسرا مسافر شکل و شباہت سے "دیسی" معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اسے اور اس نے مجھے غور سے دیکھا۔ میں سامان کے قریب ہی ایک خالی سیٹ پر بیٹھ گیا تو وہ خود ہی اٹھ کر میرے پاس آ گیا اور انگریزی میں پوچھنے لگا۔

"آر یو انڈین سر!" (Are You Indian Sir)

"نو! مائی فرینڈ آئی ایم اے پاکستانی" (No!My Friend,Iam a Pakistani)

وہ کھل اٹھا اور اپنا ہاتھ السلام علیکم! کہتے ہوئے مصافحے کے لیے آگے بڑھا دیا۔ اب تو میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور وعلیکم السلام" کہتے ہوئے گرمجوشی سے اس کے ساتھ مصافحہ کیا اور اسے اپنے ساتھ بیٹھنے کی دعوت دی۔

دوران گفتگو اس نے بتایا کہ "وہ بنگلہ دیش سے ہے لیکن اس وقت کینیڈا سے پہلی دفعہ امریکہ آیا ہے اور اپنے رشتہ داروں سے ملنے واشنگٹن ڈی سی جا رہا ہے"۔

وہ بھی ٹرین کے بہت مہنگے ٹکٹ سے نالاں معلوم ہوتا تھا۔ اس نے بتایا کہ نیو یارک سے واشنگٹن کا ہوائی جہاز کا ٹکٹ کہیں سستا ہے۔

اس نے بتایا کہ "اس کا نام شمس الحق ہے اور اس کے پیدائش اور ابتدائی تعلیم کراچی کی ہے"۔ میں نے کہا۔ "پھر تو ہم اردو میں بات چیت کر سکتے ہیں"۔

"یقیناً!" اس نے خوش ہو کر کہا۔ "میرے والدین تو گھر میں عموماً اردو ہی میں گفتگو کرتے ہیں"۔

راستے میں مختلف موضوعات پر باتیں کرتے ہوئے وقت گذرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ ٹرین نیو جرسی اور فلاڈلفیا کے سٹیشنوں پر ایک ایک دو دو منٹ کے لیے رکی لیکن ہمارے کمپارٹمنٹ میں کسی نئے مسافر کا اضافہ نہیں ہوا، نہ ہماری بات چیت میں خلل پڑا۔ ٹرین کو نیو یارک سے چلے ہوئے تقریباً اڑھائی گھنٹے گزر چکے تھے جب ٹرین کے کنڈکٹر نے مجھے آ کر اطلاع دی۔

"سر! آپ بالٹی مور پہنچنے والے ہیں۔ اترنے کے لیے تیار ہو جائیں"۔

Marfat.com

بالٹی مور

میں نے کنڈکٹر کو "تھینک یو" کہا۔ اپنے ہمسفر سے مصافحہ کر کے اجازت لی اور سامان کے خانے سے اپنا سوٹ کیس اور بیگ نکال کر دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا۔ ٹرین آہستہ خرامی کے ساتھ بالٹی مور سٹیشن پر رکی۔ دروازے کھلے اور میں سامان سمیت ٹرین سے پلیٹ فارم پر اتر آیا۔ لفٹ کے ذریعے سٹیشن کے مین ہال میں پہنچا تو رات کے ساڑھے گیارہ بج چکے تھے، باہر شدید بارش ہو رہی تھی اور تیز ہوا چل رہی تھی۔ جو چند مسافر اس ٹرین سے اترے تھے۔ وہ چند لمحوں میں سٹیشن سے باہر نکل گئے۔ جو ٹرین کی آمد کے منتظر تھے وہ ٹرین میں سوار ہو گئے۔ اب سٹیشن پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ریستوران، بک شاپس وغیرہ سب بند تھے۔ انفارمیشن کاؤنٹر، ٹکٹ گھر پر بھی کوئی نہ تھا۔ میں ایک بنچ پر بیٹھا اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے میاں شریف صاحب کے پاس پہنچنا تھا لیکن سوائے ٹیلیفون نمبر کے ان کا ایڈریس میرے پاس نہ تھا۔ قریبی ٹیلیفون سے ان کے گھر فون کیا تو کافی دیر کے بعد کسی بچے نے اٹھایا۔ معلوم ہوا کہ سب لوگ سو چکے ہیں۔ میں نے بچے کو اپنا نام بتا کر کہا۔ "شریف صاحب کو صبح بتا دینا کہ میاں طاہر سٹیشن پر پہنچ چکے ہیں صبح مجھے سٹیشن سے لے لیں"۔ باہر آندھی اور بارش کا طوفان بدستور جاری تھا۔

میں بنچ پر بیٹھے بیٹھے سونے کی کوشش کر رہا تھا کہ اتنے میں سٹیشن کے ایک کمرے سے پولیس یونیفارم میں ملبوس ایک موٹی سی سفید فام خاتون چابیوں کا ایک بھاری بھرکم گچھا ہاتھ میں لیے نمودار ہوئی اور اس نے سٹیشن کے تمام دروازوں کو تالے لگانے شروع کر دیئے۔ سٹیشن پر اس وقت ہُو کا عالم تھا۔ میرے اور اس سکیورٹی گارڈ کے علاوہ کوئی ذی روح سٹیشن کی حدود میں موجود نہ تھا۔

Marfat.com

جب اس نے مجھے بنچ پر بیٹھے دیکھا تو وہ میرے پاس آئی اور نہایت مؤدب انداز میں کہنے لگی۔ ''کیا میں آپ کی مدد کرسکتی ہوں سر؟'' (May I Help You Sir)

میں نے اسے بتایا کہ میں شہر میں اجنبی ہوں۔ اپنے دوست کو اپنی آمد کی اطلاع کر دی ہے۔ وہ صبح ہونے پر آ کر مجھے لے جائے گا۔

اس نے پیشکش کی کہ وہ مجھے ٹیکسی کال کر دیتی ہے، جو مجھے میرے دوست کے گھر پہنچا دے گی، لیکن جب میں نے اسے بتایا کہ میرے پاس ایڈریس نہیں ہے اور میں اتنی رات گئے اپنے دوست اور اہلِ خانہ کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔ بقیہ رات یہیں گزارنا چاہتا ہوں۔ تو اس نے کہا۔

''آپ بے فکر ہو کر بنچ پر سو جایئے، صبح پانچ بجے سے پہلے سٹیشن کے دروازے نہیں کھلیں گے نہ اس دوران کسی ٹرین نے آنا ہے۔ اگر کسی وقت میری کسی خدمت کی ضرورت پڑے تو میرے دفتر کے دروازے پر ناک (Knock) کر دیجئے''۔ میں نے اس کا شکریہ کہا اور وہ اپنے دفتر میں جا گھسی۔

صبح 7:30 بجے میں نے میاں شریف کو دوبارہ ان کے گیس سٹیشن پر فون کیا تو میاں صاحب نے ہی اٹنڈ کیا تو میاں صاحب کہنے لگے۔

''میاں صاحب! آپ کہاں ہیں؟ رات بچے نے مجھے نیند سے بیدار کر کے بتایا کہ میاں طاہر صاحب گیس سٹیشن پر آ چکے ہیں تو میں نے اسی وقت نائٹ شفٹ کیشئر کو فون کر کے ہدایت کی کہ گیس سٹیشن ایک گھنٹے کے لیے بند کر کے آپ کو میرے گھر چھوڑ جائے مگر اس نے بتایا کہ گیس سٹیشن تو کوئی مہمان آیا ہی نہیں ہے''۔

میں نے معذرت کی کہ میں نے بچے کو صرف سٹیشن کا بتایا تھا، ریل سٹیشن یا ٹرین سٹیشن نہیں کہا تھا، جس سے بچے نے غالباً گیس سٹیشن ہی سمجھا۔ بہر حال مجھے یہاں سے اٹھانے کے لیے بندوبست کریں یا مجھے ایڈریس سمجھا دیں۔ میں ٹیکسی پکڑ کر آ جاتا ہوں''۔

شریف صاحب نے کہا۔ ''میاں صاحب! آپ وہیں انتظار کریں میرا گیس سٹیشن ٹرین سٹیشن سے کافی دور، مارٹن ایئر پورٹ سے بھی آگے چیز Chase کے علاقے میں واقع ہے۔ ٹیکسی بہت مہنگی پڑے گی۔ میرا صفائی والا گورا آ گیا ہے۔ میں اسے ٹرین سٹیشن بھیجتا ہوں تو وہ تقریباً 30/35 منٹ میں آپ کے پاس پہنچ جائے گا اور آپ کو یہاں لے آئے گا''۔

Marfat.com

اس وقت پین سٹیشن پر کافی چہل پہل ہو چکی تھی۔ لوکل ٹرین بھی چلنا شروع ہو گئی تھی۔ بالٹی مور سے واشنگٹن جانے والی ٹرینیں بھی چل پڑی تھیں۔ بالٹی مور شہر اور گردونواح سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ روزانہ اپنی ملازمت، کاروبار اور دیگر ضروریات کے لیے واشنگٹن کا سفر کرتے ہیں۔(Maryland Transit Authority) کی ٹرینیں بالٹی مور اور واشنگٹن کے درمیان صبح اور شام کے رش کے اوقات میں ہر 40 منٹ کے بعد چلتی ہیں اور ان کے کرائے انتہائی کم ہیں۔ دونوں شہروں کے درمیان عام ٹرین کا یکطرفہ کرایہ 25 ڈالر جب کہ MTA کا دوطرفہ صرف 7 ڈالر ہے۔

میں نے ایک کافی شاپ سے گرما گرم کافی کا کپ لیا اور اپنے سامان کے پاس بیٹھ کر چسکیاں لینے لگا۔

تھوڑی ہی دیر میں ایک بڈھا گورا میری طرف آتا دکھائی دیا۔ ''گڈ مارننگ'' اس نے قریب آ کر کہا۔ ''آر یو مسٹر طاہر، شریفز گیسٹ؟''

میں نے فون پر شریف صاحب کو اپنی بیٹھنے کی جگہ سمجھا دی تھی اور میرا حلیہ شریف صاحب نے گورے کو سمجھا دیا تھا۔ اس لیے وہ سیدھا میرے پاس ہی چلا آیا۔

میں نے اس کے گڈ مارننگ کا جواب دے کر اثبات میں سر ہلایا۔

''یس سر! ایم شریفز فرینڈ طاہر''

اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور میرا سامان اٹھا کر اپنی سٹیشن ویگن کی پچھلی سیٹ پر رکھا اور چارلس سٹریٹ سے ہوتے ہوئے ایسٹرن ایونیو (Easter Ave) پر اپنی گاڑی دوڑانا شروع کر دی۔ میں سڑک کے اردگرد کی عمارتوں اور پارکوں کا نظارہ کرتے ہوئے ایڈی (Eddie) سے گپ شپ بھی کر رہا تھا۔ راستے میں ہم لوگ دنیا کے مشہور جان ہاپکن ہسپتال کے پاس سے بھی گذرے۔ اسی ہسپتال میں پاکستان کے ایک سابق وزیراعظم محمد خاں جونیجو کا انتقال ہوا تھا۔ جو کینسر کے مرض میں مبتلا تھے۔ ایکسیز (Essex) مڈل ریور (Middle River) مارٹن، ایئر پورٹ (Martin airprt) کے قریب سے گذر کر چیز (Chase) کے علاقے میں پہنچے تو دور سے ہی Mobil موبل کا سائن نظر آنے لگا۔ ایڈی نے بتایا کہ یہی شریف کا گیس سٹیشن ہے۔

Marfat.com

بالٹی مور میں

شریف صاحب بڑے خلوص، پیار اور محبت سے ملے اور معذرت کی کہ ''سٹیشن'' والی غلط فہمی کی وجہ سے مجھے گذشتہ رات ریلوے سٹیشن پر گذارنا پڑی۔

میں نے عرض کیا۔ ''میاں صاحب! بیرونِ ملک سفر میں اگر ایسے حادثات و واقعات پیش نہ آئیں تو سفر کا لطف ہی کیا!''

اس کے بعد میں نے ان کے اہل و عیال اور انہوں نے میری بیوی بچوں کی خیریت معلوم کی۔ وہ میرے لیے پراٹھے انڈوں پر مشتمل ناشتہ صبح گھر سے تیار کروا کر لائے تھے۔ گرما گرم کافی کے ساتھ اپنا دیسی ناشتہ کیا تو لطف آ گیا۔ اتنے میں ان کا منیجر بھی آ گیا۔ زبیر صاحب کو میں ہی شریف صاحب کے پاس اپنی جگہ پر رکھوا کر 1997ء پاکستان گیا تھا۔ وہ بھی بڑی گرم جوشی سے ملا۔

شریف صاحب نے گیس سٹیشن کے قریب ہی اپنی کمپنی کی طرف سے زبیر کے لیے ایک اپارٹمنٹ کرایہ پر لیا ہوا تھا۔ میری رہائش کا بندوبست بھی اسی اپارٹمنٹ میں کر دیا اور خود اپنی گاڑی میں مجھے اپارٹمنٹ میں چھوڑ آئے اور اپارٹمنٹ کی ایک فالتو چابی بھی مجھے دے دی۔ نیز مجھے کہا کہ میں شام تک آرام کر لوں۔ شام کو گھر جاتے وقت وہ اپنے ہمراہ مجھے گھر لے جائیں گے تاکہ میں ان کے بیوی بچوں سے بھی مل لوں اور ایک رات ان کے ہاں گزاروں۔

میں رات بھر کا جاگا ہوا تھا، لمبے سفر کی تکان بھی تھی چنانچہ کپڑے تبدیل کر کے غسل کیا اور لمبی تان کر سو گیا۔ جب آنکھ کھلی تو شام ہو چکی تھی۔ واش روم جا کر وضو کر کے تمام قضا، نمازیں ادا کیں۔ پھر کپڑے بدل کر ٹی وی لگا لیا۔ تھوڑی دیر میں شریف صاحب آ گئے

Marfat.com

اور مجھے اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ان کی رہائش ان کے گیس سٹیشن سے کافی فاصلے پر''پیری ہال''(Perry Hall) کے علاقے میں تھی۔

شریف صاحب کی اہلیہ کوثر، ان کی تینوں بیٹیاں اور بیٹا عاطف شریف مجھے اپنے درمیان پاکر بہت خوش ہوئے۔کوثر کو میں اپنی بیٹی ہی سمجھتا ہوں۔اس نے بڑا پُر تکلف کھانا تیار کر رکھا تھا۔سب نے گپ شپ لگاتے ہوئے کھانا کھایا۔عاطف کے کمرے میں میرا بستر لگا دیا گیا۔پردیس میں اس رات مجھے گھر جیسا آرام ملا۔

شریف صاحب کے بیوی بچے تین سال پہلے پاکستان سے آئے تھے۔1997 میں جب میں پاکستان گیا بڑی بیٹی اپنی تعلیم مکمل کر کے بنک میں جاب کر رہی تھی جبکہ باقی تینوں بچے مختلف درجوں میں زیر تعلیم تھے۔

چونکہ میں ان کے پاس ان کے کلنٹن کے علاقے میں واقع پرانے گیس سٹیشن پر پہلے تقریباً دو سال تک کام کر چکا تھا، اس لیے وہ مجھ پر بہت زیادہ اعتماد اور بھروسہ کرتے تھے۔میرے واپس نے سے ان کو بہت زیادہ ریلیف مل گیا تھا۔ورنہ کام کی زیادتی اور گورے ملازمین کے ہاتھوں تلف نقصانات سے وہ ٹینشن، ہائی بلڈ پریشر اور شوگر کے مریض بن چکے تھے۔

چونکہ شریف صاحب نے میری رہائش کا بندوبست نزدیک ہی واقع اپارٹمنٹ میں کر دیا تھا، اس لیے مجھے کام پر آنے جانے میں کوئی تکلیف نہ تھی۔مجھے اس مقصد کے لیے گاڑی رکھنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔میں صبح شام چہل قدمی کرتے ہوئے کام پر اور گھر واپس پہنچ جایا کرتا تھا۔میرے راستے میں ہی سپر مارکیٹ پڑتی تھی جہاں سے میں آتے جاتے اپنی ضروریات کی اشیاء خرید لیا کرتا تھا۔کھانا ہمیشہ گھر پر خود بناتا تھا۔امریکہ میں اپنے سات آٹھ سال کے قیام کے دوران شاید چند بار ہی کسی ہوٹل یا ریستوران سے کھانا کھایا ہوگا وہ بھی کسی پارٹی یا دعوت کے موقع پر۔پانچ ساڑھے پانچ مہینے شریف صاحب کے پاس بہت اچھا وقت گذرا۔وہ مجھے بڑے بھائی کا رتبہ، عزت اور احترام دیتے تھے۔اسی طرح ان کے بیوی بچے بھی بہت عزت کرتے تھے۔بیٹی کوثر اکثر میرے لیے دوپہر کا کھانا گھر سے بنا کر بھجوا دیا کرتی تھی۔بعض اوقات تو کھانا اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ دوپہر کے علاوہ مجھے رات کو بھی کھانا پکانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔خدا اسے اور بچوں کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔

Marfat.com

داڑھ کا درد

17 اگست 1999ء کو دن کے دوران کارمنہ کے دائیں حصے کی اوپر کی ایک داڑھ میں ہلکا ہلکا درد شروع ہو گیا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا۔ پورا دن وقفے وقفے سے درد کش گولیاں کھا کر گزارا کیا، لیکن درد اتنا بڑھ گیا کہ گولیاں بھی بے اثر معلوم ہونے لگیں۔ دائیں طرف کا گال بُری طرح سوج اور پھول گیا۔ پوری رات ایک لمحے کے لیے بھی آنکھ نہ لگ سکی۔

دراصل داڑھ کی یہ تکلیف مجھے 1997ء میں اس وقت شروع ہوئی تھی جب میں کلفٹن کے علاقے میں مقیم تھا۔ اس وقت بھی میں شریف صاحب کے ووڈیارڈ روڈ پر واقع گیس سٹیشن پر رات کی ڈیوٹی کا انچارج تھا۔ اس وقت بھی مجھے کئی روز تک درد کش گولیاں کھا کھا کر گزارہ کرنا پڑا تھا۔ پھر ایک روز ایسے ہوا کہ جب میں بعد دوپہر سو کر اٹھا اور نماز ظہر کی ادائیگی کے لیے وضو کرنے سے پہلے برش کیا تو مجھے داڑھ ہلتی ہوئی محسوس ہوئی جسے میں نے تھوڑا سا مزید ہلا کر کھینچا تو وہ باہر نکل آئی۔ تھوڑا سا خون نکلا اور درد غائب ہو گیا۔ مجھے سکون مل گیا تھا۔ حقیقت میں پوری داڑھ نہیں نکلی تھی۔ داڑھ، مونگ پھلی کے دانے کی طرح درمیان سے دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ ایک حصہ جو ہل رہا تھا وہ نکل گیا تھا۔ باقی آدھا حصہ بدستور موجود تھا۔ بہر حال مجھے درد سے نجات مل گئی تھی اور اگلے دو اڑھائی سال تک مجھے قطعاً تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ اس دوران میں کچھ عرصے کے لیے پاکستان بھی گیا اور وہاں میں نے دانتوں کی سکیلنگ (صفائی) بھی کروائی تھی لیکن مجھے ڈینٹسٹ نے یہ مشورہ نہیں دیا تھا کہ میں داڑھ کا باقی ماندہ حصہ نکلوا دوں کہ بعد میں کسی وقت تکلیف کا

Marfat.com

باعث بن سکتا ہے۔

17 اگست سے 23 اگست تک گولیاں کھا کھا کر گزارہ کیا۔ اس دوران شریف صاحب اپنی فیملی کے ساتھ نیویارک گئے ہوئے تھے اور میں اس علاقے میں نیا اور اجنبی ہونے کی وجہ سے کسی ڈینٹسٹ کو نہیں جانتا تھا۔ 23 اگست کو شریف صاحب واپس آئے تو میرا سوجا ہوا چہرہ، متورم آنکھیں، اُڑی ہوئی رنگت دیکھ کر پریشان ہو گئے اور مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر نزدیک واقع مارٹن سپر مارکیٹ میں کسی ڈینٹسٹ کی تلاش میں لے گئے۔

پہلے ڈینٹل کلینک پر پہنچے تو استقبالیہ پر موجود گوری لڑکی نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ تین دن کی چھٹیاں گزارنے گئے ہوئے ہیں۔ اس نے ہماری درخواست پر قریب ہی واقع ایک اور کلینک کی طرف ہماری رہنمائی کی۔

امریکہ میں مسئلہ یہ ہے کہ کسی بھی ڈاکٹر، وکیل یا پروفیشنل آدمی سے پہلے سے وقت لینا پڑتا ہے، لیکن ہم بغیر اپوائمنٹ کلینک میں پہنچ گئے تھے۔ استقبالیہ پر بیٹھی ایک موٹی سی کالی لڑکی نے صاف جواب دے دیا کہ ڈاکٹر صاحب اپوائمنٹ کے بغیر آپ کو نہیں دیکھ سکتے۔ شریف صاحب نے اسے کہا کہ یہ ایمرجنسی کا کیس ہے، آپ ڈاکٹر صاحب سے بات تو کریں یا ہماری بات کروا دیں، لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اتنے میں ڈاکٹر صاحب اپریشن تھیٹر سے اس مریض کو الوداع کہنے کے لیے باہر آگئے جسے انہوں نے ابھی ابھی فارغ کیا تھا۔ انہوں نے ریسپشنسٹ سے اگلے مریض کے بارے میں پوچھا جو ابھی نہیں پہنچی تھی۔ شریف صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو میرے پھولے ہوئے چہرے کی طرف توجہ دلائی تو انہوں فوراً ہی مجھے اندر بلا لیا۔ میرے منہ کا اندر سے معائنہ کرنے کے بعد دو ایکسرے لیے اور مجھے کہا کہ آپ کو داڑھ کا یہ حصہ اسی وقت نکلوا دینا چاہئے تھا جب ایک حصہ خود بخود نکل گیا تھا۔ اب جب تک سوزش ہے اس نکالنا مناسب نہیں ہے۔ پھر انہوں نے مجھے کچھ گولیاں لکھ دیں جس سے درد اور سوزش میں افاقہ ہو جائے گا اور اگلے ہفتے دوبارہ آنے کا وقت دے دیا اور 75 ڈالر ایکسرے اور مشورہ فیس وصول کر کے رسید دے دی۔

18 ڈالر کی ادویات آئیں جن کے استعمال سے واقعی دو دن کے اندر ہی درد اور سوزش جاتی رہی اور میرا چہرہ نارمل ہو گیا۔

اگلے منگل کو مقررہ وقت 11:45 بجے ڈاکٹر جیوفری کے کلینک پر پہنچا تو استقبالیہ پر

Marfat.com

دوسری گوری لڑکی موجود تھی۔ اس نے اپنے کمپیوٹر پر چیک کر کے انکشاف کیا کہ آج تو آپ کی اپائنٹ منٹ نہیں ہے۔ میں نے اسے پچھلی رسید اور کارڈ دکھایا تو وہ بھاگی ہوئی اندر ڈاکٹر کے پاس گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے باہر آ کر کمپیوٹر پر خود چیک کیا۔ میری اپائنٹ منٹ واقعی نہیں تھی۔ انہوں نے معذرت چاہی کہ اس روز والی ریسپشنسٹ کمپیوٹر میں میرا نام اور ٹائم فیڈ کرنا بھول گئی تھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد انہوں نے مجھے اپریشن تھیٹر میں بلا لیا۔ اس کی اسسٹنٹ نے میرے منہ کے اندر دو ٹیکے لگائے جس سے پورا منہ سن ہو گیا۔ ڈاکٹر نے ایک جھٹکے کے ساتھ میری بقایا داڑھ نکال کر اور روئی میں لپیٹ کر میری ہتھیلی پر رکھ دی اور تقریباً پندرہ منٹ میں مجھے فارغ کر دیا۔ مزید کوئی دوائی نہیں دی اور مزید 75 ڈالر وصول کر لیے۔

خدا کا شکر ہے اس کے بعد آج تک مجھے دوبارہ تکلیف نہیں ہوئی۔

امریکہ میں علاج اور ادویات بہت مہنگی ہیں، اس لیے وہاں ہر وقت یہی دعا رہتی تھی کہ۔

خدا محفوظ رکھے ہم کو ان تینوں بلاؤں سے
حکیموں سے، وکیلوں سے حسینوں کی اداؤں سے

نواز شریف حکومت کا خاتمہ

12 اکتوبر 1999ء کی رات ٹی۔ وی اور ریڈیو کی خبروں میں بتایا گیا کہ فوج نے نواز شریف کی حکومت کا تختہ الٹ کر حکومت پر قبضہ کر لیا ہے۔ 13 اکتوبر کے تمام اخبارات بشمول ''نیو یارک ٹائمز''۔ ''واشنگٹن پوسٹ''۔ ''بالٹی مورسن''۔ یو ایس اے ٹوڈے'' وغیرہ کی شہ سرخیاں بھی اسی خبر پر مشتمل تھیں۔ امریکہ میں مقیم ہزاروں پاکستانیوں نے جن کے ڈالر اکاؤنٹ منجمد ہونے سے انہیں بے پناہ نقصان اور مالی خسارہ اٹھانا پڑا تھا۔ اس خبر پر دلی مسرت کا اظہار کیا تھا۔

میں نے وزیر خزانہ سرتاج عزیز کو اپنے 26 جولائی 1998ء رجسٹرڈ خط کے آخر میں لکھا تھا۔

''جس طرح آپ نے ملک کی اقتصادیات کا بیڑہ غرق کیا ہے، خدا آپ کا بیڑہ غرق کرے''۔

Marfat.com

اگر 1998ء کے ایٹمی دھماکوں کے بعد امریکہ میں مقیم پاکستانیوں سے امداد کی اپیل کی جاتی تو وہ ڈالروں کا مینہ برسا دیتے کیونکہ وہ بھارت کے مقابلے میں پاکستان کے ایٹمی قوت بننے پر بے انتہا خوش اور پُر خوش تھے، لیکن اس وقت فراست اور دور اندیشی سے کام نہ لیا گیا۔

سن 2003ء میں شہباز شریف نے امریکہ آ کر باقاعدہ پاکستانیوں سے اپنی حکومت کے اس غلط قدام پر معافی مانگی تھی۔

بالٹی مور میں شدید ترین سمندری طوفان

امریکہ چونکہ ہر طرف سے سمندر میں گھرا ہوا ہے۔اس لیے موسم گرما میں اکثر سمندری طوفان آتے رہتے ہیں تاہم محکمہ موسمیات کی طرف سے بروقت آگاہی کی وجہ سے جانی نقصان بہت کم ہوتا ہے البتہ مالی نقصان اربوں ڈالر تک پہنچ جاتا ہے۔ایسے ہی ایک طوفان کا مجھے اپنے بالٹی مور کے قیام کے دوران سامنا کرنا پڑا۔

15 ستمبر کو تمام دن ریڈیو اور ٹی وی پر سمندری طوفان بادوباراں کے بارے میں لوگوں کو آگاہ کیا جاتا رہا اور ساحلی علاقوں کے رہنے والوں کو محفوظ مقامات پر منتقل ہونے کی ہدایات نشر کی جاتی رہیں۔ یہ بھی بتایا جاتا رہا کہ یہ سمندری طوفان ماضی میں آنے والے طوفانوں کی نسبت شدید تر ہوگا۔گورنر میری لینڈ نے اپنی پوری ریاست میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا۔

جمعرات 16 ستمبر صبح سویرے سے ہی شدید بارش شروع ہو گئی۔ بعد دوپہر شدید آندھی چلنے لگی اور بارش مزید تیز ہو گئی۔سڑکیں نہروں کا منظر پیش کرنے لگیں۔بجلی کے کھمبے زمین بوس ہو گئے اور بجلی کی سپلائی پورے میری لینڈ میں منقطع ہو گئی۔ ہزاروں درخت، کھمبے اور بجلی کی تاریں ٹوٹ کر سڑکوں پر گر گئیں۔ساحلی علاقوں کے مکانوں کی چھتیں اڑ گئیں اور گھروں میں پانی داخل ہو گیا جس سے گھروں کے اندر موجود ہر چیز تباہ و برباد ہو گئی۔ میں نے اتنا شدید طوفان زندگی میں پہلی دفعہ دیکھا۔ یہ طوفان تقریباً 12 گھنٹے جاری رہا لیکن اس کے اثرات کئی مہینے تک محسوس کیے جاتے رہے۔تین دن تک تو بجلی ہی بحال نہ ہو سکی۔ بجلی کی تاروں کی مرمت کرتے ہوئے ایک سیاہ فام لائن وومین اپنی زندگی سے ہاتھ دھو

Marfat.com

بیٹھی، غرضیکہ اس طوفان نے بے پناہ تباہی و بربادی پھیلائی۔ تین دن تک ہمارا گیس سٹیشن اور سٹور بجلی کی سپلائی منقطع ہونے کی وجہ سے بند رہا۔ سڑکوں سے ٹوٹے ہوئے درختوں، بجلی کے تباہ شدہ کھمبوں اور تاروں کو ہٹانے میں بھی کئی دن لگے۔ تقریباً ایک ہفتے تک پورے میری لینڈ میں زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی۔ چونکہ طوفان کی آمد کی اطلاع پیشگی مل گئی تھی اس لیے لوگوں نے اشیائے خورد و نوش اور روزمرہ استعمال کی چیزوں کا ایک ہفتے کا سٹاک گھروں میں جمع کر لیا تھا۔ ورنہ بھوکوں مرنے تک کی نوبت آ سکتی تھی کیونکہ ذرائع آمد و رفت مسدود ہونے کی وجہ سے باہر سے کوئی چیز سٹوروں میں نہیں پہنچ رہی تھی۔

ویزے میں توسیع

میں 21 جولائی 1999ء کو لندن سے امریکہ پہنچا تھا۔ اگرچہ میرے پاس پانچ سال کا ملٹی پل ویزہ تھا لیکن نیویاک ائیرپورٹ پر مجھے فارم 94-1 پر 20 اکتوبر 1999ء تک تین ماہ کی انٹری دی گئی تھی۔ دراصل مدتِ قیام کا تعین اپنی صوابدید پر امیگریشن کا وہ افسر کرتا ہے جو آپ کے پاسپورٹ اور 94-1 فارم پر انٹری کی مہر لگاتا ہے۔ اس نے اپنی مہر میں پہلے ہی تین ماہ یا چھ ماہ کی مدت فیڈ کی ہوتی ہے اور اپنے سامنے آنے والے ہر مسافر کے پاسپورٹ پر اسی مدتِ قیام کا ٹھپہ لگاتا چلا جاتا ہے۔

اب امریکہ میں میرے قیام کی مدت ختم ہونے میں آ رہی تھی۔ لہٰذا میرے لیے ضروری تھا کہ یا تو غیر قانونی قیام سے بچنے کے لیے مدتِ قیام میں توسیع کرا لوں یا 20 اکتوبر سے پہلے واپس چلا جاؤں۔ اس سلسلے میں مَیں نے شریف صاحب سے مشورہ کیا تو انہوں نے رائے دی کہ میں انٹری ویزے میں توسیع کے لیے درخواست دے دوں۔ درخواست فارم کے حصول اور مزید معلومات کے لیے مجھے بالٹی مور میں امیگریشن آفس واقع نیشنل بنک ٹاور نمبر 1-100-ایس چارلس سٹریٹ جانا تھا جو شہر کے وسط میں واقع ہے اس سلسلے میں شریف صاحب کے پاس نائٹ شفٹ میں کام کرنے والے گورے کیشئر باب نے میری مدد کی اور 18 اکتوبر کو صبح 7:45 بجے مجھے اپنی کار میں متعلقہ آفس میں پہنچا دیا۔ میں نے اس خدمت اور پٹرول کے خرچے کے طور پر 20 ڈالر باب کی نذر کیے جو اس نے بخوشی قبول کر لیے۔

Marfat.com

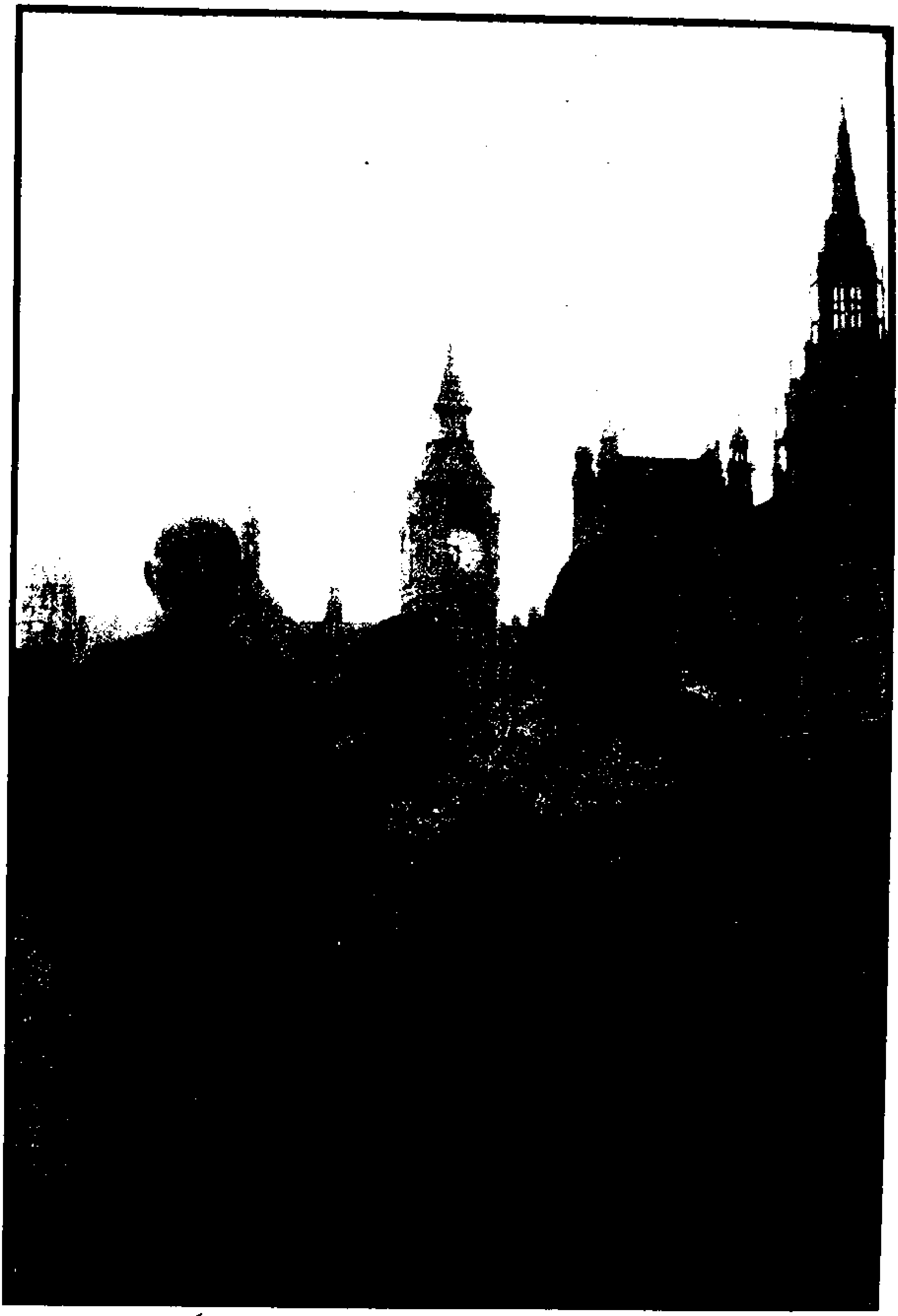

لندن 2004ء اپنی اہلیہ اور بہو انیلا سعید کے ساتھ،
پس منظر میں برطانوی پارلیمنٹ و بیگ بین

Marfat.com

8 بجے امیگریشن آفس کھلنے پر ایک لمبی لائن میں لگ کر میں نے مجوزہ فارم اور ضروری معلومات حاصل کیں۔ بس کے ذریعے واپس گیس سٹیشن پہنچ کر فارم پُر کئے اور اسی روز مقررہ فیس 120 ڈالر کے ساتھ یو۔ایس ڈیپارٹمنٹ آف جسٹس، ورماؤنٹ سروس سنٹر کو بذریعہ رجسٹری ڈاک روانہ کر دیئے۔ اس درخواست کے ساتھ امریکہ میں اپنے مزید قیام کی مدت کے لیے مالی حیثیت کا ثبوت دینا بھی ضروری تھا۔ میرے پاس دو ہزار ڈالر کے ٹریولر چیک موجود تھے جن کی فوٹو کاپیاں میں نے ساتھ لگا دیں۔ میرے خیال میں درخواست کی منظوری کے لیے دو ہزار ڈالر کی مالیت شاید کافی نہیں ہے، لیکن شریف صاحب کا کہنا تھا کہ امریکیوں کی نظر میں دو ہزار ڈالر بہت بڑی رقم ہے کیونکہ ان بیچاروں کی اکثریت تو مقروض، تنگ دست اور ہفتہ وار اتنا بھی نہیں کما سکتی کہ کرایہ مکان، کار کی قسط، انشورنس یوٹیلیٹی بلز وغیرہ ادا کرنے کے بعد ڈھنگ کی روٹی ہی کھا سکے۔

26 اکتوبر کو میری مدتِ قیام میں چھ ماہ کی توسیع ہو گئی اگرچہ اس کی تحریری اطلاع مجھے متعلقہ آفس سے 18 دسمبر کو پہنچی۔

نئی جگہ......نیا جاب

انہی دنوں شریف کے چھوٹے بھائی میاں محمد رفیق اپنے بیوی بچوں کے ساتھ پاکستان سے آ گئے تو شریف نے ان کے لیے اِدھر اُدھر جاب کی تلاش شروع کی۔ میں نے سوچا کہ میں تو اکیلا ہوں، چند دن بیکار رہ کر بھی گذارا کر سکتا ہوں مگر رفیق بیوی بچوں کے ساتھ آیا ہے۔ اس کا کنبہ بھی بڑا ہے۔ پھر اس نے بچوں کو سکولوں میں داخل بھی کرانا ہے۔ اس لیے اس کے لیے جاب کا حصول نہایت ضروری ہے۔

میں نے شریف سے کہا کہ وہ مجھے فارغ کر کے میری جگہ رفیق کو رکھ لیں کیونکہ اس کی ضروریات مجھ سے زیادہ اہم اور فوری ہیں۔ اگرچہ شریف صاحب ناں ناں کرتے رہے مگر میں دو روز کے لیے اپنے دوست منظور کے پاس لینڈ اوور (Land Over) آ گیا۔ جو واشنگٹن کے نواح میں ہے۔

منظور اور اس کے بیوی بچے بھی مجھ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ منظور کے بیوی بچوں کو میں نے ہی 1994ء میں امریکہ بھجوایا تھا۔ اس لیے بھی وہ میری بہت عزت کرتے

Marfat.com

تھے۔ منظور کا بہت بڑا ذاتی مکان وار نزا یونیو حیات ول میری لینڈ میں واقع ہے جہاں اس نے ہمہ قسم کی پاکستان کی سبزیاں پھول اور پھل دار پودے لگا رکھے ہیں۔ رات کو کھانے کے دوران منظور نے بتایا کہ ''اس کے گھر کے قریب ہی اس کے ایک پاکستانی دوست کو نائٹ شفٹ کے لیے کیشئر کی فوری ضرورت ہے۔ اگر میں جاب کرنا چاہوں تو ابھی کھانے کے بعد چل کر اس سے بات کر لیتے ہیں''۔ میں نے ابھی تک منظور کو نہیں بتایا تھا کہ میں شریف کے پاس سے جاب چھوڑنا چاہتا ہوں میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔

کھانے کے بعد ہم پیدل ہی چہل قدمی کرتے ہوئے انور کے گیس سٹیشن پر پہنچ گئے۔ انور خود ہی نائٹ شفٹ کر رہا تھا کیونکہ اس کا پہلا کیشئر کالوں کے ہاتھوں آئے روز کی وارداتوں اور دھمکیوں سے خوفزدہ ہو کر نوکری چھوڑ گیا تھا۔ یہ سو فیصدی کالوں کا علاقہ تھا۔ میں اس علاقے میں پہلے بھی رہ چکا تھا۔ اس لیے میرے لیے گھبرانے یا پریشان ہونے کی کوئی بات نہ تھی۔ انور چونکہ ان دنوں خود نائٹ شفٹ چلاتا تھا اور دن کو آرام کرتا تھا۔ اس لیے اسے دن کے اوقات میں بھی دفتری کام نبٹانے کے لیے چند گھنٹے دفتر میں بیٹھنا پڑتا تھا جس سے اس کی صحت متاثر ہو رہی تھی اور دن کے اوقات میں بھرپور سپرویژن نہ ہونے کی وجہ سے کاروبار کا نقصان بھی ہو رہا تھا۔

منظور نے جب انور سے میرا تعارف کرایا اور میرے پچھلے کام کے تجربات سے اسے آگاہ کیا تو انور کہنے لگا۔ ''میاں صاحب! آپ صبح آ کر ڈے ٹائم کیشئر سے چند گھنٹے کام سمجھ لیجئے اور کل رات سے نائٹ شفٹ سنبھال لیجئے''۔

منظور نے جب تنخواہ کے بارے میں استفسار کیا تو انور نے کہا۔ ''منظور صاحب! آپ میاں صاحب کے اور میرے مشترکہ دوست ہیں۔ آپ ہی فیصلہ کر دیجئے۔ نہیں تو میاں صاحب پہلے جاب پر جو لے رہے تھے، میں اس پر ایک ڈالر فی گھنٹہ زائد دینے کو تیار ہوں''۔

منظور نے اسے بتایا کہ پچھلے ایمپلائر نے تو انہیں فری اکموڈیشن (رہائش) بھی مہیا کر رکھی تھی کیا تم بھی مہیا کرو گے؟''

انور نے جھٹ جواب دیا۔ ''منظور! مجھے معلوم ہے تمہاری بیسمنٹ خالی ہے۔ تم میاں صاحب کو وہاں رہائش دے دو۔ کرایہ ہر ماہ مجھ سے لے جایا کرنا''۔

Marfat.com

اس کے بعد انور سے کچھ دیر گپ شپ ہوتی رہی۔ اس نے اصرار کیا کہ وہ قریبی میکڈونلڈ سے برگر منگواتا ہے مگر ہم نے اسے بتایا کہ کھانا کھا کر آئے ہیں اور اس کا شکریہ ادا کر کے واپس گھر چلے آئے۔

اب پروگرام یہ بنا کہ میں صبح بالٹی مور واپس جا کر شریف صاحب سے اپنا حساب کتاب کر کے اپنا سامان لے آؤں اور اگلی رات سے اپنی جاب پر کام شروع کر دوں۔ اگلے روز جب میں نے شریف کو بتایا کہ میرے نئے جاب اور رہائش وغیرہ کا انتظام ہو گیا ہے تو اس نے کہا۔ ''میاں صاحب! آپ کو چھوڑنے کو دل تو نہیں چاہتا، لیکن قدرت آپ پر خاص مہربان ہے کہ آپ جہاں جاتے ہیں قدرت وہاں آپ کے جانے سے پہلے آپ کی پذیرائی کے انتظامات کر دیتی ہے، میں خود شام کو اپنی گاڑی میں آپ کو لینڈاوور چھوڑ آؤں گا۔ اس بہانے منظور سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ جسے دیکھے ہوئے ایک مدت ہو گئی ہے''۔ ساتھ ہی انہوں نے میرا حساب بنا کر میرے بقایاجات بھی ادا کر دیے۔

میں نے شریف صاحب کی گاڑی لی اور گھر جا کر پیکنگ کر کے اپنا سامان لے کر واپس گیس سٹیشن پر آ گیا۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ ''پٹی بھائی'' آ گئے۔ یہ میرے پرانے مہربان ہیں۔ امریکہ آ کر پانچ سال پہلے میں نے اپنا پہلا جاب ان کے گیس سٹیشن پر ہی کیا تھا، اس لیے پٹی بھائی میری شخصیت اور کام سے اچھی طرح واقف تھے۔ جب شریف نے انہیں بتایا کہ میں آج لینڈ اوور جا رہا ہوں تو وہ اصرار کرنے لگے کہ میں ان کے ساتھ چلوں۔ وہ مجھے وہی معاوضہ اور سہولیات دیں گے جو انور نے پیش کی تھیں۔ شریف صاحب بھی زور دینے لگے کہ میں پٹی بھائی کی آفر مان لوں، اس طرح میں ان کے قریب بھی رہوں گا اور میل ملاقات ہوتی رہے گی۔

میں نے مجبوری بیان کی کہ۔ ''میں زبان دے چکا ہوں اس لیے میں وعدہ خلافی نہیں کر سکتا''۔ تو پٹی بھائی نے کہا کہ انور ان کا دوست ہے۔ وہ خود انور سے فون پر بات کر لیں گے اور اسے ''بندہ'' بھی دے دیں گے، لیکن مجھے ہرگز نہیں جانے دیں گے''۔

اتنا کہہ کر پٹی بھائی نے انور کا فون ملایا۔ اتفاق سے انور گیس سٹیشن پر ہی مل گیا۔ پٹی بھائی نے پہلے تو اس سے بے تکلفانہ ہنسی مذاق کیا۔ پھر میرے نہ آنے کی اطلاع دی اور ساتھ ہی بتایا کہ شام تک ان کے پاس نیا بندہ پہنچ جائے گا۔ انور نے بادل نخواستہ منظور کر لیا۔

Marfat.com

پشی بھائی نے میرا سامان اپنی گاڑی میں رکھا اور مجھے ایکسسو کے علاقے میں مارلن ایوینیو پر ایک اپارٹمنٹ میں لا اتارا۔ سامان اپارٹمنٹ میں رکھ کر مجھے اپنا گیس سٹیشن دکھانے کے لیے لے گئے اور بتایا کہ ان کا نیا گیس سٹیشن اپارٹمنٹ سے پندرہ بیس منٹ کی پیدل مسافت پر ہی ہے۔ گیس سٹیشن دریا کے پار ڈنڈاک کے علاقے میں تھا۔

گیس سٹیشن پہنچ کر انہوں نے مجھے اپنے دوسرے سٹاف سے ملوایا اور انہیں بتایا کہ

''میاں صاحب رات کی شفٹ کے انچارج ہوں گے''۔

مجھے یونیفارم کے دو جوڑے دے کر مجھے واپس گھر چھوڑ گئے تا کہ میں کچھ نیند لے کر رات کی شفٹ کے لیے اپنے آپ کو تیار کرلوں۔

''پشی بھائی''

محمود اشفاق المعروف پشی بھائی کا تعلق کراچی ہے لیکن انہوں نے اپنی اعلیٰ تعلیم پنجاب یونیورسٹی سے لی ہے۔ اس لیے پنجابی بھی بہت اچھی بولتے ہیں۔ پاکستان میں واہ آرڈیننس فیکٹری اور کہوٹہ پلانٹ پر کام کرتے رہے ہیں۔ امریکہ آنے کے بعد بڑے بھائی کے ساتھ مل کر اپنا بزنس شروع کیا تو اللہ نے بے پناہ کامیابی سے نوازا اب آٹھ گیس سٹیشنوں کے مالک ہیں۔

مجھے دوپہر کو پشی بھائی کے ساتھ گاڑی میں اپارٹمنٹ سے گیس سٹیشن تک آتے وقت فاصلے کا صحیح اندازہ ہی نہیں ہوا تھا۔ نیز پشی بھائی نے بتایا تھا کہ پندرہ بیس منٹ کی پیدل واک ہے، لیکن رات کو جب کام پر جانے کے لیے گھر سے نکلا تو پیدل گیس سٹیشن تک پہنچنے میں پورا ایک گھنٹہ لگا۔ اندازہ ہوا کہ فاصلہ چھ سات میل سے کم نہیں ہے۔ براہ راست کوئی بس بھی ادھر نہیں جاتی ہے۔ اگلے روز میں نے پشی بھائی سے شکوہ کیا تو مسکرا کر کہنے لگے۔

''میاں صاحب! میں آپ کو بس کا ماہانہ پاس بنوا دیتا ہوں''۔

بس سے سفر کا تجربہ بھی کوئی اتنا خوشگوار نہ تھا۔ گھر کی طرف سے ایک بس ایسٹ پوائنٹ مال تک آتی تھی۔ وہاں سے دوسری بس کے لیے لمبا انتظار کرنا پڑتا تھا۔ بعد ازاں دو سال تک میں گھر سے ایسٹ پوائنٹ مال تک تو بس سے آتا رہا۔ وہاں دوسری بس کا انتظار کرنے کی بجائے پیدل ہی تقریباً بیس منٹ میں اپنی جاب پر پہنچ جاتا تھا، لیکن ایک

Marfat.com

دفعہ دسمبر اور جنوری میں اتنی شدید برفباری ہوئی کہ تمام ٹریفک چند دن کے لیے معطل ہو کر رہ گئی۔ صبح اپنی ڈیوٹی ختم کر کے پہلے روز تو میں پیدل ہی گھر کے لیے چل پڑا۔ چونکہ میں پاکستان میں بھی ہر صبح 4/5 میل کی صبح کی سیر کا عادی تھا۔ اس لیے میرے لیے پیدل چلنا تو کوئی بڑا مسئلہ نہ تھا لیکن برف کے اوپر چلنا انتہائی دشوار ہوتا ہے۔ ایسٹرن ایونیو تک تو میں کسی دشواری کے بغیر پہنچ گیا، لیکن مین روڈ سے کوئی دس گز کے فاصلے پر ایک گہرے گڑھے میں گر گیا۔ برف کی وجہ سے اوپر سے سطح بالکل ہموار تھی لیکن نیچے کوئی گڑھا تھا جس کا مجھے اندازہ ہی نہیں سکتا تھا اور میں کمر تک برف میں دھنس گیا۔ گڑھے سے نکلنے کے لیے بڑی جدوجہد کرنا پڑی، کیونکہ اردگرد کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو پکڑ کر گڑھے سے باہر نکل سکوں نہ ہی سڑک پر کوئی ٹریفک تھی کہ کسی کو مدد کے لیے پکار سکوں۔ اس روز میں نے فیصلہ کیا کہ جب تک سڑکوں پر ٹرانسپورٹ بحال نہیں ہوتی، میں گیس سٹیشن پر ہی ٹھہروں گا اور گھر نہیں جاؤں گا۔

بس کا روٹ بڑھوالیا

ایک دن مجھے خیال آیا کہ چار نمبر کی بس جو ڈنڈاک اور ایسٹرن مال کے درمیان چلتی ہے کیوں نہ اس کا روٹ Essex تک بڑھانے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ میں نے اس مقصد کے لیے (MTA) میری لینڈ ٹرانزٹ اتھارٹی کے نام درخواست لکھی اور اس پر علاقے کے 10/12 افراد کے مزید دستخط کروا کر محکمہ ٹرانسپورٹ کھینچ دی میرا خیال تھا کہ ہمارے ہاں کی طرح یہ درخواست دفتر کی ردی کی ٹوکری کی نذر ہو جائے گی لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب چند روز بعد اتھارٹی نے اس روٹ کو وائٹ مارش (White Marsh) تک بڑھانے کی منظوری دے دی اور بسوں کی تعداد میں بھی اضافہ کر دیا۔ پہلے یہ بس ہر گھنٹے کے بعد آیا کرتی تھی۔ اب چالیس منٹ بعد آنے لگی۔ اب گیس سٹیشن سے گھر واپسی میں مجھے ایک ہی بس سے سفر کرنا ہوتا تھا کیونکہ یہ بس Essex سے گذر کر وائٹ مارش جاتی تھی۔ وائٹ مارش، بالٹی مور کا بہت بڑا شاپنگ سنٹر ہے۔

برف باری کے دنوں میں جب ہر قسم کی ٹریفک معطل ہو گئی تھی، مجھے تین رات گیس سٹیشن پر ہی رکنا پڑا۔ ایک تو ٹرانسپورٹ بند تھی، دوسرا اسٹاف بھی کام پر نہیں آ رہا تھا۔ اِکا

Marfat.com

ڈ کا فور وہیل گاڑیوں (4x4) والے چند گاہک آتے تھے۔ سٹور میں نئی سپلائی بھی نہیں پہنچ رہی تھی اور اشیائے خوردونوش کا جو سٹاک موجود تھا وہ قرب و جوار کے ہمسایوں نے ختم کر دیا تھا، لہٰذا میں رات کو دروازوں پر "عارضی طور پر بند ہے" (Temporarily Closed) کا سائن لگا کر دروازے لاک کر کے اندر ہی سو رہتا تھا۔

ظاہر ہے گیس سٹیشن پر کوئی بیڈ، بستر، رضائی، کمبل یا تکیہ وغیرہ تو تھا نہیں۔ اپنی لمبی جیکٹ ہی آدھی اوپر اور آدھی نیچے لے کر سوتا تھا۔ اس سے نہ تو سردی سے مکمل بچاؤ ہوتا تھا نہ ہی مناسب نیند آتی تھی۔ اوپر سے محلے کے لوگ بھوک سے تنگ آ کر بار بار سٹور کا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیتے تھے۔ سٹاک میں جو بچی کھچی اشیائے خوردونوش ان کو ملتی تھیں، اٹھا لے جاتے تھے۔

تین دن کے بعد سڑکیں برف سے قدرے صاف ہوتیں اور ٹریفک آہستہ آہستہ چلنے لگی، لیکن بسیں تاحال بند تھیں۔ مسلسل جگراتے اور بے آرامی سے میری طبیعت بہت خراب ہو گئی۔ تین دن کے بعد جب "پٹی بھائی" اور دوسرے سٹاف کی شکل نظر آئی تو میں نے صاف اعلان کر دیا کہ "اب مجھ سے کام نہیں ہوتا۔ آپ میری جگہ کسی دوسرے آدمی کا انتظام کر لیں"۔

"پٹی بھائی" ان کے پارٹنر رضا علی میر صاحب میرے کام سے بہت متاثر تھے۔ لہٰذا پٹی بھائی نے وعدہ کیا کہ وہ گیس سٹیشن کے نزدیک ہی میری رہائش کا بندوبست کر دیں گے تاکہ آئندہ مجھے اس قسم کی صورت حال سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ انہوں نے جلدی ہی اپنا وعدہ پورا کر دیا اور گیس سٹیشن کے بالکل سامنے صرف دو منٹ کی پیدل مسافت پر مجھے تین بیڈ روم کا "روہاؤس" (Row House) لے دیا۔ میں نے امریکہ میں اپنے قیام کا باقی عرصہ اسی مکان میں گذارا۔

ڈاکو پکڑوا دیئے

امریکہ میں چوری چکاری، ڈکیتی، رہزنی، قتل اور مگنگ (Mugging) (خواتین سے پرس چھیننا) کی وارداتیں تو عام ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ جیلیں اور جیلوں میں سب سے زیادہ قیدی بھی امریکن جیلوں میں ہی ہیں جن کی تعداد لاکھوں میں ہے۔

Marfat.com

مجھے ایکسان (Exxon) گیس سٹیشن پر کام کرتے ہوئے ابھی ایک مہینہ ہی ہوا تھا۔ چونکہ ڈانڈاک کا یہ علاقہ گوروں پر مشتمل تھا، اس لیے میں عموماً رات کو کیشئر والی کھڑکی بند نہیں کیا کرتا تھا اور اب تک مجھے کسی نے پریشان بھی نہیں کیا تھا۔

12 جنوری کی رات 11:30 بجے ایک لال رنگ کی کار جس میں ایک گورا لڑکا اور سفید فام نوجوان لڑکی موجود تھے، پارکنگ لاٹ میں آ کر رکی اور تقریباً آدھا گھنٹہ ٹھہری رہی۔ میں نے سرسری طور پر انہیں دیکھا مگر زیادہ توجہ نہ دی، نہ ہی گاڑی کا ٹیگ نمبر (نمبر پلیٹ) پڑھنے کی کوشش کی۔ میرا خیال تھا کہ عام امریکنوں کی طرح دونوں گاڑی میں بیٹھ کر ''دل پشوری'' کر رہے ہوں گے۔ لہٰذا میں اپنے کام میں مگن رہا۔ کچھ دیر بعد ایک گاہک، جو پمپ نمبر 5 پر اپنی گاڑی میں گیس بھر رہا تھا اور لال گاڑی والوں کی حرکات وسکنات کا بھی جائزہ لے رہا تھا، گیس بھر کر میرے پاس آیا اور آہستہ سے مجھے کہا کہ ''میں اپنی کھڑکی بند کر لوں کیونکہ یہ لوگ مجھے کچھ مشکوک لگتے ہیں''۔ اس نے اپنا بیج (Badge) بھی مجھے دکھایا کہ وہ خفیہ پولیس کا رکن ہے۔ چنانچہ میں نے فوراً اپنی کھڑکی بند کر لی۔ اپنے کیبن کا دروازہ میں نے پہلے ہی بند کر رکھا تھا۔ کسٹمر سے کیش وصول کرنے کے لیے کھڑکی کے نچلے حصے میں ایک سوراخ موجود تھا جہاں سے کیش تو اندر آ سکتا تھا، پستول یا گن کی نالی یا گولی نہیں آ سکتی تھی اور کھڑکی میں بلٹ پروف شیشہ لگا ہوا تھا۔ لہٰذا میرے لیے خطرے والی کوئی بات نہ تھی۔ احتیاط بہرحال ضروری تھی۔

چند منٹ بعد میں نے پارکنگ لاٹ کی طرف نظر دوڑائی تو لڑکی گاڑی ڈرائیو کرتی ہوئے پارکنگ لاٹ سے نکل رہی تھی اور لڑکا میرے سٹور کی طرف چلا آ رہا تھا۔ اب میرے لیے کار کا ٹیگ نمبر نوٹ کرنا ممکن نہ تھا۔ گاڑی پہلے بھی قدرے اندھیرے میں کھڑی تھی جہاں نمبر پلیٹ پڑھی نہیں جا سکتی تھی۔

لڑکا سٹور کے اندر آ کر سٹور کے مختلف حصوں کا جائزہ لینے لگا۔ اتنے میں دو تین اور کسٹمر آئے جنہیں میں اٹنڈ کیا اور بظاہر میں نے یہی ظاہر کیا کہ میں اپنے کمپیوٹر پر مصروف ہوں، لیکن میں سٹور میں لگے ہوئے خفیہ کیمروں کے ذریعے مانیٹر (Monitor) پر اس نوجوان کی حرکات وسکنات پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ جب اسے سٹور میں گھومتے ہوئے پندرہ بیس منٹ گذر گئے اور اس دوران میں کوئی نیا کسٹمر نہیں آیا کیونکہ آدھی رات کا وقت ہو چکا

Marfat.com

تھا اور قریبی سڑک پر بھی اِکا دُکا گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ اب وہ ٹافیوں کا ایک پیکٹ اٹھائے ہوئے میرے کاؤنٹر پر آیا۔ پیکٹ کاؤنٹر پر رکھ کر اور اپنا منہ بالکل سپیکر کے قریب لا کے آہستہ سے کہنے لگا۔ ''تمام رقم میرے حوالے کر دو ورنہ میں گیس سٹیشن دھماکے سے اُڑا دوں گا''۔

(Give me all your money otherwise I will blow up your Gas staion)

میں نے بغیر گھبراہٹ ظاہر کئے اسے جواب دیا۔ ''سر! مجھے آپ کی انگریزی سمجھ نہیں آئی۔ کیونکہ میں اس ملک میں نیا ہوں۔ آپ مجھے لکھ کر دیں''۔

I cant Follow Your English Sir, As i am new in this Country. Please Giveme In Writing

اس نے کہا۔ ''مجھے ایک کاغذ کا ٹکڑا دو''

"Give me a Piece of Paper"

میں نے کمپیوٹر کے پرنٹر سے کاغذ کا ٹکڑا نکال کر کھڑکی کے سوراخ میں سے اسے دے دیا۔ اس نے جو کچھ زبانی کہا تھا مجھے لکھ کر دے دیا۔ ساتھ ہی کہنے لگا۔ ''جلدی کرو، جلدی کرو''۔

"Huray up Hurry Up" اسے شاید ڈر تھا کہ کوئی کسٹمر نہ آ جائے۔

اس نے اپنا ایک ہاتھ اپنی پینٹ کی جیب میں ڈالا ہوا تھا۔ گویا وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اس کے پاس گن بھی ہے۔

میں نے احتیاط سے کھڑکی کے سوراخ میں سے کاغذ ٹکڑا اٹھایا، اس پر ایک نظر ڈال ور جواب دیا۔

Sorry sir I cant Help You

You can do whatever you want to do

''سر آپ نے جو کچھ کرنا ہے کر گزریں، میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا''۔

اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ ''اس کا مطلب ہے نو منی۔

"You Mean No Money"

Marfat.com

میں نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔"یس سر! نو منی!"

"Yes Sir, No Money!"

ساتھ ہی میں نے پولیس کا ہیلپ نمبر دبا دیا۔

مجھے ٹیلیفون کا بٹن دباتے دیکھ کر وہ سٹور کے دروازے کی طرف بھاگا جسے میں نے اپنے پاؤں کے پاس لگے الیکٹرک سوئچ کو پریس کر کے پہلے ہی لاک کر دیا تھا۔ اب آٹو میٹک دروازہ ہینڈل کو گھما کر ہی کھولا جا سکتا تھا۔ جب دروازہ خودبخود نہ کھلا تو اس نے ہینڈل پکڑ کر دروازہ کھولا اور بھاگ گیا۔ اب پیپر پر اور دروازے کے ہینڈل پر اس کے فنگر پرنٹ اور سٹور میں لگے کیمروں کے ذریعے اس کی حرکات وسکنات اور آواز عملی طور پر ریکارڈ ہو چکی تھیں۔ جس کے ذریعے پولیس آسانی سے اسے پکڑ سکتی تھی۔

ڈاکو کو سٹور سے نکلے دو منٹ سے بھی کم وقت ہوا تھا کہ پولیس نے چاروں طرف سے گیس سٹیشن کو گھیرے میں لے لیا، لیکن ان کا شکار تو جا چکا تھا۔ بہر حال پولیس نے کاغذ کا ٹکڑا شیشی میں محفوظ کیا۔ کاؤنٹر اور دروازے کے ہینڈل سے اس کی انگلیوں کے نشانات محفوظ کیے اور ایک ہفتے کے اندر اندر ان دونوں کو گرفتار کر لیا۔

سٹیٹ اٹارنی کی طرف سے پہلا سمن 18 فروری کو جاری ہوا جس میں مجھے کہا گیا کہ ملزمان کو سزا دلوانے کے لیے میرا تعاون اور گواہی ضروری ہے۔ اس کے علاوہ سٹیٹ اٹارنی کی طرف سے کئی دوسرے کاغذات اور فارم موصول ہوئے جن میں احاطہ عدالت میں فری کار پارکنگ کا ٹوکن، اگر اس وقوعہ سے مجھے کوئی جسمانی، ذہنی یا نفسیاتی گزند پہنچا ہو تو اس کے معاوضے کا کلیم فارم وغیرہ شامل تھے۔ سمن کے کاغذات سے مجھے لڑکے کا نام Eugene Lamont Ostrander یوجین لے مانٹ اوسٹرانڈر اور لڑکی کا نام Cathy Ann Bain کیتھی این بین معلوم ہوا۔ پہلے سمن میں کیس کی کوئی تاریخ مقرر نہ تھی۔ صرف مجھے اطلاع دی گئی تھی کہ کیس عدالت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

دوسرا سمن مجھے 7 مارچ کو جاری ہوا جس میں مجھے اطلاع دی گئی تھی کہ سرکٹ کورٹ، ٹاؤسن، بالٹی مور میں کیس کی سماعت 5 اپریل کو سوا نو بجے ہوگی۔ عدالتی سمن میں عدالت کا فون نمبر بھی دیا گیا تھا مجھے کہا گیا تھا کہ میں ایک روز پہلے 4:30 بجے کے بعد متعلقہ نمبر سے یہ معلوم کر لوں کہ کیس ملتوی تو نہیں کر دیا گیا۔ تاکہ مجھے غیر ضروری طور پر عدالت کا چکر نہ

Marfat.com

لگانا پڑے۔ چنانچہ میں نے ایک رات پہلے فون کیا تو ریکارڈ شدہ پیغام سے معلوم ہوا کہ کیس ملتوی کر دیا گیا ہے۔

تیسرا اور آخری سمن، جو 18 مارچ کو جاری ہوا، مجھے اطلاع دی گئی کہ اب کیس کی سماعت 18 اپریل کو صبح سوا نو بجے ہوگی، لیکن ایک رات پہلے عدالتی فون سے کیس کی نوعیت کے بارے میں معلوم کر لوں۔ چنانچہ جب میں نے 17 اپریل کی رات کو متعلقہ فون ملایا تو معلوم ہوا کہ ملزمان نے جرم تسلیم کر لیا ہے اور انہیں سزا سنا دی گئی ہے۔ لہٰذا مجھے عدالت آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح مجھے عدالت میں گواہی کے لیے پیش ہونے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

20 اپریل کو سٹیٹ اٹارنی نے میرے نام لیٹر آف اپریسی ایشن (Letter of Apreciation) جاری کیا جس میں میری اس کاوش کی تعریف کی گئی تھی جس سے ملزمان کو پکڑنے اور سزا دلوانے میں مدد ملی۔ خط کی نقل یہاں دی جاری ہے۔

Marfat.com

Office of State's Attorney
Baltimore County
401 Bosley Avenue
Towson, Maryland 21204
410-887-6600
Fax 410-887-6646
MRS 800-735-2258

Sandra A. O'Connor
State's Attorney

April 20, 2000

Muhammad I. Tahir
c/o Exxon
300 Merritt Blvd.
Baltimore, Maryland 21222

Re: State vs. Eugene Ostrander
Case #: 00cr0527

Dear Mr. Tahir:

This is to inform you that on April 18, 2000 the above-entitled defendant was found guilty. The judge sentenced the defendant to two years at the Maryland Division of Correction which was suspended. He received three years of supervised probation and ninety six hours of community service. He is to obtain his GED while on probation.

Thank you for your help and cooperation in bringing this case to trial. If you have any further questions regarding this matter, please do not hesitate to contact me.

Sincerely,

Leigh Ann Adams

Leigh Ann Adams
Assistant Director
Victim Witness Assistance Unit
Telephone (410) 887-6650

Marfat.com

ایک خوشگوار تجربہ

انہی دنوں مجھے امریکن دفتری نظام کا ایک اور خوشگوار تجربہ ہوا۔ میں ہر ماہ بالٹی مور سٹریٹ کی ٹکٹ مشین سے اپنا بس پاس ڈالر نقد ڈال کر لیا کرتا تھا۔ ایک روز بارش ہو رہی تھی۔ میں بارش میں بھیگتے ہوئے متعلقہ مشین تک پہنچا اور حسب معمول مشین میں 52 ڈالر ڈال کر ٹکٹ کا بٹن دبایا، لیکن مشین نے ٹکٹ دینے کی بجائے 52 ڈالر میں سے 20/20 ڈالر کے دو نوٹ مجھے واپس لوٹا دیئے اور 12 ڈالر ''پی'' گئی۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن مجھے 12 ڈالر واپس نہ ملے اور مشین پر ''آؤٹ آف سروس'' کا نشان آنا شروع ہو گیا۔ مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔

میں نے گھر پہنچ کر ٹرانسپورٹ کے متعلقہ شعبے کو فون کیا۔ انہوں نے میرا نام اور پتہ اور ٹکٹ مشین کا نمبر نوٹ کر لیا۔ چند روز بعد ڈاک میں مجھے 12 ڈالر کا چیک موصول ہوا جس کے ساتھ ایک خط بھی تھا جس میں اس بات پر معذرت کی گئی تھی کہ مجھے ان کی خراب مشین کی وجہ سے زحمت اٹھانا پڑی۔

پاکستان میں میرے چند ہزار روپے 1991/92 سے ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن اور محکمہ انکم ٹیکس کی طرف نکلتے ہیں۔ متعدد رجسٹری خطوط لکھے۔ ذاتی طور پر بھی ان دفاتر کے چکر لگائے مگر آج تک نہیں ملے۔ ہر بار ایک ہی گھڑا گھڑایا جواب ملا۔ ''آپ کی فائل نہیں ملتی''۔ کسی محکمہ نے میرے خطوط کا جواب دینے کی تو زحمت ہی گوارا نہیں۔

Marfat.com

کیا آپ مسلمان ہیں؟

ایک رات کا ذکر ہے۔کوئی 10:30 بجے کے قریب ایک سفید فام خاتون سٹور میں آئی۔ اس نے دو پیکٹ سگریٹ لے کر مجھے سو ڈالر کا نوٹ دیا (نوٹ کو امریکہ میں بل Bill کہتے ہیں) اور کہنے لگی کہ "سگریٹ کے پیسے کاٹ کر بقایا رقم میں 10 نمبر پمپ پر ڈال دوں تا کہ وہ اپنی گاڑی کا گیس ٹینک فل کر سکے۔ وہ بقایا رقم گیس بھرنے کے بعد لے گی"۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ پمپ نمبر 10 پر کمپیوٹر میں تقریباً 95 ڈالر فیڈ کر دیئے اور دوسرے گاہکوں کو اٹنڈ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ایک اور کسٹمر پمپ نمبر 10 پر گیس بھروانے کے لیے آ گیا، لیکن پمپ تو پہلے گاہک کا تقریباً 75 ڈالر کا بقایا شو کر رہا تھا۔ خاتون گیس بھر کر جا چکی تھی اور اپنی بقایا رقم واپس لینا بھول گئی تھی۔ میں نے کمپیوٹر سے رسید نکال کر بقایا رقم اس کے ساتھ نتھی کر کے الگ رکھ لی اور پمپ کو کلیئر کر کے نئے گاہک کی رقم کمپیوٹر میں فیڈ کر دی۔

رات بھر میں انتظار کرتا رہا لیکن خاتون اپنا ریفنڈ لینے نہیں آئی صبح شفٹ کا چارج اگلے کیشئر کو دیتے وقت میں نے رسید کے ساتھ نتھی رقم 75 ڈالر بھی اس کے حوالے کر دی تا کہ اگر رات والی خاتون اپنے پیسے لینے آئے تو اسے دے دیئے جائیں۔

اگلی رات جب میں دوبارہ ڈیوٹی پر آیا تو رقم ویسے کی ویسے ہی پڑی تھی۔ ابھی مجھے کام شروع کئے ایک گھنٹہ ہی گذرا ہو گا کہ گذشتہ رات والی گاہک سٹور میں داخل ہوئی اور نہایت مؤدب انداز میں ایکسکیوزمی (Excuse Me) کہہ پوچھنے لگی۔ "کہیں گذشتہ رات میں آپ کو سو ڈالر کا بل دے کر بقایا لینا تو نہیں بھول گئی تھی؟"

Marfat.com

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یس میم (Yes Mam) آپ یقیناً بھول گئی تھیں۔ یہ رہے آپ کے بقایا 75 ڈالر اور رسید"۔ وہ اپنی رقم واپس پا کر اتنی خوش ہوئی کہ خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر اس نے اچانک سوال کر دیا۔ "آر یو اے مسلم سر؟"

(Are you a muslim sir)

میں نے جواب دیا۔ "یس میم، آئی ایم" (yes mam I am) "لیکن آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟"

وہ کہنے لگی۔ "میں سپینش ہوں مجھے مسلمانوں کے درمیان رہنے کا موقع ملتا رہا ہے۔ یہ اونیسٹی (Honesty) صرف مسلمانوں میں ہی پائی جاتی ہے کہ کسی کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھایا جائے۔ آپ کی جگہ اگر کوئی امریکن یا کوئی اور ہوتا تو مجھے میری رقم کبھی واپس نہ ملتی۔ مجھے اس کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے۔ وہ لوگ تو یہ بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتے کہ میں کبھی ان کے سٹور میں آئی بھی ہوں"۔ پھر وہ بتانے لگی۔ "صبح جب میں نے بجلی اور گیس کے بل جمع کرانے کے لیے پرس کھولا تو اس میں چند ڈالر کی ریزگاری کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ میری تو جان ہی نکل گئی۔ میں تقریباً ساڑھے تین سو ڈالر ہفتہ کماتی ہوں، مکان کا کرایہ، گاڑی کی انشورنس یوٹیلٹی بلز ادا کرنے کے بعد یہ آخری سو ڈالر میرے پاس بچے تھے۔ اگر مجھے یہ 75 ڈالر واپس نہ ملتے تو میری بجلی اور گیس کٹ جاتی اور ہفتے کے باقی دن مجھے فاقے کرنے پڑتے۔

"تھینک یو ویری مچ مسٹر طاہر، تھینک یو، گاڈ بلیس یو"۔ وہ ڈبڈباتی آنکھوں کے ساتھ سٹور سے باہر نکل گئی۔

(Thank you mr Tahir thank you very much God bless you)

ایسا ہی ایک واقعہ قبل ازیں میرے کلیولینڈ کے قیام کے دوران پیش آ چکا تھا۔ جس کا ذکر میری کتاب "عالمی سفرنامہ" میں موجود ہے۔

مائے MAI

میرے گیس سٹیشن کے بالمقابل سڑک میرٹ بلیوارڈ (Merrit Blvd) کے

Marfat.com

دوسری طرف پاپائے ریسٹوران (Popyee) تھا جس کی منیجر ایک ویتنامی امریکن خاتون مائے تھی (Mai) جو اکثر رات کو اپنا ریسٹوران بند کر کے گیس لینے کے لیے آیا کرتی تھی۔ وہ عموماً پمپ کی مشین پر اپنا کریڈٹ کارڈ استعمال کر کے گیس بھر لیا کرتی تھی۔ بہت کم سٹور کے اندر آتی تھی کبھی کبھار جب کبھی اس نے تازہ بہ تازہ کافی پینی ہوتی تھی تو سٹور کے اندر آجاتی تھی اور میں اسے تازہ کافی بنا دیا کرتا تھا اور ہمسایہ ہونے کی بناء پر اس سے کافی کے پیسے نہیں لیتا تھا۔ جس سے وہ بہت خوش ہوتی تھی اور بعض اوقات اپنے ریسٹوران سے میرے لیے آلو کے گرم گرم چپس، فش برگر اور چند چکن پیس بھی لے آتی تھی۔ کافی پینے کے دوران ہم کچھ گپ شپ بھی لگا لیا کرتے تھے۔ اسے ویتنام سے امریکہ آئے ہوئے تیس سال ہو چکے تھے۔ اس کے چار بچے تھے۔ تین بیٹے اور ایک بیٹی۔ وہ ویتنام کی جنگ کے خاتمے پر امریکن فوجوں کے ویتنام سے انخلاء کے وقت ایک امریکن فوجی سے شادی کر کے امریکہ آئی تھی۔ اس وقت مائے کی عمر 19/20 سال تھی۔ وہ بالکل نوجوان تھی لیکن اسے انگریزی برائے نام ہی آتی تھی۔ جب وہ امریکن فوجیوں کی دوسری ویتنامی بیویوں کے ساتھ امریکہ پہنچی تو اس کے خاوند کے والدین نے اسے سخت ناپسند کیا اور اپنے بیٹے کو مجبور کیا کہ وہ مائے (Mai) سے الگ ہو جائے اور اسے گھر سے نکال دے لیکن اس کے خاوند نے طلاق دینے سے پہلے اس کا گرین کارڈ بنوا دیا اور پھر حالات کے رحم و کرم پر اکیلا چھوڑ دیا۔ مائے نے مختلف گروسری سٹوروں، ریستورانوں اور ہوٹلوں میں صفائی وغیرہ کا کام کر کے گزر بسر کرنا شروع کر دیا اور انگلش سیکھنے کے لیے سکول میں داخلہ بھی لے لیا۔

اسی دوران مائے کی ملاقات ایک نوجوان امریکن جیوفری فائلر سے ہوئی، جو جلدی ہی دوستی میں بدل گئی۔ کچھ عرصہ بعد دونوں نے شادی کر لی اور مائے Mai-Lee سے Mai-Filer بن گئی۔ اس خاوند سے اس کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے جو سب اپنے اپنے گھروں میں آباد ہیں۔

نئے خاوند کے ساتھ رہنے سے مائے کی انگریزی تو خود بخود ہی بہتر سے بہتر ہوتی چلی گئی لیکن اس کا جاب وہی فرشوں اور برتنوں کی صفائی یا ہوٹل کے کمروں کے بیڈ شیٹوں کی تبدیلی تک ہی محدود رہا کیونکہ اسے کوئی ہنر تو آتا ہی نہیں تھا، حالانکہ وہ بہت محنتی عورت تھی۔

ایک ریسٹوران کے منیجر نے اسے مشورہ دیا کہ اگر وہ کچھ حساب کتاب سیکھ لے تو وہ

Marfat.com

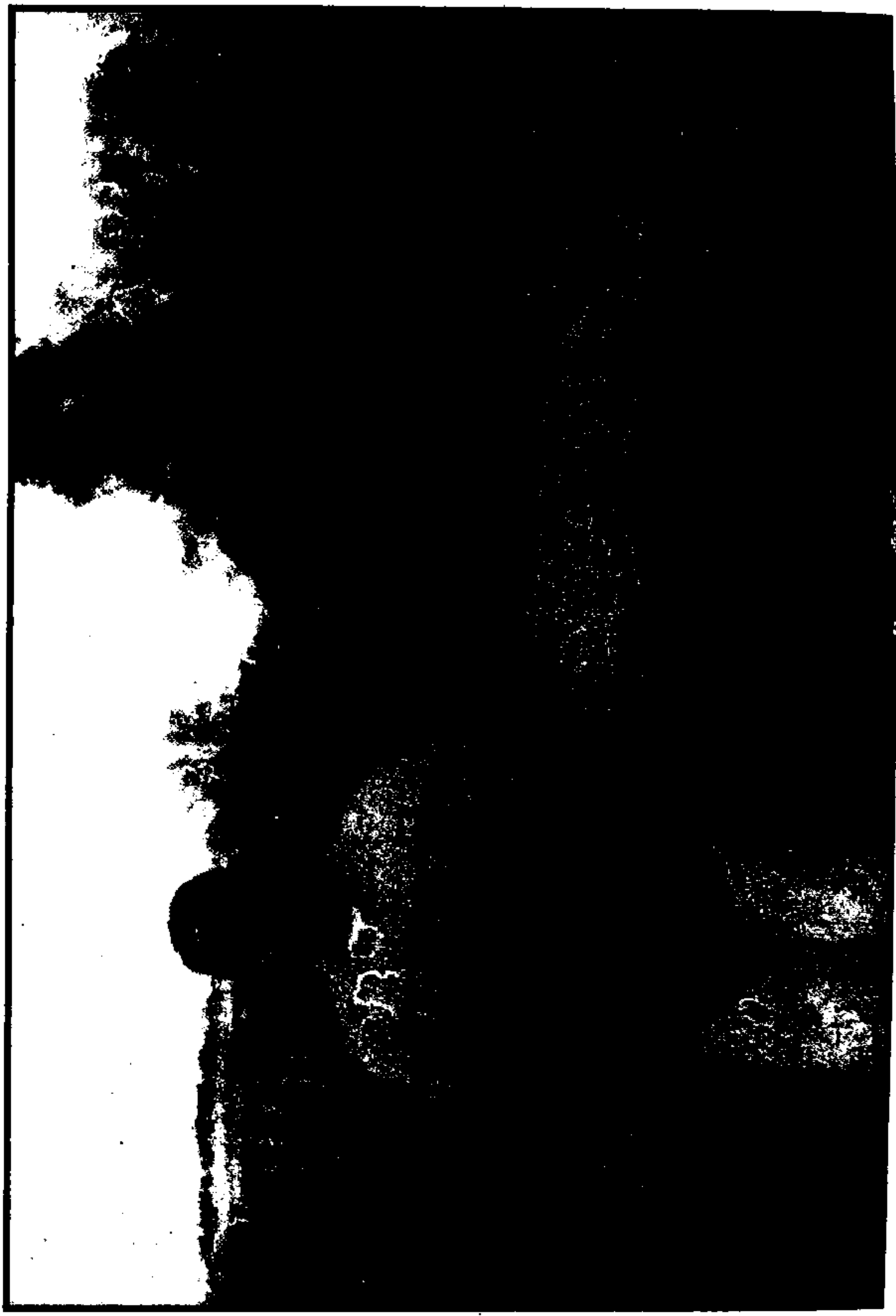

Marfat.com

کافی ترقی کر سکتی ہے حتیٰ کہ ریسٹوران کی مینجر بھی بن سکتی ہے۔

مائے کو یہ مشورہ دل کو لگا اور اس نے مینجمنٹ سرٹیفکیٹ کورس کے لیے سکول میں داخلہ لے لیا۔ بچے بھی اب بڑے ہو چکے تھے اس لیے ان کی طرف سے بھی اب بے فکری تھی۔ اس درس و تدریس کے دوران حساب پڑھانے والے استاد کا دل مائے پر آ گیا۔ یہ بھی امریکن گورا اور غیر شادی شدہ تھا۔ جلدی ہی ان کی "استادی شاگردی" عشق و عاشقی میں بدل گئی اور انہوں نے اختتامِ ہفتہ اکٹھا گزارنا شروع کر دیا۔

اس امتحان کا نتیجہ جلد ہی نکل آیا جب مائے کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے استاد کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ اس نے اپنے تعلقات کے بارے میں اپنے خاوند جیوفری کو بھی آگاہ کر دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ نارمن کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ امریکن معاشرے میں یہ کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی۔ وہاں تو ہر گھر کا یہی المیہ ہے۔ بعض ماؤں کے تعلقات تو اتنے مردوں کے ساتھ ہوتے ہیں کہ ان کو یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ ان کے ہونے والے بچے کا اصلی باپ کون ہے؟ انہیں بچے کی پیدائش کے بعد ڈی۔ این۔ اے (D.N.A) ٹیسٹ کرانا پڑتا ہے تا کہ اصلی باپ کا پتہ چل سکے اور وہ اس سے بچے کا خرچہ لے سکیں۔

جیوفری نے بڑی عظمت اور بڑائی کا ثبوت دیا۔ اس نے مائے کو کہا۔ "میں تمہیں یہ تو نہیں کہوں گا کہ میرے گھر سے نکل جاؤ اور اپنے بوائے فرینڈ کے پاس جا کر رہو، لیکن اب تم میرے بستر پر سونے کی حقدار نہیں ہو۔ تم جانا چاہو تو بچوں کو اور مجھے چھوڑ کر جا سکتی ہو۔ اگر اس گھر میں رہنا ہے تو تمہیں ہال کمرے میں صوفے پر سونا ہوگا"۔

اب مائے گذشتہ 14 سال سے صوفے پر سو رہی ہے۔ مائے کا نیا بچہ ہو بہو اس کے بوائے فرینڈ کا ہمشکل ہے۔ جواب 13 سال کا ہو چکا ہے۔ جیوفری اس بچے سے بھی اپنے دوسرے بچوں کو طرح پیار کرتا ہے۔ سٹیون جیوفری کو ڈیڈی کہہ کر بلاتا ہے۔ جیوفری کے ساتھ ہی اس کے بیڈ پر سوتا ہے۔ جیوفری اور نارمن ایک دوسرے سے دوستوں کی طرح ملتے تھے۔ نہ کوئی شکوہ نہ شکایت۔ میرے پاکستان آنے تک نارمن اپنے جگر کے اپریشن کے لیے ہسپتال میں داخل تھا۔ اس کے جگر کا ٹرانسپلانٹ ہونا تھا۔

ایک ماہ پہلے مجھے مائے نے فون کر کے نارمن کے انتقال کی خبر دی۔

میری دونوں، جیوفری اور نارمن، سے قیام امریکہ کے دوران اکثر ملاقاتیں ہوتی

Marfat.com

رہیں۔ کبھی کوئی ایک دوسرے یا مائے کے خلاف حرف شکایت زبان پر نہیں لایا۔ گذشتہ سال مائے اور جیوفری نے ایک دفعہ مجھے ناشتے پر مدعو کیا۔ میں نے ماہِ رمضان کی وجہ سے معذرت کر لی۔ جیوفری نے مجھے بتایا کہ اس کے ساتھ دو مسلمان کام کرتے ہیں۔ دونوں فاسٹنگ کرتے ہیں۔ اس نے میرے فاسٹنگ کرنے (روزہ رکھنے) کی تعریف کی۔

ایک رات کو شدید بارش ہو رہی تھی کہ 11:30 بجے کے قریب مائے دو خواتین، ایک سفید اور ایک ادھیڑ عمر سیاہ فام کے ساتھ سٹور میں آئی اور آتے ہی کہنے لگی۔ ''ابراہام! آج آپ کو تین کافی بنانی پڑے گی۔ میری دو کولیگ بھی میرے ساتھ ہیں جنہیں میں نے ان کے گھروں پر ڈراپ کرنا ہے۔ کیونکہ باہر موسم بہت خراب ہے''۔ پھر اس نے میرا ان سے اور ان کا مجھ سے تعارف کرایا۔

میرے بارے میں ان کو بتایا۔ ''یہ مسٹر براہام ہیں، میرے ہسبنڈ، میرے بوائے فرینڈ اور سب سے بڑھ کر میرے بہت اچھے دوست ہیں''۔

کالی نے، جس کا نام بعد میں مائے نے ماما جو (Mamajoe) بتایا آنکھ میٹ کر لقمہ دیا۔

''ہینڈسم اور سیکسی بھی'' (Handsome And Sexy Too)

''یو شٹ اپ (You Shut Up) اس طرح کا دوست نہیں''۔ مائے نے اس کا منہ بند کرنے کی کوشش کی۔ پھر ماما جو کے بارے میں بتایا کہ ''یہ میری اسسٹنٹ اور بہت بہت اچھی دوست ہے۔ بے حد منہ پھٹ اور زندہ دل بھی۔ سارے سٹاف اور کسٹمرز میں بے حد مقبول ہے۔ سٹاف کی تمام لڑکیوں کے معاشقوں کی کہانیاں خود ان سے زیادہ ماما جو کو معلوم ہوتی ہیں''۔ ماما جو نے مائے کی ہپ (Hip) پر ایک زوردار دھپڑ مار کر مسکراتے ہوئے کہا۔ (You Bitch) ''چپ کتیا''۔

دوسری سفید فام خاتون جس کے بال اور آنکھیں گہری سیاہ تھیں اور جسم ذرا فربہ تھا کے بارے میں مائے نے بتایا۔ ''یہ الزبتھ بارگوبج ہے اور یہ حال ہی میں لاٹری ویزا پر ''رومانیہ'' سے آئی ہیں۔ انگریزی Yes-No سے زیادہ نہیں جانتی انگریزی زبان نہ جاننے کی وجہ سے کوئی سٹور یا ریسٹوران اسے نوکری دینے پر تیار نہ تھا۔ میں نے اسے ریسٹوران اور برتنوں کی صفائی کے لیے جاب دے دی ہے۔ کیونکہ مجھے اپنا ماضی یاد آ گیا

Marfat.com

کہ جب میں نئی نئی امریکہ آئی تھی تو انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے مجھے بھی بہت دھکے کھانے پڑے تھے اور ذلت اٹھائی تھی۔

الزبتھ نے مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور اپنی ''رومانوی'' زبان میں اپنے بارے میں بتانا شروع کیا تو میں نے محسوس کیا اس کی زبان جرمن زبان سے بہت ملتی جلتی ہے اور میں اچھی طرح اس کی باتیں سمجھ سکتا ہوں۔ میں نے ٹوٹی پھوٹی جرمن زبان میں اس سے مختصر بات چیت کی تو بہت خوش ہوئی۔ اب ہمیں اجنبی زبان میں بات چیت کرتے دیکھ کر مائے اور ''ماماجو'' بڑی حیرانگی سے ہمیں دیکھ رہی تھیں۔ آخر ماماجو سے صبر نہ ہو سکا۔ اس نے اپنا گرما گرم کافی کا کپ مائے کے گال سے لگا کر کہا۔! ''مائے! ہوشیار ہو جاؤ، الزبتھ تمہارے بوائے فرینڈ کو لے اُڑے گی''۔ مائے نے جواب میں انگریزی میں اسے موٹی سی گالی دی۔

الزبتھ کا دل تو چاہتا تھا کہ مجھ سے باتیں کیے جائے۔ شاید مدت کے بعد امریکہ میں کوئی اس کی زبان سمجھنے والا ملا تھا، لیکن مائے نے اس کا ہاتھ پکڑا اور تقریباً کھینچتی ہوئی اسے یہ کہتے ہوئے سٹور سے باہر لے گئی کہ ''مجھے گھر پہنچنے میں دیر ہو رہی ہے اور باہر موسم بھی خراب ہے''۔

گھر پہنچنے میں دیر کا تو صرف ایک بہانہ تھا۔ وہ شاید اس شک میں مبتلا ہو گئی تھی جس کا اظہار مذاق کے طور پر ماماجو نے کیا تھا، ورنہ اس سے قبل تو مجھ سے گپیں ہانکتے اور اپنی زندگی کی رام کہانی سناتے ہوئے میرے پاس کئی کئی گھنٹے گزار دیا کرتی تھی۔ اسے گھر پہنچنے کے لیے دیر سویر کی کبھی پرواہ نہیں ہوتی تھی کیونکہ اس پر کسی کی کوئی پابندی نہ تھی۔ سب امریکن عورتوں کی طرح اپنے ذاتی معاملات میں وہ بھی آزاد و خودمختار تھی۔

شادی میں شرکت

ایک رات میں نے مائے کو بتایا کہ ہفتہ، اتوار کی درمیانی شب کو میں ڈیوٹی پر نہیں آؤں گا کیونکہ میں نے اپنے ایک دوست کی بیٹی کی شادی میں شرکت کے لیے منٹگمری کاؤنٹی (Gaithesburg) جانا ہے۔ اب مائے میرے سر ہو گئی کہ وہ پاکستانی شادی دیکھنا چاہتی ہے اور میں ضرور اسے ساتھ لے کر جاؤں۔ میں نے بہت ٹالنے کی کوشش کی

Marfat.com

لیکن اگلی رات اس نے بتایا کہ اس نے ہفتے کے روز کی چھٹی لے لی ہے اور وہ میرے ساتھ جائے گی۔

میں نے اپنے دوست مقصود احمد کو گیتھرز برگ (Gaithersburg) منٹگمری کاؤنٹی، فون کیا اور پوچھا کہ اگر میرے ساتھ ایک اور مہمان آجائے تو انہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟ مقصود نے کہا۔ ''بھائی جان! آپ ایک چھوڑ دس مہمان لے آئیں۔ ہمیں خوشی ہوگی۔ ہمارا انتظام بہت وسیع ہے''۔

گیتھرز برگ بالٹی مور کے جنوب مغرب میں 51 میل اور واشنگٹن، ڈی، سی کے شمال میں 21 میل کے فاصلے پر منٹگمری کاؤنٹی (میری لینڈ) میں واقع ہے۔ منٹگمری کاؤنٹی (میری لینڈ) میں امریکہ کے امیر ترین لوگ رہتے ہیں، جن لوگوں کے دفاتر، کاروبار اور بزنس امریکی دارالحکومت واشنگٹن ڈی، سی میں ہیں ان سب کی رہائش گاہیں بیلٹ وے کے دوسری طرف منٹگمری کاؤنٹی میں ہیں۔ لوگ صبح اپنے دفاتر اور کاروبار کے لیے واشنگٹن آتے ہیں اور شام کو شہر چھوڑ کر واپس چلے جاتے ہیں۔ امریکہ کے دارالخلافہ پر رات کو مکمل طور پر کالوں کا راج ہوتا ہے، واشنگٹن کا تو میئر (Mayor) بھی ہمیشہ کوئی نہ کوئی کالا ہی ہوتا ہے۔

گیتھرز برگ، منٹگمری کاؤنٹی کا ایک بہت خوبصورت، صاف ستھرا اور پُر فضا قصبہ ہے۔ میرے دوست مقصود احمد اور ان کے چھوٹے بھائی محبوب احمد عرصہ دراز سے وہاں رہتے ہیں۔ ان کے دوسرے عزیز و اقارب بھی قرب و جوار میں ہی ہیں اور وہاں ان کا وسیع خاندان آباد ہے۔

مقصود تو مجھے ملنے کے لیے کئی دفعہ بالٹی مور آچکا تھا لیکن میں کبھی گیتھرز برگ نہیں گیا تھا۔ صرف ٹیلیفون پر ہی ان کی خیر خیریت معلوم ہوتی رہتی تھی۔ اب ان کی بیٹی کی شادی تھی تو وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ خود مجھے کارڈ دینے آئے اور بہت زیادہ تاکید کہ میں ضرور شرکت کر کے بچی کو اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کروں۔ مقصود کا تعلق سمن آباد، فیصل آباد سے ہے اور ہماری دوستی بہت پرانی ہے۔

ہفتے کی شام کو مائے اپنی گاڑی لے کر میرے گھر آئی۔ روانگی سے قبل میں نے اسے مشورہ دیا کہ گیس سٹیشن سے روڈ میپ لے لیتے ہیں، راستہ ڈھونڈنے میں آسانی رہے گی

Marfat.com

لیکن اس نے فخر سے بتایا کہ وہ گذشتہ 33 سال سے اس علاقے کی سڑکیں ناپتی رہی ہے اور علاقے کے چپے چپے سے واقف ہے۔

واشنگٹن بیلٹ وے پر پہنچ کر اس نے غلط موڑ کاٹ لیا اور ہم گیتھر زبرگ کی بجائے ورجینیا کی طرف نکل گئے۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد جب ہمیں گیتھر زبرگ کا کوئی سائن نظر نہیں آیا تو میں نے اسے مشورہ دیا کہ کسی گیس سٹیشن پر گاڑی روک کر معلومات حاصل کر لے، کیونکہ میرا اندازہ ہے کہ ''حسب معمول راستہ بھول گئی ہو''۔ وہ بھی اب مجھے کچھ پریشان نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ آگے جا کر جہاں ہمیں ایکسان گیس سٹیشن کا سائن نظر آیا۔ ہم نے گاڑی ادھر موڑ لی۔ میں گاڑی سے اتر کر گیس سٹیشن کے اندر گیا اور کاؤنٹر پر موجود ایک مرد اور ایک خاتون، جو اتفاق سے دونوں پاکستانی تھے سے گیتھر زبرگ پہنچنے کا راستہ معلوم کیا۔ خالد (ان کا نام ان کے بیج پر موجود تھا) کیبن سے باہر آ کر خلوص سے ملے اور پھر اچھی طرح مجھے اور مائے کو گیتھر زبرگ پہنچنے کا راستہ ذہن نشین کرایا۔ وہاں سے ہمیں بیس پچیس میل واپس آنا پڑا۔ جب واپس بیلٹ وے پر چڑھ کر بالٹی مور کی طرف سفر شروع کیا تو گیتھر زبرگ کا سائن نظر آنا شروع ہو گیا۔ اب ہم نے درست راستہ پکڑا لیکن گیتھر زبرگ کے قریب پہنچ کر پھر غلط موڑ کاٹ لیا۔ پھر ایک گیس سٹیشن سے رہنمائی حاصل کی۔ ساتھ ساتھ سیل فون پر مقصود کے ساتھ بھی رابطہ قائم رکھا۔ چنانچہ مقصود کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے رات 8:30 بجے ہوٹل پہنچ گئے۔ ہال تقریباً دواڑھائی سو مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ مہمانوں میں 40/50 گورے گوریاں اور باقی سب پاکستانی مرد وخواتین اور بچے تھے۔

مقصود نے ہمیں ہال کے دروازے پر روک لیا اور اشارے سے شادی کی ویڈیو بنانے والے کو بلایا، جنہوں ہمارے ہال میں داخل ہونے سے لے کر ہماری نشست پر بیٹھنے تک کی کوریج کی۔ ہماری خواتین ماشاءاللہ اپنے زرق برق لباس، سونے کے بھاری بھرکم زیورات اور بناؤ سنگھار سے محفل کو چار چاند لگا رہی تھیں۔ مائے پاکستانی کپڑوں اور عورتوں کے خالص سونے کے گہنوں سے بہت مرعوب و متاثر ہوئی، اس نے زندگی میں عورتوں کو کبھی اس قدر سونا پہنے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ امریکن عورتوں کے پاس زیادہ سے زیادہ ایک دو ڈائمنڈ یا 10/14 کیرٹ سونے کے بندے ہوتے ہیں۔ 18 کیرٹ یا 24 کیرٹ سونے کا امریکہ میں تصور ہی نہیں ہے۔ نہ امریکن اکثریت کے پاس اتنے پیسے

Marfat.com

ہوتے ہیں کہ ہماری خواتین کی طرح بھاری بھرکم کئی کئی درجن چوڑیاں، کانٹے، ٹیکے، جھومر یا سونے کی چینیں خرید سکیں۔ شادی میں شامل ہر پاکستانی خاتون نے کم از کم آدھا کلو سونا پہنا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ چھوٹی بچیاں اور نوجوان لڑکیاں بھی زیورات سے لدی پھندی نظر آ رہی تھیں۔ لباس تو گویا ایک سے ایک بڑھ کر پہن رکھا تھا۔

مائے بار بار مجھ سے پوچھ رہی تھی۔ ''کیا یہ سب سونا اصلی ہے؟'' اور میں اسے یقین دلا رہا تھا کہ نہ صرف اصلی بلکہ پورا 24 کیرٹ ہے''۔ وہ ہر عورت کو بڑی حیرانی اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

ایک سکھ کا بینڈ پنجابی دھنیں بجا رہا تھا اور ہمارے نوجوان لڑکے اپنے گورے دوستوں کے ساتھ مل کر بھنگڑا ڈال رہے تھے۔ ساتھ ساتھ ہلکے پھلکے سنیکس اور مشروبات کا دور بھی چل رہا تھا۔ رنگ برنگ کپڑوں میں ملبوس بچوں نے اپنا اودھم مچایا ہوا تھا۔ غرضیکہ کسی تقریب میں اتنی گہما گہمی مائے نے پہلی بار دیکھی تھی۔

یہاں یہ عرض کرتا چلوں کہ امریکن اپنی شادی کی تقریبات میں بلائے گئے مہمانوں کو بچوں کو ہمراہ لانے سے پیشگی منع کر دیتے ہیں۔ بعض تو کارڈ میں یہ بھی لکھ دیتے کہ مہمان ڈنر کے کھانے کے اخراجات میں میزبان کو ایک مقررہ رقم پیش کریں یا خاص مالیت کا تحفہ لے کر آئیں۔

رات 10 بجے کے قریب دلہن کو ہال میں بنی سٹیج پر لایا گیا تو وہ سر سے پاؤں تک زیورات سے لدی ہوئی تھی اور لباس تو ایسا خوبصورت کہ مائے کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ مجھ سے پوچھنے لگی۔

''ابراہام! لڑکی کے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آیا کہ اس نے اتنا زیادہ زیور خرید لیا؟''

میں نے اسے بتایا کہ ''یہ سارا زیور اس کے والدین نے اسے گفٹ کیا ہے۔ ہم شادی کے وقت اپنی بیٹیوں کو بے شمار زیور اور درجنوں جوڑے کپڑوں کے علاوہ گھر کے استعمال کی ہر چیز بھی دیتے ہیں تاکہ اسے اپنے گھر جا کر کسی چیز کو خریدنا نہ پڑے''۔

وہ بہت حیران ہوئی۔ ''ہم تو ایسا نہیں کرتے۔ لڑکی کو اپنی شادی کا تمام خرچہ خود اٹھانا پڑتا ہے''۔

میں نے جواب دیا۔ ''اسی لیے تو اب شادی کی بجائے امریکن لڑکے لڑکیاں بوائے

Marfat.com

فرینڈ اور گرل فرینڈ بن کر رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ تمہاری بیٹی بھی تو اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ رہ رہی ہے"۔

"میرے منجھلے بیٹے جان نے تو حال ہی میں شادی کی ہے"۔ اس نے بتایا۔

"کیا اس نے تمہیں شادی میں بلایا تھا؟" میں نے پوچھا۔

مائے نے جواب دیا۔ "ہاں! بلایا تو تھا، لیکن تمام تقریب کے دوران اس نے صرف ایک بار مجھے "ہائے ماں" کہہ کر بلایا، ورنہ اس کی تمام ترجہ اپنے سسرال پر ہی رہی"۔

"کیا جان نے اپنے ڈیڈی اور دادا دادی کو نہیں بلایا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں! ان کو بلایا تھا۔ میری نسبت ان کی طرف جان نے زیادہ توجہ دی تھی۔ مجھے تو تقریب کے دوران اس نے اگنور ہی رکھا۔ جس کی وجہ سے مجھے تو رونا آ گیا تھا اور میں جلدی واپس آ گئی تھی"۔

"کیا تم نے جان یا اس کی دلہن کو کوئی تحفہ دیا تھا؟"

"جان نے شادی سے ایک مہینہ پہلے مجھ سے فرمائش کی تھی کہ میں اس کی دلہن کے لیے ایک ویتنامی سوٹ بنوادوں چنانچہ میں نے چار سو ڈالر خرچ کر کے ایک بہترین سوٹ بنوا کر دیا لیکن اس نے یا اس کی دلہن نے سوٹ کی قیمت ابھی تک مجھے ادا نہیں کی"۔

"اور جان نے اپنی ماما کو شادی کے موقع پر کوئی گفٹ دیا؟" میرا اگلا سوال تھا۔

"ہرگز نہیں۔ بلکہ میرے ڈنر کا بل بھی میرے ہسبنڈ یعنی جان کے ڈیڈی نے ادا کیا تھا"۔

اتنے میں کھانا لگ گیا اور مہمانوں سے درخواست کی گئی کہ وہ ڈائننگ ہال میں تشریف لے جائیں۔ بے شمار قسم کے لذیذ پاکستانی کھانے میزوں پر چنے گئے تھے۔ ان کھانوں کی اشتہاء انگیز خوشبو پورے ڈائننگ ہال میں پھیلی ہوئی تھی۔ بکرے کی بھنی ہوئی رانیں، قورمہ، زردہ، پلاؤ، تلی ہوئی مچھلی اور روسٹڈ چکن، روغنی نان اور قسم قسم کی میٹھی ڈشیں مہمانوں کے کام و دہن کی لذت کے لیے تیار تھیں۔ خیال رہے پاکستانی کھانے اب امریکن گوروں اور کالوں میں یکساں مقبول ہیں اور پاکستانی ریستورانوں اور ہوٹلوں میں لنچ اور دفتر کے اوقات میں تل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی۔ مہمانوں کو کسی خالی ٹیبل کے لیے کافی انتظار کرنا پڑتا ہے۔

Marfat.com

اتنے زیادہ کھانوں کو دیکھ کر مائے پوچھنے لگی۔

"کیا ہمیں اس ڈنر کا بل بھی ادا کرنا پڑے گا؟"

"نہیں یہ سارا اہتمام دلہن کے والدین کی طرف سے کیا گیا ہے"۔ میں نے بتایا۔ اس کے ذہن میں تو صرف امریکن سسٹم گھسا ہوا تھا کہ مہمانوں کو کھانے کا بل بھی اپنی جیب سے ادا کرنا پڑتا ہے۔

"ان کے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آیا کہ دلہن اور دولہا کو زیور اور کپڑے بھی دیتے ہیں اور کھانے کا بل بھی خود ادا کرتے ہیں؟"

میں نے وضاحت کی۔ "ہمارے ہاں جب بیٹی پیدا ہوتی ہے تو والدین اسی وقت سے بیٹی کی شادی کے لیے پیسہ جمع کرنا شروع کر دیتے ہیں، بیٹی کی تعلیم و تربیت اور بچوں کی شادیوں کے تمام اخراجات والدین برداشت کرتے ہیں۔ بلکہ ہمارے ملک میں تو جو لوگ ذرا خوشحال اور امیر ہوتے ہیں وہ بیٹی اور داماد کو شادی کے وقت گھر، کار، فرنیچر، بیڈ، قالین، کچن کا سامان ٹیلیویژن، ریفریجریٹر، ڈیپ فریزر اور ائیر کنڈیشن تک دیتے ہیں"۔

مائے میری باتیں ایسی سن رہی تھی جسے میں اسے کوئی افسانہ سنا رہا ہوں۔ کھانے کے بعد اکثر مہمان، میزبانوں کا شکریہ ادا کر کے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ اب آدھی رات ہو چکی تھی میں نے بھی مقصود سے اجازت چاہی تو کہنے لگا۔

"بھائی جان آپ کمال کرتے ہیں۔ ابھی تو آپ نے بیٹی کو رخصت کرنا ہے۔ پھر ہم نے آپ کی رہائش کا پہلے سے ہی بندوبست کیا ہوا ہے۔ آپ آرام سے بیٹھیں اور گھر کی خواتین کو بیٹی کی رخصتی کی رسمیں ادا کرنے دیں"۔

اب مائے بڑی دلچسپی سے رخصتی کی رسمیں اور بیٹی کو اس کے والدین کی طرف سے جہیز میں جو کچھ دیا گیا تھا، دیکھ رہی تھی۔ دلہن کو والدین کے علاوہ رشتہ داروں اور عزیز و اقارب کی طرف سے بھی بے شمار قسم کے زیورات، کپڑے اور قیمتی تحائف دیئے جا رہے تھے۔ اس کے علاوہ سلامی کے طور پر دولہا دلہن دونوں کو نقد رقوم بھی پیش کی جا رہی تھیں۔ دونوں کے سامنے تپائی پر ڈالروں کا اچھا خاصا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ مائے کو یہ سب کچھ بڑا عجیب اور انوکھا لگ رہا تھا۔

رات گئے دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ بیٹی کو رخصت کر کے مقصود کے گھر

Marfat.com

پہنچے۔اس نے اپنے بھائی کے گھر ہماری شب بسری کا بہترین انتظام کررکھا تھا۔دو بیڈروم۔ ہر قسم کے ساز وسامان سے آراستہ ہمارے لیے تیار کرر کھے تھے۔خوب مزے کی نیند آئی۔

اگلی صبح کو ہمارا ناشتہ میرے پیارے دوست منظور کی طرف (Hyatt Ville) ہیت ویلیج میں تھا۔چنانچہ ہم گھر والوں کو سوتا چھوڑ کر منظور کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔رات کو میں نے مقصود کو اس بارے میں بتا دیا تھا۔

تقریباً 40 منٹ میں ہم منظور کے گھر وارنر ایوینیو (Warner Avenue) ہیت ویلیج پہنچ گئے، جو واشنگٹن ڈی سی کے نواح میں شمال مشرق کی طرف واقع ہے۔بھابی نسیم، منظور اور ان کا چھوٹا بیٹا وقار بڑے خلوص، پیار اور محبت سے ملے۔بھابی نسیم اور مائے تو ناشتہ تیار کرنے کے لیے کچن میں گھس گئیں اور ہم مرد حضرات ٹی وی لاؤنج میں گپیں ہانکنے میں مصروف ہو گئے۔ہم جتنی دیر منظور کے گھر ٹھہرے، مائے بھابی نسیم کو گزشتہ رات کی شادی کا حال احوال ہی بتاتی رہی اور آخر میں بھابی سے فرمائش کر دی کہ "ابراہام کو کہو کہ جب پاکستان جائے تو مجھے بھی ساتھ لے جائے۔میں پاکستان کے خوبصورت لوگوں، رسم و رواج اور کلچر کو قریب سے دیکھنا چاہتی ہوں"۔بھابی نسم نے پنجابی میں مجھے بتایا تو میں نے بھابی سے کہا۔"جب آپ پاکستان جائیں تو اسے ساتھ لیتی جائیں۔اس کا آنے جانے کا کرایہ میں دے دوں گا۔میں اسے اپنے ساتھ لے جا کر اپنے گھر سے بے دخل نہیں ہونا چاہتا"۔

بھابی نے اسے اپنے ہمراہ پاکستان کی سیر کرانے کا وعدہ کر لیا ہے۔دونوں بہت اچھی سہیلیاں بن گئی ہیں۔میرے پاکستان آنے کے بعد اکثر دونوں کے اکٹھے فون آتے رہتے ہیں۔کیونکہ مائے اپنے اکثر ویک اینڈ (Week End) بھابی نسیم کے پاس آ کر ہی گذارتی ہے۔

چوتھا بیٹا

دسمبر میں بڑا بیٹا سعید طاہر، انگلینڈ سے مجھے ملنے کے لیے امریکہ آیا تو مائے نے اپنے کام سے ایک ہفتے کی چھٹی لے کر اسے بالٹی مور، واشنگٹن ڈی سی اور نیویارک کی خوب سیر کرائی۔وہ سعید کی ذہانت، اخلاق، علمی قابلیت سے اتنی متاثر و مرعوب ہوئی کہ اسے اپنا بیٹا بنا

Marfat.com

لیا۔ وہ اپنے دوستوں، ملنے جلنے والوں اور اپنے بچوں کو بھی بڑے فخر سے بتاتی کہ سعید اس کا چوتھا بیٹا ہے۔ سعید نے بھی اسے ماں جیسی عزت اور ریسپیکٹ (Respect) دی۔

اس کے بعد سعید ایک دفعہ اپنی فیملی (بیوی اور دو بیٹے) کے ساتھ امریکہ آیا۔ مائے نے ہر دفعہ انہیں خوب سیر سپاٹا کرایا۔ وہ بڑے افسوس اور دل گرفتگی سے بتایا کرتی تھی کہ اس کے بچے اس کی بالکل عزت اور ریسپیکٹ نہیں کرتے۔ وہ سعید کو مشورہ دیا کرتی تھی کہ تم انگلینڈ میں ہوٹل یا ریسٹوران کھول لو تو میں تمہارے پاس آجاؤں گی اور بطور کک یا منیجر کام کروں گی اور اپنی تمام بقایا زندگی تمہارے پاس ہی گذاروں گی۔

بیٹے سعید نے اگرچہ انگلینڈ کے شہر برمنگھم کے نواحی علاقے ویسٹ مڈلینڈ میں 2003ء میں اپنی پراپرٹی خرید کر وہاں بڑا ریسٹوران کھولا جو اللہ کے فضل و کرم سے نہایت کامیابی سے چل رہا ہے۔ اس نے یہ خوشخبری ٹیلیفون پر مائے کو بھی سنائی اور اسے انگلینڈ آنے کی دعوت بھی دی لیکن وہ انگلینڈ آنے کے لیے ہوائی جہاز کا کرایہ بھی جمع نہیں کر سکی۔ اس نے تو تیس سال قبل امریکن شہریت حاصل کرنے کے بعد اب تک امریکن پاسپورٹ تک نہیں بنوایا تھا۔ میں نے بیٹے سعید کی فرمائش پر پاکستان واپسی سے قبل اسے امریکن پاسپورٹ بنوا دیا تھا، تاکہ وہ جب کبھی انگلینڈ آنا چاہے تو اسے کوئی پریشانی نہ ہو۔

الزبتھ

ایک روز الزبتھ اپنے کام سے چھٹی کر کے میرے گیس سٹیشن پر آئی اور اپنی زبان میں کہنے لگی کہ اسے ڈرائیونگ لائسنس بنوانے کے لیے MVA (موٹر وہیکل اتھارٹی) کے دفتر جانا ہے اور اسے کسی ترجمان کی ضرورت ہے۔ ڈرائیونگ ٹیسٹ تو آسانی سے پاس کر لے گی کیونکہ وہ رومانیہ اور سعودیہ میں کئی سال تک ڈرائیونگ کرتی رہی ہے لیکن تحریری ٹیسٹ، انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے، پاس کرنا اس کے لیے، ترجمان کے بغیر، ناممکن ہے۔ میں نے اس سے وعدہ کر لیا کہ صبح 8 بجے میرے گیس سٹیشن پر آجائے میں اس کے ساتھ MVA آفس چلا چلوں گا۔

اگلے روز وہ 7:45 بجے میرے گیس سٹیشن پہنچ گئی کیونکہ اس کا اپارٹمنٹ کوئی 10/12 منٹ کی پیدل مسافت پر تھا۔ وہ میرے لئے گھر سے ناشتہ بھی تیار کر کے لائی تھی

Marfat.com

جو ہم نے اکٹھے بیٹھ کر گیس سٹیشن پر کھایا۔ پھر میری گاڑی میں MVA آفس کی طرف چل پڑے جو وہاں سے 6/7 میل کے فاصلے پر Essex کے علاقے میں واقع تھا۔

راستے میں باتوں باتوں میں اس نے بتایا کہ "وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور پٹرو کیمیکل میں بوڈاپسٹ یونیورسٹی سے PHD ہے۔ کچھ عرصہ ایک رومن کمپنی کے کنسلٹنٹ کے طور پر سعودیہ میں بھی رہی ہے۔ اس کا خاوند بھی انجینئر تھا جس کا چند سال قبل ٹریفک کے ایک حادثے میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے دو بچے ہیں لڑکا شادی شدہ اور ایک بچے کا باپ ہے جبکہ بیٹی بوڈاپسٹ میں ڈینٹل سرجن ہے۔ وہ لاٹری ویزے پر امریکہ آئی ہے اور گرین کارڈ ہولڈر ہے۔ انگریزی سیکھنے کے لیے چھٹی کے روز سکول جاتی ہے۔ امریکن سٹیزن شپ ملنے پر اپنے بچوں کو بھی امریکہ بلانے کے لیے سپانسر کرے گی"۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ رومن کیتھولک عیسائی ہے۔

MVA دفتر پہنچ کر میں نے اس کا فارم بھرا۔ پھر تحریری ٹیسٹ کے وقت کمپیوٹر پر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کمپیوٹر پر اشارات کے صورت میں سوالات آتے جاتے ہیں جن کا مقررہ وقت 15 منٹ میں یس اور نو میں جواب دینا ہوتا ہے۔ نتیجہ ممتحن کے سامنے لگے کمپیوٹر کی سکرین پر ریکارڈ ہوتا رہتا ہے اور سوال / جواب ختم ہوتے ہی نتیجہ آپ کے ہاتھ میں تھما دیا جاتا ہے۔ کامیابی کی صورت میں ڈرائیونگ ٹیسٹ کی تاریخ دے دی جاتی ہے۔ ناکامی کی صورت میں ایک ہفتے بعد دوبارہ بلایا جاتا ہے۔

خوش قسمتی سے الزبتھ نے میری مدد سے پہلی ہی کوشش میں امتحان پاس کر لیا۔ جس پر بہت خوش ہوئی۔ ڈرائیونگ ٹیسٹ کی تاریخ لے کر ہم واپس آئے تو تمام راستے میرا شکریہ ادا کرتی رہی۔

بعد میں ڈرائیونگ ٹیسٹ اس نے خود ہی پاس کر کے ڈرائیونگ لائسنس حاصل کر لیا۔ میرے پاکستان واپس آنے تک وہ اتنے پیسے جمع نہیں کر سکی تھی کہ اپنی گاڑی خرید سکے۔

ایک دفعہ وہ اپنے بچوں سے ملنے رومانیہ گئی تو واپسی پر میرے لیے بے شمار تحفے تحائف لے کر آئی۔ دوسری دفعہ جب وہ رومانیہ گئی تو 9/11 کا حادثہ پیش آ گیا۔ اسے مقررہ تاریخ تک واپس آنے میں تاخیر ہو گئی اور کمپنی نے اس کا جاب ختم کر دیا۔ کافی دیر

Marfat.com

کے بعد جب فضائی سروس دوبارہ بحال ہوئی اور وہ واپس آئی تو Popyee والوں نے اسے کام پر واپس لینے سے انکار کر دیا۔ اس دوران مائے بھی یہاں سے تبدیل ہو کر کہیں اور جا چکی تھی۔ ریسٹوران کا نیا مینجر مسٹر "زی" (Zee) اکثر میرے پاس کافی پینے یا سگریٹ وغیرہ خریدنے آیا کرتا تھا۔ میں نے اسے کہہ سن کر الزبتھ کو دوبارہ اس کے جاب پر بحال کرا دیا۔ اس نے کچن کا کام بھی کافی حد تک سیکھ لیا تھا۔ اب صفائی کے علاوہ کچن میں بھی کام کرنے لگی تھی، لیکن اس کی انگریزی میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی تھی۔ شاید ادھیڑ عمری میں کوئی نئی زبان سیکھنا ویسے ہی مشکل ہوتا ہے۔

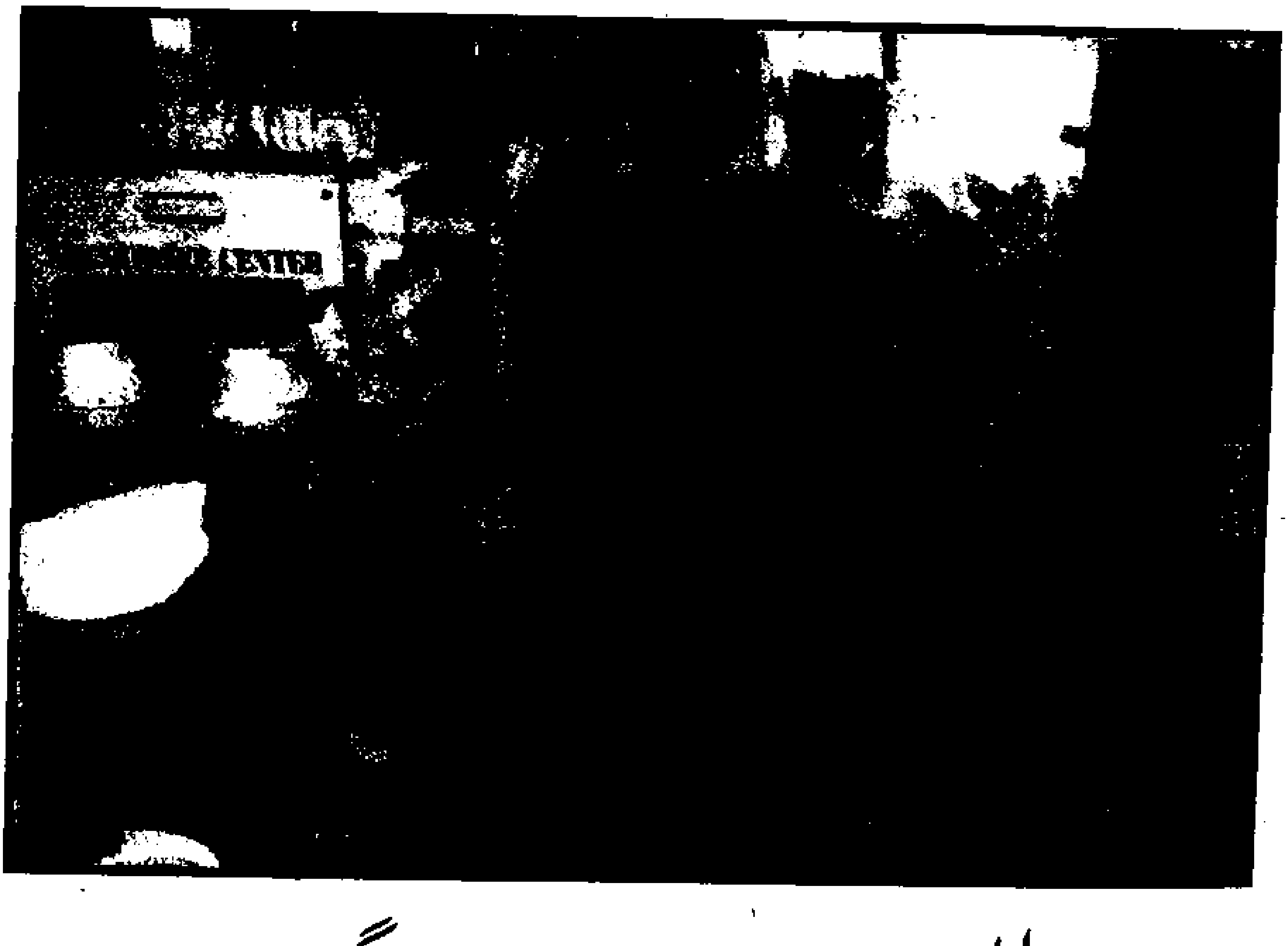

بالٹی مور 2002ء مصنف اپنے گھر میں

Marfat.com

مہربان کیسے کیسے

میرے ڈنڈاک (Dundalk) والے پٹی بھائی کے ایکسان گیس سٹیشن پر جاب سنبھالنے سے پہلے ہی مس جوئیلا میک گیس سٹیشن کی ایک ریگولر کسٹمر تھی اور اکثر پرانے پاکستانی کیشئر سے گپ شپ لگایا کرتی تھی۔ وہ پیدائشی سفید فام امریکن تھی اور کبھی کبھی اپنی 93 سالہ ماما کو بھی ہمراہ لے آتی تھی۔ لیکن اس کی ماما عموماً گاڑی میں بیٹھی رہتی تھی کیونکہ ضعیف العمری کی وجہ سے اس کے لیے چلنا پھرنا قدرے دشوار تھا۔

مس میک کی اپنی عمر بھی 70 سال سے کچھ اوپر تھی جسم فربہ اور بھدا، گوڈوں گٹوں میں ہر وقت درد کی شکایت، ڈاکٹروں کی بھاری فیسوں، ادویات کی مہنگائی اور یوٹیلیٹی بلوں میں آئے دن اضافے کا رونا ہر وقت روتی رہتی تھی۔ اسے انڈین اور پاکستانی لوگ بہت پسند تھے اور ان کے مشترکہ کنبے سے بہت متاثر تھی۔ پاکستانی، انڈین کھانے اور کپڑے بھی اسے بہت پسند تھے۔ وہ کسی انڈین ڈاکٹر کے ہسپتال میں نرس تھی اور ہسپتال کی ڈیوٹی کے بعد چند گھنٹے ڈاکٹر کی دو چھوٹی بچیوں کی آیا گیری بھی کیا کرتی تھی۔ اسے اپنے ذاتی اخراجات مثلاً اپارٹمنٹ کا کرایہ، یوٹیلیٹی بلز، علاج معالجے، گاڑی کی انشورنس، دیکھ بھال اور گیس (پٹرول) کے اخراجات پورے کرنے کے لیے اس ادھیڑ عمر میں بھی دو جگہ کام کرنا پڑتا تھا۔

سردیوں کی ایک رات کو مس میک کوئی دس بجے کے قریب گاڑی میں گیس ڈلوانے آئی تو حسبِ معمول مجھ سے باتیں کرنے لگی۔ باتیں کرتے کرتے اچانک اس نے رونا شروع کر دیا۔ میں سمجھا کہ میں چونکہ نیا ہوں، شاید میرے منہ سے کوئی غلط بات نکل گئی

Marfat.com

ہے۔جس سے اس کو صدمہ پہنچا ہے۔

میں نے کہا۔"مس میک! اگر میری کسی بات سے آپ کو دکھ پہنچا ہے تو میں معذرت خواہ ہوں"(I Am Sorry! If I Have Hurt You)

"نو! نو! مسٹر طاہر! تم بہت اچھے ہو کہ میری بے سروپا باتیں بڑے صبر سے سنتے رہتے ہو۔دراصل مجھے دل کی تکلیف ہے اور ڈاکٹروں نے اوپن ہارٹ سرجری کا مشورہ دیا ہے۔پتہ نہیں میں آپریشن ٹیبل سے زندہ واپس بھی آسکوں گی یا نہیں"۔

میں نے اسے حوصلہ دیا اور کہا۔"مس میک! حوصلہ رکھو، تم بالکل ٹھیک اور صحت مند ہو کر میرے پاس واپس آؤ گی"۔

اس روز اس کی آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ تمام دن روتی رہی ہے۔آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور سوجی ہوئی تھیں، حالانکہ وہ سگریٹ اور شراب بالکل نہیں پیتی تھی۔معلوم ہوتا تھا کہ میری حوصلہ افزا باتوں سے بہت سکون ملا ہے اور اس کا میرے پاس سے جانے کو دل نہیں کر رہا ہے۔

پھر وہ بتانے لگی۔"آج بنک میں میرا، میرے ایکس ہسبنڈ سے آمنا سامنا ہوا۔میں نے اسے ہیلو کہا اور وش کیا۔وہ جواب میں مجھے کہنے لگا۔"موٹی! تم ابھی زندہ ہو! مجھے بہت دکھ ہوا"۔

(Son Of A Bitch)"کتیا کا بچہ"

میں نے سوال کیا۔"تمہارے بچے کہاں ہیں! انہیں آپریشن کے وقت تمہارے پاس ہونا چاہئے"۔

وہ پھر افسردہ ہو گئی۔بتانے لگی۔"میرے دو بچے ہیں۔ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔بیٹے کی عمر تقریباً 40 سال ہے۔شادی شدہ اور ایک بچے کا باپ ہے۔کسی دوسرے شہر میں رہتا ہے۔کئی سال سے اس کا مجھ سے رابطہ نہیں ہے۔بیٹی نیوی میں ہے۔کبھی کہیں ہوتی ہے کبھی کہیں۔میری سالگرہ پر کبھی فون کر لیتی ہے اور کارڈ بھیج دیتی ہے۔میری اس سے بھی کئی سال سے ملاقات نہیں ہوئی ہے"۔

پھر خود ہی کہنے لگی۔"مجھے آپ لوگ کا جائنٹ فیملی سسٹم بہت پسند ہے۔سب لوگ اکٹھے رہتے۔اکٹھے پکاتے اور کھاتے ہیں اور دکھ درد میں ایک دوسرے کے کام آتے

Marfat.com

ہیں۔امریکنوں میں یہ چیز نہیں ہے''۔

پھر بتانے لگی۔''میرے ڈاکٹر کے پتاجی انڈیا سے آئے ہوئے تھے۔ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی امریکہ میں ہیں۔سب ان سے ملنے آتے ہیں اور ان کے پاؤں چھوتے ہیں اور ان کو بے حد ریسپیکٹ (Respect) دیتے ہیں۔مجھے بہت اچھا لگتا ہے''۔

میں نے ایسے ہی پوچھ لیا۔''تمہاری ماما بہت بوڑھی ہیں اور اکیلی ہی ایک بہت بڑے گھر میں رہتی ہیں، تم بھی اکیلی ہو اور الگ سے ایک اپارٹمنٹ میں رہتی ہو۔تم ماما کے ساتھ شفٹ کیوں نہیں ہو جاتیں، تاکہ ایک دوسرے سے باتیں کرسکو، ایک دوسرے کا خیال رکھ سکو اور ایک دوسرے کو حوصلہ دے سکو!''

کہنے لگی۔''نا! بابانا! میں ماما کا بہت خیال رکھتی ہوں۔جب ضرورت ہو اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہوں۔کبھی کبھار ڈنر بھی کرادیتی ہوں اور فون پر ہر روز خیریت بھی معلوم کرتی رہتی ہوں لیکن ہم دونوں اکٹھی نہیں رہ سکتیں کیونکہ ہم ایک دوسرے کی پرسنل لائف کو ڈاسٹرب نہیں کرنا چاہتیں! پھر ہماری طبیعتوں میں بھی بہت فرق ہے۔اکٹھی رہ کر تو ہر وقت لڑتی جھگڑتی ہی رہا کریں گی۔ہم پانچ بہنیں ہیں لیکن ماما کے ساتھ کوئی بھی رہنے کو تیار نہیں ہے''۔

چند روز کے بعد میک نے فون کر کے بتایا کہ اگلے روز اس کی اوپن ہارٹ سرجری ہے، میں اس کے لیے دعا کروں۔میں نے پھر اسے حوصلہ دیا اور وعدہ کیا کہ اسے ہسپتال دیکھنے آیا کروں گا۔وہ بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی۔

''اب میں ضرور آپریشن تھیٹر سے زندہ لوٹ آؤں گی کیونکہ مجھے پتہ ہے کہ کسی نے مجھے ہسپتال میں دیکھنے آنا ہے''۔

لیکن افسوس میں اپنا وعدہ ایفا نہ کرسکا اور اسے ہسپتال دیکھنے نہ جاسکا۔

تقریباً ایک ماہ کے بعد مس میک خود گاڑی ڈرائیو کر کے مجھے ملنے آئی تو بہت ہشاش بشاش تھی۔مجھے گلے لگ کر ملی اور میں نے صحت یاب ہونے پر اسے مبارک دی اور گلدستہ پیش کیا اور ساتھ ہی کہا۔

''اب نئے دل کے ساتھ تمہیں نئے بوائے فرینڈ کی بھی ضرورت ہے''۔

فوراً کہنے لگی۔''آج سے تم میرے بوائے فرینڈ ہو۔تم ہر روز مجھے ہسپتال میں پھول

Marfat.com

بھیجتے رہے حالانکہ میرے بھائی اور بہنوں نے مجھے ہسپتال میں وزٹ کرنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ ماما کل سے میرے پاس آئی ہوئی تھی۔ میں نے ماما سے کہا کہ آج میں اپنے بوائے فرینڈ سے ضرور مل کر آؤں گی''۔

پھولوں کے بارے میں سن کر میں حیران ہوا کیونکہ میں نے تو ایک دفعہ مس میک کو ہسپتال میں پھول نہیں بھجوائے تھے وہ بتا رہی تھی کہ اسے میری طرف سے ہر روز پھول ملتے رہے ہیں۔ بہر حال میں خاموش ہی رہا۔

میری پاکستان واپسی سے کچھ عرصہ پہلے بالٹی مور میں شدید سمندری طوفان آیا تھا جس سے ساحلی علاقوں میں بہت زیادہ تباہی ہوئی تھی۔ طوفان سے پہلے ساحلی علاقوں سے آبادی کو بحفاظت دوسرے محفوظ مقامات پر منتقل کر دیا گیا تھا، اس لیے جانی نقصان نہیں ہوا۔ اس سمندری طوفان سے تباہ ہونے والے مکان میں میک کی ماما کا بڑا گھر بھی تھا۔ پورا گھر ساز و سامان سمیت سمندری لہروں کی نذر ہو گیا تھا اور اب صرف مکان کے آثار ہی باقی تھے۔ میک اپنی ماما کو اپنے ہاں لے آئی تھی۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جب تک انشورنس کمپنی ماما کا مکان از سرِ تعمیر کر کے اور فرنشڈ کر کے نہیں دیتی، وہ ماما کو اپنے پاس ہی رکھے گی تاکہ وہ جائنٹ فیملی سسٹم کی برکات کا کچھ اندازہ کر سکے۔

میرے پاکستان آنے کے کچھ عرصہ بعد مجھے مس میک کا 4 صفحات پر مشتمل ایک طویل خط ملا جو اس کے دلی جذبات و خیالات کا اظہار اور امریکن معاشرے کی عمومی جھلک دکھانے کے لیے یہاں دیا جا رہا ہے۔

''میرے عزیز ترین دوست!

مجھے آپ کا انتہائی متاثر کن کرسمس کارڈ ملا اور آپ کی خیریت جان کر دلی مسرت ہوئی۔ مجھے امید ہے آپ کے وہاں سب خیریت ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کا مستقبل قریب میں امریکہ واپسی کا ارادہ نہیں ہے کیا یہ صحیح ہے؟ میں آپ کی کمی محسوس کروں گی۔ مجھے امید ہے آپ وہاں تنہائی کا شکار نہیں ہوں گے کیونکہ آپ کے بچے آپ کی دیکھ بھال کے لیے موجود ہیں۔

جہاں تک میرا تعلق ہے میرے بچے مجھ سے بہت دور ہیں۔ جوزف (بیٹا) اووسٹا (Ovista) کیلیفورنیا میں ہے اور تھریسا (بیٹی) پام کوسٹ،

Marfat.com

فلوریڈا میں ہے۔ یقیناً میں ان کی کمی شدت سے محسوس کرتی ہوں، کاش میں ان کو ملنے کے لیے جا سکتی لیکن یہ بات میری موجودہ مالی حالت کی وجہ سے تقریباً ناممکنات میں سے ہے۔ میں اپنے (دل کے) دوسرے آپریشن کو فی الحال ملتوی کیے جا رہی ہوں کیونکہ پہلے آپریشن سے ہی ابھی تک مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہو سکی ہوں۔ میں اس ماہ کی 22 تاریخ کو سرجن سے معائنہ کراؤں گی۔ یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ ڈاکٹر کی رپورٹ کیا ہو گی؟ ایک نہ ایک دن تو مجھے دوسرا آپریشن کرانا ہی پڑے گا۔

میں نے آپ کا ایڈریس کہیں کھو دیا تھا، اس لیے مجھے خط لکھنے کے لیے آپ کے خط (کارڈ) کا انتظار کرنا پڑا۔ آپ کا کارڈ پانا میرے لیے خوشگوار حیرت کی بات تھی۔ یہ (لفافہ) کھلا ہوا تھا اور ایسے معلوم ہوتا تھا کہ یہ کسی میدانِ جنگ سے آیا ہے (کیونکہ باہر خصوصاً پاکستان سے آنے والی اکثر ڈاک سنسر ہو کر آتی ہے) آپ کو یہ خط میں اپنے دوست کے گھر بیٹھ کر لکھ رہی ہوں"۔

سمندری طوفان نے اپنے گھر کی تباہی کے بعد سے ماما میرے ساتھ میرے اپارٹمنٹ میں ہی رہ رہی ہیں۔ ابھی تک گھر کی بجلی بحال نہیں ہوئی ہے۔ گھر کی مرمت کا باقی کام بہت ہی سست رفتاری سے ہو رہا ہے۔ شاید چار ماہ یا اس سے بھی زیادہ وقت لگے گا کہ گھر رہنے کے قابل ہو سکے۔

آج کل وقت کیسے کاٹ رہے ہو، کیونکہ میرے خیال میں تم کوئی کام تو کر نہیں رہے ہو گے۔ کیا تم مستقبل قریب میں واپس آسکو گے؟

میں نے پاپا جی (ڈاکٹر کے والد) اور پنکو (Pinku) ڈاکٹر کی بیٹی کے ساتھ ایک انڈین ریسٹوران میں لنچ کا پروگرام بنایا ہے جہاں کا چیف شیف ایک لاہور کا پاکستانی نوجوان ہے۔

یہاں کا موسم بہت سرد ہے۔ آپ کے جانے کے بعد برفباری ہوتی رہی ہے۔ میرا خیال جہاں آپ اس وقت رہتے ہیں، وہاں کا موسم گرم ہو گا۔ براہِ کرم خط کا جواب جلدی دیں۔ آپ کی دوست جوینیٹا۔ (Juanita)

Marfat.com

خاوند اور بیٹے جیل میں ہیں

میں اپنے سفرناموں میں جب کسی فرد کی ذاتی زندگی کے حالات قلمبند کرتا ہوں تو میرا مقصد امریکن معاشرے کی عمومی عکاسی ہوتا ہے۔ امریکہ میں آپ کسی مرد یا عورت سے ذرا سا اظہارِ ہمدردی کر دیں۔ وہ فوراً اپنی کتھا سنانی شروع کر دیں گے۔

ایسی ہی ہماری ایک سیاہ فام کسٹمر تھی جس کا لمبا چوڑا نام تو مجھے یاد نہیں لیکن وہ کہتی تھی کہ میرا پیار کا نام ''نینا'' (Nina) ہے۔ وہ ہفتے میں کم از کم تین دن تو لازمی گیس بھرنے کے لیے آتی تھی۔ ہمیشہ نشے میں ہوتی تھی اور اکثر خود بخود ہی بڑبڑاتی رہتی تھی۔ کونٹر پر گیس کے پیسے دینے آتی تو اکثر اس کے منہ سے کسی نہ کسی کی شان میں مغلظات کے چھینٹے اُڑ رہے ہوتے تھے۔ اس کے آنے کا وقت ہمیشہ رات کے تقریباً گیارہ بجے ہوتا تھا۔ ایک دن میں نے ذرا ہمت کر کے اس سے پوچھ ہی لیا۔

''میڈم! یہ آپ ہمیشہ کس کی شان میں قصیدہ پڑھتی رہتی ہیں؟''

''ایک ہے کتیا میری بیٹی۔ اپنی بچی کو میرے حوالے کر کے خود کلب چلی جاتی ہے۔ مجھے رات اس وقت تک بے بی کی رکھوالی کرنی پڑتی ہے۔ دن بھر میں اپنا جاب کرتی ہوں۔ شام سے اس وقت تک بے بی سٹنگ، پھر بار میں ایک گھنٹہ گزار کر چند پیگ بیئر پیتی ہوں تاکہ تھکاوٹ دور ہو اور اچھی نیند لے سکوں کیونکہ صبح چھ بجے مجھے اپنے جاب پر جانا ہوتا ہے۔ آرام کا ایک لمحہ میسر نہیں ہے''۔

''آپ کا میاں کیا کرتا ہے؟'' میں نے ایسے ہی پوچھ لیا ورنہ اکثر میاں نام کا جانور ان کے استھان پر ہوتا ہی نہیں ہے۔

''ہی واز اے سن آف اے بچ'' (He Was A Son Of Bitch) وہ کہنے لگی۔ ''اس کے سال میں نو مہینے جیل میں گذرتے تھے۔ منشیات کا دھندہ کرتا تھا۔ جب جیل

Marfat.com

سے آتا تھا تو گھر میں مجھ سے مار پیٹ کرتا تھا۔ایک دفعہ اس نے مجھے تھپڑ مارا۔ میں نے کچن والی چھری سے اس کا ہاتھ زخمی کر دیا۔ پولیس نے ہم دونوں کی مرہم پٹی کر کے جیل بھجوا دیا۔ میرے باپ نے میری ضمانت کرالی۔ میں نے باہر آتے ہی اس کو طلاق بھیج دی۔ پھر میں نے ایک اور آدمی سے جو میرے ساتھ کام کرتا تھا، شادی کرلی، وہ حرامی چھ مہینے میں ہی مر گیا اور اس کی کتیا بہن اپنے بھائی کا تمام سامان گھر سے اٹھا کر لے گئی''۔

''بیٹی کے علاوہ آپ کے کوئی بیٹے نہیں ہیں۔ جو آپ کی دیکھ بھال کریں''۔ نینا کی عمر کوئی 40/45 سال تھی۔

''وہ دونوں حرامی بھی جیل میں ہیں''۔ نینا بتانے لگی۔''باپ نے ان کو بھی اپنے دھندے میں لگا لیا تھا۔ جب جیل سے چھوٹتے ہیں اور رہنے کو کوئی ٹھکانہ نہیں ملتا تو میرے پاس آجاتے ہیں''۔

''جب آپ کا سابقہ خاوند جیل سے چھوٹتا ہے تو وہ کہاں رہتا ہے؟''میں نے پوچھا۔

''وہ میری بیٹی کے پاس آجاتا ہے۔ جب میں بے بی سٹنگ کے لیے اپنی بیٹی کے گھر جاتی ہوں تو مجھ سے بڑے پیار اور صلح صفائی کی باتیں کرتا ہے۔اس کی دوسری عورتوں سے بھی دوستیاں ہیں۔ میں اس کے جھانسے میں بالکل نہیں آتی''۔

''آپ کے بچوں کی عمریں کیا ہیں؟''میں نے ایسے ہی بے تکا سوال کر دیا۔

''لڑکوں کی عمریں 19 اور 21 سال ہیں۔لڑکی ابھی 17 سال کی ہے۔ایک بچی کی ماں اور دوسرے کی بننے والی ہے۔اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ رہتی ہے''۔ پھر خود ہی بتانے لگی۔''میں تو بیس سال کی عمر میں ہی تین بچے پیدا کر کے فارغ ہو چکی تھی۔بچوں کے باپ سے شادی تو میں نے 25 سال کی عمر میں کی تھی''۔

''آپ تو ابھی بالکل جوان اور صحت مند نظر آتی ہیں۔ کیا پھر شادی کا ارادہ نہیں ہے؟''میں نے ایسے ہی پوچھ لیا۔

''ناں! بابا، ناں! اب نہیں اب اپنی آزادی کسی کے پاس گروی نہیں رکھتی۔ ویک اینڈ کسی نہ کسی دوست کے ساتھ گزار لیتی ہوں یہی کافی ہے''۔

''آپ جاب کہاں کرتی ہیں؟''

''میں سڑکیں بنانے والے ایک ٹھیکیدار کے پاس بطور فلیگر (Flager) کام کرتی

Marfat.com

ہوں۔ زیرِ مرمت یا زیرِ تعمیر سڑک کے دونوں طرف ایک ایک فلیگر (جھنڈی بردار) کھڑا ہوتا ہے جو ٹریفک کو کنٹرول کرتا ہے''۔

''یہ تو بڑا الف جاب ہے''۔ میں نے کہا۔ ''گرمی، سردی، دھوپ اور بارش میں کھڑا رہنا پڑتا ہے۔ آپ کوئی دوسرا جاب کیوں نہیں کر لیتیں؟''

''مجھے کوئی اور کام آتا ہی نہیں ہے۔ پھر میرے خاوند اور بیٹوں کی ہسٹری سن کر کوئی سٹور یا ریستوران مجھے کام دینے پر تیار ہی نہیں ہوتا''۔

میں نے اسے مشورہ دیا۔ ''اگر آپ تھوڑی سی ہمت اور کوشش کریں تو آسانی سے ہیوی ڈیوٹی ڈرائیونگ کا ٹیسٹ پاس کر سکتی ہیں۔ پھر آپ کو بس ڈرائیونگ کا جاب آسانی سے مل سکتا ہے''۔ میں نے یہ مشورہ اس لیے دیا تھا کہ بالٹی مور شہر میں چلنے والی لوکل بسوں کی ڈرائیوروں کی اکثریت سیاہ فام خواتین پر مشتمل ہے۔ تقریباً ایک مہینہ تک نینا (Nina) گیس سٹیشن پر دوبارہ نہیں آئی۔ میں سمجھا کہ شاید اسے میری باتیں بری لگی ہوں گی۔

ایک صبح میں گیس سٹیشن سے اپنی شفٹ مکمل کر کے گھر جانے کے لیے بس سٹاپ کی طرف جا رہا تھا ابھی میں بس سٹاپ سے 15/20 گز دور ہی تھا کہ میرے پیچھے سے عین میرے برابر آ کر بس ڈرائیور نے زور سے بریک لگائی اور بس کے ٹائروں کے چرچرانے کی آواز دور تک سنائی دی۔ بس کا دروازہ کھلا اور نینا نے اپنی انتہائی دلکش مسکراہٹ سے میرا بس کے اندر استقبال کیا۔ اسے بس کی ڈرائیونگ سیٹ پر دیکھ کر مجھے انتہائی مسرت ہوئی۔ بعد میں اس نے مجھے بتایا کہ میری بات اس کے دل کو لگی تھی۔ اس نے ایک ہفتے کی ٹریننگ کے بعد ہیوی ڈیوٹی ڈرائیونگ لائسنس حاصل کر لیا۔ کمپنی میں جاب بھی فوراً مل گئی۔ چند روز اس نے مختلف روٹوں پر انڈر سپرویژن ڈرائیونگ کی اور ٹریننگ لی تا کہ اسے شہر کے مختلف روٹوں اور بس سٹاپوں کا پتہ چل جائے۔ اب جبکہ اسے خود مختار ڈرائیونگ کی اجازت مل گئی تو اس نے درخواست دے کر روٹ نمبر 4 پر ڈیوٹی لگوا لی تا کہ صبح کے اوقات میں، دوران سفر مجھ سے گپ شپ لگا سکے۔ اب اسے تنخواہ بھی معقول مل رہی تھی، کمپنی کی طرف سے پرسنل انشورنس، میڈیکل اور میڈی کیئر بھی مہیا تھی اور ہفتے میں دو باتنخواہ چھٹیاں بھی۔ وہ میرے مشورے کے لیے میری بڑی ممنون و مشکور تھی۔

Marfat.com

نائن الیون

11 ستمبر (9/11) اور نئی پابندیاں

11 ستمبر 2001ء کی صبح کو سات بجے میں اپنی نائٹ شفٹ ختم کر کے حسب معمول گھر پہنچا فجر کی قضاء نماز ادا کر کے ناشتہ تیار کیا اور ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر ناشتہ کرنے کے ساتھ ساتھ دنیا کی تازہ ترین خبروں کے لیے ٹی وی آن کیا اور CNN چینل لگایا تو عجیب منظر دیکھا۔ ایک نہایت بلند و بالا بلڈنگ کا درمیانی حصہ شعلوں کی زد میں تھا اور دھوئیں کے دبیز بادل آسمان کی طرف بلند ہو رہے تھے۔ لوگ کھڑکیوں سے چھلانگیں لگا رہے تھے۔ چونکہ اس وقت ٹی وی پر کوئی آواز نہیں آ رہی تھی، صرف تصویر چل رہی تھی اس لیے میں نے سمجھا کہ شاید یہ کسی فلم کا سین ہے، اس لیے ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ تقریباً دو اڑھائی منٹ کے بعد ٹی وی پر آواز ابھری کہ کوئی سات آٹھ منٹ پہلے ٹون ٹاوز جسے عام زبان میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر بھی کہتے تھے، سے ایک کمرشل ہوائی جہاز ٹکرا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے ایک ٹاور کو آگ لگ چکی ہے۔ اب تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کوئی حادثہ ہے یا تخریب کاری ہے۔

آگ بجلی کی سی تیزی سے دوسری منزل کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی اور شعلے تھے کہ آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ بلڈنگ کی کھڑکیوں سے لوگ جانیں بچانے کے لیے سینکڑوں کے حساب سے چھلانگیں لگا رہے تھے۔ نیویارک کی سڑکوں پر قیامت کا منظر تھا آگ بجھانے والی سینکڑوں گاڑیاں، ایمبولینس، پولیس کے جوان اور رضا کار سو منزلہ بلڈنگ کے مختلف فلوروں سے لوگوں کو بحفاظت نکالنے کے لیے اپنی جانیں خطرے میں

Marfat.com

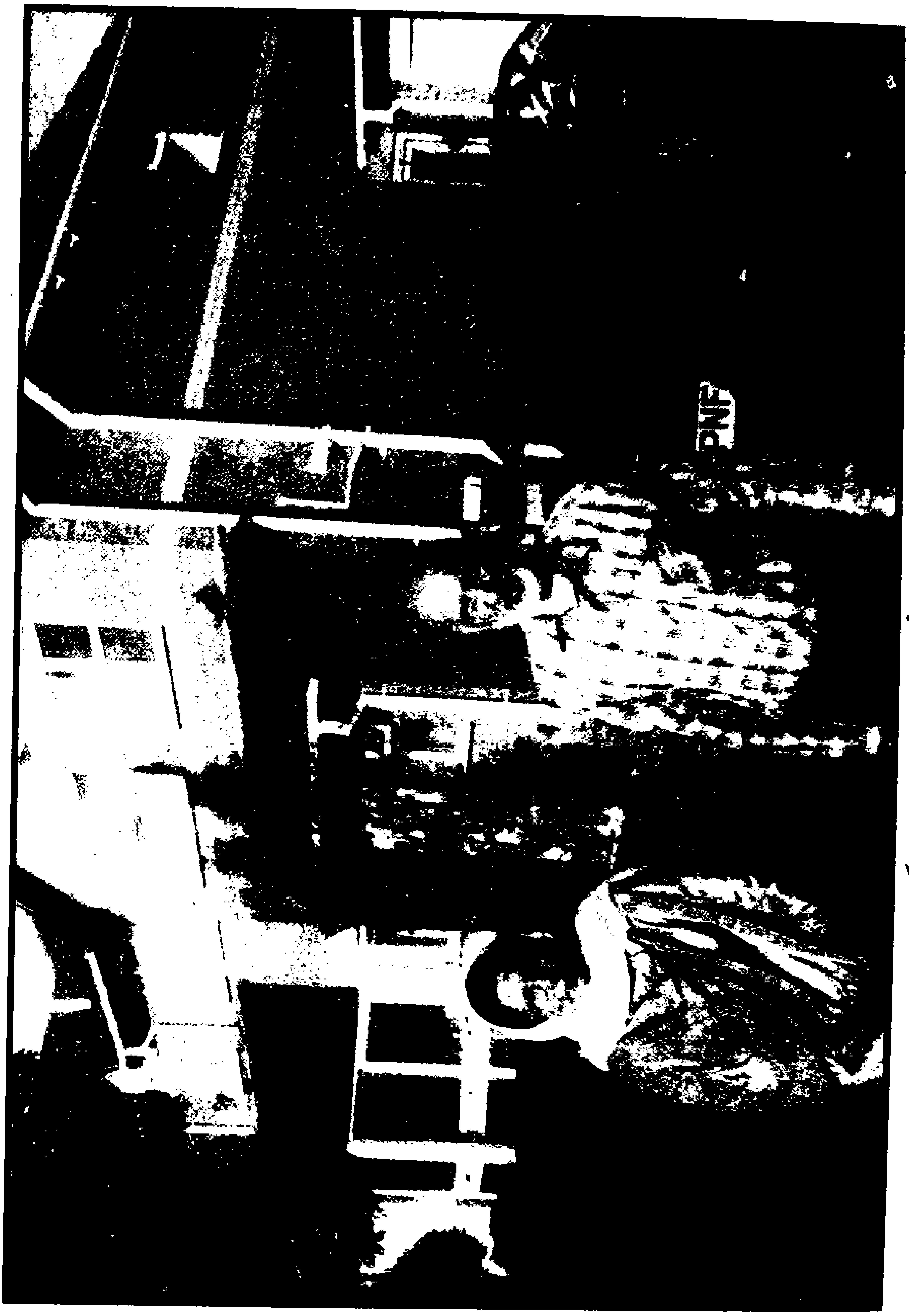

Marfat.com

ڈال رہے تھے۔ منظر اتنا دل ہلا دینے والا تھا، کہ سچی بات ہے، میں انتہائی مضبوط اعصاب کا مالک ہونے کے باوجود ٹی وی سے نظریں ہٹانا اور ناشتہ کرنا بھول گیا۔ جہاز میں موجود ہزاروں گیلن پٹرول نے آگ کو نچلی منزلوں تک پھیلا دیا تھا۔

ابھی میں یہ ہولناک منظر دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک اور ہوائی جہاز اسی بلڈنگ کی طرف آتا دکھائی دیا۔ پلک جھپکنے میں وہ دوسری بلڈنگ سے ٹکرا گیا اور دونوں جڑواں بلڈنگیں آگ کے ایک بہت بڑے الاؤ کا منظر پیش کرنے لگیں۔

اب تو سی، این، این کی اناؤنسر نے تقریباً چلانا شروع کر دیا کہ "دوسری بلڈنگ بھی شعلوں کی زد میں آ گئی ہے۔ یہ یقیناً امریکہ پر کسی نامعلوم طاقت نے حملہ کر دیا ہے"۔

دونوں بلڈنگیں چونکہ درمیان سے جلنا شروع ہوئی تھیں اور جہازوں کی ٹینکیوں میں موجود ہزاروں گیلن پٹرول نے انہیں آگ کے گولوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس لیے پہلے تو ایک بلڈنگ کی اوپری منزلیں گرنا شروع ہوئیں پھر جیسے جیسے پٹرول نیچے کی طرف بہتا چلا گیا، آگ بھی نیچے کی طرف تیزی سے پھیلتی چلی گئی۔

اس خوفناک منظر کو دیکھتے ہوئے ابھی تقریباً آدھ گھنٹہ ہی گذرا ہوگا کہ CNN نے اعلان کیا کہ ابھی ابھی خبر ملی ہے کہ ایک تیسرا جہاز امریکن مسلح افواج کے ہیڈکوارٹر واقع ورجینیا "پنٹاگان" سے بھی جا ٹکرایا ہے اور "پنٹاگان" بھی ہولناک شعلوں کی زد میں ہے"۔

اب تو پورے امریکہ میں سناٹا چھا گیا اور ہر شخص یہ محسوس کرنے لگا کہ امریکہ پر کسی غیبی طاقت نے حملہ کر دیا ہے۔ چنانچہ تمام ملک میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا گیا۔ تمام ہوائی اڈے، ریلوے سٹیشن، انڈر گراؤنڈ میٹرو ٹرام سسٹم بند کر دیئے گئے۔ اس خبر نے اور بھی سراسیمگی پھیلا دی کہ ابھی ایک چوتھا جہاز، جو ان تین جہازوں کے ساتھ اغوا ہوا تھا۔ اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چل رہا۔

اب تو ہر ٹی وی نیٹ ورک تمام مناظر لائیو (Live) دکھانے لگا۔ چونکہ اب تک حکومت کی طرف سے کوئی واضح اطلاع سامنے نہیں آئی تھی۔ وائٹ ہاؤس اور کیپٹیل ہل (Capital Hill) پر کھلبلی مچی ہوئی تھی وہاں موجود تمام اہم شخصیات بشمول وائس پریذیڈنٹ ڈک چینی، ممبرانِ کانگریس وسینٹ زیر زمین بنے ہوئے اور ایٹمی حملے سے محفوظ بنکروں میں پناہ لے چکے تھے۔ (صدر بش اس روز فلوریڈا کے دورہ پر تھے)۔ مقامی

Marfat.com

اخبارات کی اطلاع کے مطابق وائس پریذیڈنٹ ڈک چینی کو ان کے محافظ گھسیٹ کر محفوظ مورچوں میں لے کر گئے تھے۔ کیونکہ حملے کی خبر سن کر ان کی ٹانگیں جواب دے گئی تھیں۔ کچھ عرصہ پہلے ہی ان کی اوپن ہارٹ سرجری ہوئی تھی۔ اب عام خوف یہ تھا کہ چوتھا اغوا شدہ جہاز یا تو وائٹ ہاؤس یا کیپٹیل ہل، جو ہمارے پارلیمنٹ ہاؤس کی طرح، کانگریس اور سینٹ کا ہیڈ کوارٹر ہے، سے ٹکرائے گا۔ بعد میں پتہ چلا کہ اسے اپنے ٹارگٹ تک پہنچنے سے پہلے ہی نارتھ کیرولانا میں ایف 16 جہاز نے میزائل مار کر کھیتوں میں گرا لیا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کی بلند ترین بلڈنگ ورلڈ ٹریڈ سنٹر یا ٹون ٹاور، جنہیں امریکن فخر سے دنیا کی اقتصادیات اور معیشت کا نروسنٹر (Nerve Centere) بھی کہتے تھے، زمین بوس ہو گئیں۔

اس خوفناک حادثے میں تین ہزار کے قریب دنیا کی مختلف قومیتوں کے لوگ جن میں چار سو کے قریب پولیس کے جوان، فائر فائٹر اور رضا کار، جو جلتی ہوئی عمارتوں سے لوگوں کو نکالنے کی کوشش کر رہے تھے ہلاک ہوئے۔ ان میں اغوا شدہ جہازوں کے مسافر عملے کے ارکان اور خود اغوا کنندگان بھی شامل ہیں۔

پرل ہاربر کی تباہی کے بعد امریکی سرزمین پر یہ سب سے بڑا حملہ تھا۔ جس نے امریکن اکانمی کی کمر توڑ کے رکھ دی۔

امریکی صدر جارج واکر بش 11 ستمبر کو فلوریڈا کے ایک سکول کی تقریب میں اساتذہ، طلباء و طالبات اور اپنے چھوٹے بھائی جیف بش جو کہ فلوریڈا کے گورنر ہیں کے ساتھ خوش گپیوں اور ہنسی مذاق میں مصروف تھے جب ان کی سکیورٹی ایڈوائزر، ڈاکٹر کونڈا لیزا رائس نے صدر کو نیویارک کے والڈ سنٹر سے ایک اغوا شدہ جہاز کے ٹکرانے کی اطلاع دی۔ اس وقت صدر بش کا چہرہ اتر گیا اور انہوں نے حاضرین تک بھی یہ خبر پہنچائی اور باقی تقریب منسوخ کر کے کسی محفوظ خفیہ مقام کی طرف روانہ ہو گئے۔

انہی دنوں پاکستان سے میرے ایک قریبی عزیز اور روزنامہ ''جنگ'' کے سینئر رپورٹر میاں خلیل الرحمن میرے پاس بالٹی مور آئے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت اپنے کسی دوست کے پاس بیٹھے یہ تمام منظر دیکھ رہے تھے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ امریکہ جس کی انٹیلی جنس سی۔ آئی۔ اے، ایف۔ بی۔ آئی، اے، ایس، ایف (ائیر پورٹ سکیورٹی

Marfat.com

فورس) اور دیگر بے شمار خفیہ ادارے پوری دنیا پر نظر رکھتے اور دنیا بھر میں ہونے والے حالات و واقعات کی خبر رکھتے ہیں، اپنے ملک کے اندر اتنے بے خبر ہو سکتے ہیں کہ بیک وقت چار جہاز اغوا ہو جائیں اور کسی ادارے کو کسی ائیر پورٹ اور ان کمپنیوں کو بھی جن کے جہاز اغوا ہوئے تھے اس وقت تک خبر نہ ہوئی جب تک کہ تین جہاز اپنے مقررہ ٹارگٹ سے ٹکرا نہیں گئے۔

انہوں نے مجھے فون کیا۔

''میاں صاحب! آپ ٹی وی دیکھ رہے ہیں؟'' ان کا خیال تھا کہ میں ناشتہ کرنے کے بعد سو چکا ہوں گا اور وہ مجھے جگا کر یہ سنسنی خیز خبر سنائیں گے۔

میں نے خلیل کو بتایا کہ ''میں نہ صرف شروع سے ٹی وی دیکھ رہا ہوں بلکہ میری نیند تو کوسوں دور بھاگ چکی ہے''۔

کہا جاتا ہے (اور بعد ازاں یہ بات دنیا کے میڈیا کے علاوہ بعض امریکن اخبارات میں بھی شائع ہوئی) کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں واقع یہودیوں کی بڑی بڑی کمپنیوں کے مالکان، افسران اور یہودی کارکن، جن کی تعداد چار ہزار کے قریب تھی، تمام کے تمام اس روز، بلا کسی وجہ اور جواز کے، چھٹی پر تھے۔ چونکہ امریکن، ٹی، وی۔ ریڈیو اور اخبارات پر یہودیوں کا ہی کنٹرول ہے۔ اس لیے اس خبر کو سختی سے دبا دیا گیا اور اسے عربوں اور مسلمان کی جھوٹی اختراع قرار دیا گیا۔

بہر حال 9/11 کے بعد مسلمانوں اور پاکستانیوں کے خلاف جن معاندانہ متعصبانہ کارروائیوں کا آغاز ہوا، اس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔

ہزاروں پاکستانیوں کو چلتے کاروبار، بھرے پُرے گھر بار چھوڑ کر یا تو وطن واپس آنا پڑا یا نئے سرے سے مہاجر ہو کر مزید قسمت آزمائی کے لیے کینیڈا کا رخ کرنا پڑا۔ ہزاروں بے گناہ جیلوں میں ڈال دیے گئے اور بعد ازاں جہاز بھر بھر کر ڈی پورٹ کر دیے گئے۔

حالانکہ آج تک امریکہ کا کوئی ادارہ، خفیہ ایجنسی، سی۔ آئی۔ اے یا ایف۔ بی۔ آئی یہ ثابت نہیں کر سکی کہ کوئی پاکستانی ہائی جیکروں، ان کی کسی بھی سطح پر مدد کرنے والوں یا پناہ دینے والوں میں بالواسطہ یا بلاواسطہ ملوث تھا۔

ایک واقعہ کی آڑ لے کر پہلے افغانستان اور بعد ازاں عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا دی

Marfat.com

گئی۔ دونوں غریب، کمزور، عالمی پابندیوں میں جکڑے ملکوں کے لاکھوں بے گناہ شہریوں کو شہید ہزاروں کو زخمی اور اپاہج اور بے گھر کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ مسلمان ممالک کے خلاف ناروا پابندیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا گیا، جو تا حال جاری ہے۔

جہازوں کا اغوا

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ 11 ستمبر کو میں نے ناشتے کے دوران ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی ایک بلڈنگ کو آگ کے شعلوں میں لپٹے اور دوسری بلڈنگ سے جہاز کو ٹکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ ان جہازوں کے اغواء کی تفصیلات اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ سے بعدازاں معلوم ہوتیں، وہ کچھ اس طرح سے ہیں۔

امریکن ایئر لائن، فلائٹ نمبر 11

یہ سب سے پہلے اغوا ہونے والا جہاز جو بوسٹن سے صبح 7:59 بجے محوِ پرواز ہوا تھا۔ 8:14 بجے ایئر کنٹرولر نے اسے اپنی مقررہ بلندی پر جانے کا حکم دیا تو اس کا زمینی کنٹرول سے ریڈیو کا رابطہ کٹ گیا۔ جس کا مطلب تھا کہ جہاز ممکنہ طور پر ہائی جیک ہو گیا ہے۔ 8:20 بجے ایئر کنٹرولر نے اپنے ریڈار پر دیکھا کہ جہاز اپنے طے شدہ روٹ سے ہٹ گیا ہے۔ 8:21 بجے جہاز نے اپنا رخ نیورک کی طرف موڑ لیا۔ 8:46 بجے فلائٹ نمبر 11 ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے شمالی ٹاور سے آٹکرائی۔ دوسرے الفاظ میں 8:14 بجے جب جہاز کے اغوا کی تصدیق ہو چکی تھی، ٹھیک 32 منٹ بعد جہاز نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکر ماردی اور اس دوران اغوا شدہ جہاز کو رستے میں روکنے یا تباہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ ماہرین کے مطابق اغوا شدہ جہازوں سے نمٹنے کے لیے ایک مروجہ طریق کار موجود ہے۔ اگر اس طریق کار پر عمل کیا جاتا تو صرف 10 منٹ کے اندر جیٹ فائٹر اس کا راستہ روک کر اس کا رخ موڑ سکتے تھے یا حکم عدولی کی صورت میں اسے میزائل مار کر فضا میں ہی تباہ کر سکتے تھے۔ یہ سارا عمل 8:25 اور 8:30 بجے کے درمیان کیا جا سکتا تھا اور جہاز کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر تک پہنچنے سے کم از کم 16 منٹ پہلے ہی اسے تباہ کیا جا سکتا تھا۔ یا اسے نیویارک کی طرف آنے سے روکا جا سکتا تھا، مگر ایسا کچھ نہیں کیا گیا۔

Marfat.com

یونائٹڈ ائیر، فلائٹ نمبر 175

یونائٹڈ ائیر لائن کی فلائٹ نمبر 175 دوسری فلائٹ تھی جو اس روز ہائی جیک کی گئی۔ یہ فلائٹ بوسٹن سے 8:14 بجے صبح روانہ ہوئی تھی اور عین اسی وقت فیڈرل ایوی ایشن اتھارٹی (FAA) کو اطلاعات مل رہی تھیں کہ شاید فلائٹ نمبر 11 ہائی جیک ہو چکی ہے۔ 8:42 بجے فلائٹ نمبر 175 کا ریڈیو اور کمپیوٹر کا رابطہ کنٹرول روم سے کٹ گیا اور یہ اپنے مقررہ راستے سے ہٹ گئی۔ اس وقت تک حتمی طور پر یقین ہو چکا تھا کہ پہلی فلائٹ ہائی جیک ہو چکی ہے اور نیویارک شہر کے اوپر محوِ پرواز ہے، لہٰذا یقینی طور پر اس وقت تک ایف۔ آئی۔ اے کو ملٹری حکام ائیر فورس اور محکمہ دفاع سے رابطہ قائم کر کے ہنگامی حالت کا اعلان کر دینا چاہیے تھا۔

فلائٹ نمبر 11 صبح 8:46 بجے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے شمالی ٹاور سے ٹکرا چکی تھی۔ اس لیے لازمی طور پر فلائٹ نمبر 175 کا راستہ روکنے کے لیے جیٹ فائٹر فضا میں بلند ہو جانے چاہئیں تھے، لیکن اس کے برعکس اس فلائٹ کا راستہ روکنے اور حکم عدولی کی صورت میں فضا میں میزائیل مار کر تباہ کرنے کے لیے کوئی جیٹ فائٹر اُڑائے ہی نہیں گئے، لہٰذا یہ فلائٹ بھی 9:03 بجے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے جنوبی ٹاور سے آ ٹکرائی۔

جب پہلی فلائٹ شمالی ٹاور سے ٹکرائی اور وہ آگ کے شعلوں میں جلنے لگا تو جنوبی ٹاور کے اندر دفاتر میں کام کرنے والے ہزاروں افراد نے خطرے کے پیشِ نظر ٹاور سے ہنگامی راستوں سے بلڈنگ سے نکلنے کی کوشش کی تو جنوبی ٹاور کے اندر لگاتار یہ اعلان کیا جاتا رہا کہ یہ ٹاور بالکل محفوظ ہے لہٰذا لوگ اپنے اپنے دفاتر میں موجود رہیں۔ یہ اعلان اس وقت تک دہرایا جاتا رہا جب تک کہ فلائٹ 175 اس سے آ کر ٹکرا نہیں گئی۔

اس بلڈنگ میں ہزاروں زندہ بھسم ہو جانے والے افراد کے لواحقین حکومت سے اب تک یہ وضاحتیں مانگ رہے ہیں کہ جب پتہ چل چکا تھا کہ فلائٹ 175 بھی ہائی جیک ہو چکی ہے اور اس کا رخ بھی نیویارک کی طرف ہے تو بلڈنگ میں کام کرنے والوں کو وارننگ دینے کی بجائے بلڈنگ کے محفوظ ہونے کی خوشخبری کیوں سنائی جاتی رہی؟

Marfat.com

ٹون ٹاورز کی تباہی

سرکاری بیان کے مطابق شمالی اور جنوبی ٹاورز جنہیں ٹون (جڑواں) ٹاورز کے معروف نام سے یاد کیا جاتا تھا، اغوا شدہ جہازوں کے پوری قوت کے ساتھ ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرانے اور اس کے نتیجے میں لگنے والی شدید ترین آتشزدگی کی وجہ سے زمین بوس ہوئے، لیکن ''فیڈرل ایمرجنسی مینجمنٹ ایجنسی'' (فیما) جس نے ان بلڈنگوں کے منہدم ہونے کی وجوہات کی تحقیقات کی، اپنی مئی 2002ء کی رپورٹ میں واضح طور پر کہا۔

ہر ٹاور کے اچانک زمین بوس ہونے کے واقعات کی جو ترتیب بنتی ہے اس سے ان کے گرنے کی حقیقی تصویر سامنے نہیں آتی اور وجہ کا پتہ نہیں لگتا''۔

اب دیکھئے کہ شمال ٹاور (WTC-1) سے اغواء شدہ جہاز صبح 47"8 بجے ٹکرایا تھا۔ یہ بلڈنگ 10:28 بجے زمین بوس ہوگئی۔ جنوبی ٹاور (WTC-2) جس سے دوسری جہاز 9:03 بجے ٹکرایا تھا۔ صرف 56 منٹ بعد 9:59 کے منہدم ہوگئی۔ ایسا کیوں ہوا کہ جنوبی ٹاور جس سے جہاز پہلے ٹاور سے 16/17 منٹ بعد ٹکرایا، شمالی ٹاور سے 29 منٹ پہلے ہی گر پڑی۔

ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی ایک تیسری بلڈنگ (WTC-7) جس سے کوئی جہاز نہیں ٹکرایا تھا اور پہلے تباہ ہونے والی بلڈنگوں سے کافی دور واقع تھی، اسی روز شام کے 5:20 بجے خود بخود ہی زمین بوس ہوگئی۔

یہ سب باتیں پورے واقعات کو مشکوک بنا رہی ہیں۔

''پنٹاگان'' کی تباہی

اس روز ہائی جیک ہونے والی تیسری فلائٹ امریکن ائیرلائن کی فلائٹ نمبر 77 تھی جو صبح 8:20 بجے دارالحکومت واشنگٹن ڈی۔سی کے ائیرپورٹ ڈلاس (Dlilles) واقع ورجینیا سے روانہ ہوئی اور 8:46 بجے اپنے مقررہ روٹ سے بھٹک گئی۔ اس کے پیچھے بھی مقررہ اور مجوزہ طریق کار کے مطابق کوئی جیٹ فائٹر نہیں اُڑائے گئے۔ 8:50 بجے جہاز پھر

Marfat.com

اپنے مقررہ راستے پر آ گیا لیکن کنٹرول ٹاور سے اس کا ریڈیائی رابطہ مسلسل کٹا رہا۔ پھر 8:56 بجے جہاز ائیر کنٹرولر کی راڈار سکرین سے غائب ہو گیا اور اس سے کمپیوٹر کا رابطہ بھی منقطع ہو گیا۔ اس وقت جہاز ''انڈیا نا پولس'' شہر کے قرب و جوار میں تھا۔ اس کی تلاش کے لیے کوئی جیٹ فائٹر نہیں بھیجے گئے۔

9:09 بجے ائیر کنٹرولر نے وارننگ جاری کی کہ ہو سکتا ہے جہاز اوہائیو سٹیٹ میں گر کر تباہ ہو گیا ہو۔

فلائٹ نمبر 77 کے راڈار سکرین سے غائب ہونے کے 29 منٹ بعد ڈلس ائیر پورٹ کے ائیر کنٹرولر نے ایک تیز رفتار جہاز کے راڈار پر دیکھے جانے کی اطلاع دی اور انتباہ کیا کہ یہ جہاز وائٹ ہاؤس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ اطلاع 9:27 بجے نائب صدر ڈک چینی اور صدر کی سکیورٹی ایڈوائزر (موجودہ سیکرٹری آف سٹیٹ، وزیر خارجہ) کونڈا لیزا رائیس کو پہنچائی گئی۔ یہ لوگ اس وقت تک وائٹ ہاؤس (ایوانِ صدر) کے زیر زمین بنے ہوئے بنکرز (مورچوں) میں پناہ لے چکے تھے۔ انہیں بتایا گیا کہ راڈار پر ایک ایسا نامعلوم جہاز نظر آ رہا ہے جو وائٹ ہاؤس سے صرف 50 میل دور ہے اور تیزی سے اس طرف بڑھ رہا ہے۔ 9:33 بجے راڈار پر دیکھا گیا کہ جہاز دارالحکومت کے اردگرد واقع بیلٹ وے کراس کر کے ''پنٹا گان'' کے طرف جا رہا ہے۔ دو منٹ تک جہاز نے بلندی پر پرواز کی۔ پھر 9:35 بجے جہاز نے ایک دائرے میں گھومتے ہوئے نہایت خطرناک طریقے سے غوطہ لگایا اور دو اڑھائی منٹ میں خوفناک حد تک نیچے آ گیا اور چند لمحوں بعد ہی 9:38 بجے پنٹا گان سے ٹکرا گیا۔

اس کریش کے نتیجے میں اور اس سے لگنے والی آگ کی وجہ سے محکمہ دفاع کے تقریباً 125 افراد جن کی اکثریت سویلین ملازمین پر مشتمل تھی، ہلاک ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی سپر پاور امریکہ کے دفاعی ہیڈ کوارٹرز ''پنٹا گان'' کی حفاظت کے لیے انتہائی طاقتور اور جدید ترین راڈار لگے ہوئے ایسے میزائل نصیب ہیں جو ''پنٹا گان'' کی طرف بڑھنے والی ہر چیز کو راستے میں ہی تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ پھر فلائٹ 77 کیسے ''پنٹا گان'' سے ''بحفاظت'' آن ٹکرائی۔ کیا اس روز محکمہ دفاع کا سارا دفاعی نظام معطل تھا جبکہ قبل ازیں ورلڈ ٹریڈ سنٹر اغوا شدہ جہازوں

Marfat.com

کے ٹکرانے سے تباہ ہو چکے تھے۔
شاید اس سوال کا جواب کبھی نہ مل سکے۔
بعض محققین کا خیال ہے کہ ''پنٹا گان'' سے ٹکرانے والا جہاز، بوئنگ 757 نہیں بلکہ گائنڈڈ میزائل تھا، کیونکہ دیوار میں بنے والا سوراخ 15 تا 18 قطر ڈایا میٹر سے بڑا نہ تھا اور اتنے چھوٹے سوراخ سے دیو ہیکل بوئنگ 757 کا گزرنا ناممکنات میں سے تھا۔

9/11 کو ہائی جیک ہونے والا چوتھا جہاز

اسی روز ہائی جیک ہونے والی چوتھی فلائٹ یونائٹڈ ایئر لائن کی پرواز نمبر UA-93 تھی۔ یہ فلائٹ نیوآرک ایئر پورٹ سے 8:42 بجے روانہ ہوئی تھی۔
9:27 بجے جہاز کے اندر سے ایک مسافر ٹام برنیٹ (Tom Burnett) نے اپنے موبائل فون سے اپنی بیوی کو بتایا کہ ''جہاز ہائی جیک ہو چکا ہے لہٰذا وہ فوا ایف۔ بی۔ آئی کو مطلع کر دے'' اور ٹام کی بیوی نے ایسا ہی کیا۔
9:28 بجے گراؤنڈ فلائٹ کنٹرولرز نے جہاز کے اندر سے چیخنے چلانے، دھینگا مشتی اور ایک دوسرے سے ہاتھ پائی کی آوازیں سنیں۔ 9:34 بجے ٹام نے دوبارہ اپنی بیوی کو فون کیا تو اس کی بیوی نے اسے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کی اطلاع دی اور ٹام نے محسوس کیا کہ وہ جس جہاز پر سوار ہے شاید اسے بھی ہائی جیکر خودکش حملے کے لیے ہی استعمال کریں گے۔
9:36 بجے جہاز نے ایک چکر کاٹ کر مقررہ روٹ سے اپنا رخ واشنگٹن ڈی سی (دارالحکومت) کی طرف موڑ لیا۔ 9:37 بجے ایک مسافر جیریمی گلک اور دو دیگر مسافروں کو بھی اپنے موبائل فون کے ذریعے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کی اطلاع مل گئی۔ اس طرح مسافروں میں سراسیمگی پھیل گئی۔
9:45 بجے ٹام نے پھر اپنی بیوی سے بات کی اور اسے بتایا کہ اس کے خیال میں ہائی جیکروں کے پاس کوئی بم وغیرہ نہیں ہے اور وہ دوسرے مسافروں سے مل کر ہائی جیکروں پر قابو پانے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔
جہاز کے زمین پر کریش ہونے سے 19 منٹ پہلے تک ایف۔ بی۔ آئی والے جہاز سے آنے والی ٹیلیفون کالوں کو سن رہے تھے۔ اسی دوران جہاز کے ایک مسافر ٹوڈ بیمر نے

Marfat.com

ٹیلیفون کمپنی ویرائزون (Virizone) کے آپریٹر کو فون کر کے تفصیل کے ساتھ جہاز کے اندر کی صورتِ حال بتانی شروع کر دی۔

9:47 بجے جریمی گلک نے اپنی بیوی کو بتایا کہ "تمام مسافروں نے ہائی جیکروں پر حملہ کر کے قابو پانے کا منصوبہ بنایا ہے، کیونکہ ہائی جیکروں کے پاس کوئی اسلحہ نہیں، صرف چاقو وغیرہ ہیں۔ مسافروں کو اپنی کامیابی کا یقین ہے"۔

9:54 بجے ٹام نے پھر اپنی بیوی سے رابطہ کیا اور کہا۔ "ہم سب مرنے جا رہے ہیں۔ ہم تین مسافر ایسے ہیں جنہوں نے کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میرے خیال میں ہم کامیاب رہیں گے۔ ہم شہری آبادی سے باہر نکل کر جہاز کا کنٹرول سنبھالنے کی کوشش کریں گے"۔

اس وقت جبکہ مسافروں کی جدوجہد کامیابی کے قریب تھی، کیونکہ مسافروں میں ایک تجربہ کار پائلٹ اور ائیر کنٹرولر بھی موجود تھا۔ جہاز کو مار گرایا گیا۔

9:57 بجے ایک ہائی جیکر کو کاک پٹ کے اندر یہ کہتے سنا کہ کاک پٹ کے باہر لڑائی ہو رہی ہے۔ باہر سے ایک آواز سنائی۔ "آؤ ان (ہائی جیکروں) پر حملہ کر دیں"۔

9:58 بجے ٹوڈ نے اپنی بیوی سے فون پر یہ کہتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا کہ "مسافروں نے ہائی جیکروں پر جمپ لگانے کا فیصلہ کر لیا ہے"۔ پھر دوسرے مسافروں سے مخاطب ہوتے ہوئے اس کا یہ مشہور فقرہ سنائی دیا۔

"جوانو! کیا تم تیار ہو۔ آؤ ہائی جیکروں پر کود پڑیں"۔

عین اسی وقت 9:58 بجے ایک خاتون مسافر کو اپنے خاوند سے فون پر یہ کہتے ہوئے سنا گیا۔ "مجھے امید ہے مسافر، ہائی جیکروں پر قابو پالیں گے۔ وہ کاک پٹ میں گھسنے کی کوشش کر رہے ہیں"۔ تھوڑی دیر بعد اس نے چلاتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے کر دکھایا ہے۔ انہوں نے کر دکھایا ہے"۔

زمین پر موجود خاتون کے خاوند نے عین اسی وقت پس منظر میں چیخ و پکار اور ایک ایک بہت تیز رفتار آندھی کی طرح آواز سنی، پھر مزید چیخ و پکار...... اور اس کا فون کٹ گیا۔

ایک اور مسافر جو جہاز کے باتھ روم سے فون کر رہا تھا، اپنا رابطہ منقطع ہونے سے فوراً پہلے کہتا ہوا سنا گیا۔ اس نے کسی قسم کے دھماکے کی آواز سنی ہے اور جہاز سے سفید

Marfat.com

دھوآں نکل رہا ہے۔ 10:03 بجے یہ فلائٹ زمین پر کریش ہوگئی اور سب مسافر ہلاک ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس جہاز کو F-16 کے ذریعے میزائل مار کر گرایا گیا کیونکہ جہاز کے ملبے کو جلتے ہوئے ٹکروں کی شکل میں زمین پر گرتے ہوئے دیکھا گیا۔ بعض رپورٹوں کے مطابق انسانی اعضاء آٹھ میل دور تک بکھرے ہوئے پائے گئے۔

یہ جہاز پنسلوینیا میں جھیل مرینالیرک کے قرب وجوار میں تباہ کیا گیا۔

(تفصیلات کتاب ''نیو پرل ہاربر'' سے)

9/11 کے بعد...... رجسٹریشن

2002ء میں کانگریس نے ایک نیا قانون پاس کیا جس کے تحت بیشتر اسلامی ممالک بشمول پاکستان کے باشندوں پر رجسٹریشن کی پابندی لگا دی گئی۔ اس رجسٹریشن کی آخری تاریخ 27 فروری 2003ء تھی۔ اس نئے قانون کے بارے میں اخبارات اور میڈیا میں طرح طرح کی گمراہ کن اور غلط تشریحات پیش کی جانے لگیں جس سے متاثرہ ممالک کے باشندوں میں ایک خوف و ہراس کی فضا پیدا ہوگئی۔ نیویارک اور بعض دیگر شہروں میں جو لوگ رجسٹریشن کے لیے گئے ان کے کاغذات میں کوئی نہ کوئی سقم نکال کر انہیں حراست میں لیا جانے لگا۔ جس سے فضا اور بھی دہشت ناک ہوگئی اور لوگوں میں بے انتہا بے چینی پھیل گئی۔ شروع شروع میں جو لوگ حراست میں لئے گئے ان کے بارے میں ان کے اہلِ خانہ، وکلا، یا عزیز و اقارب کو کوئی اطلاع نہ دی گئی بلکہ جہاز بھر بھر کر انہیں ڈی پورٹ کیا جانے لگا۔ اس سے ہر طرف ایک شور مچ گیا۔ لوگ جلد بازی اور گھبراہٹ کے عالم میں اپنے کاروبار، گھر اور جائیدادیں بیچ کر کینیڈا کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ امریکہ اور کینیڈا کے بارڈر پر ریفیوجی کیمپ قائم ہو گئے۔ کینیڈین حکام کے لیے مہاجرین کی اتنی بڑی اور اچانک یلغار کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اکثریت نے اپنے اپنے ملکوں کو واپسی میں عافیت محسوس کی اور مقررہ تاریخ سے پہلے پہلے امریکہ سے نکل جانے کو ترجیح دی۔

اس طرح لاکھوں افراد کے امریکہ سے اچانک نکل جانے سے بہت سی امریکن کمپنیوں کے لیے لیبر کی کمی کے مسائل کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ چیمبر آف کامرس، بار ایسوسی ایشن، ہیومن رائٹ کی تنظیموں اور بے شمار NGOS نے اس صورتِ حال پر تشویش کا

Marfat.com

اظہار کرنا شروع کر دیا اور حکومت پر زور دیا کہ وہ خوف و ہراس کی فضا کو ختم کرے۔ لوگوں کی رجسٹریشن ضرور کرے مگر سوائے ان لوگوں کے جو کسی طرح کے جرائم میں ملوث ہیں۔ عام لوگوں کو ہراساں نہ کرے۔ بعض ملکوں نے جن کے باشندوں پر رجسٹریشن کا قانون لاگو کیا گیا تھا، جواب میں امریکن باشندوں پر بھی ایسے ہی قوانین اپنے اپنے ملکوں میں نافذ کرنے کی دھمکی دینی شروع کر دی۔ چنانچہ آہستہ آہستہ پکڑ دھکڑ کا یہ سلسلہ رک گیا اور پُرامن ماحول میں لوگوں کی رجسٹریشن ہونے لگی۔ اس دوران امریکن بار ایسوسی ایشن کے علاوہ بہت سی رضاکار تنظیمیں بھی لوگوں کی مدد و رہنمائی کے لیے میدان میں آ گئیں۔ متاثرہ ممالک نے اپنے سفارتی نمائندے بھی امیگریشن آفس میں بھیجنا شروع کر دیئے تاکہ کسی شخص پر زیادتی نہ ہو۔

ہماری رجسٹریشن اور آنسوؤں کی جھڑی

14 فروری 2003 کو ہم بھی اپنی رجسٹریشن کے لیے ہاپکن پلازا بالٹی مور میں واقع امیگریشن و نیچرلائزیشن میں صبح 9 بجے پہنچ گئے۔ دفتر کے باہر بے پناہ رش تھا اور بلڈنگ میں داخلہ کے لیے لمبی لائنیں لگی ہوئی تھیں۔ باہر شدید سردی اور یخ بستہ ہوا چل رہی تھی۔ چنانچہ ہم بھی لائن میں لگ کر ٹھٹھرنے لگے۔ جامہ تلاشی اور سکیورٹی چیک کے بعد بلڈنگ میں داخل ہوئے تو کچھ سکون ملا۔ اپنا ٹوکن لے کر استقبالیہ پر پہنچے تو وہاں باہر سے بھی بڑی لائن لگی ہوئی تھی۔ استقبالیہ سے اپنا پاسپورٹ دکھا کر ایک فارم لینا تھا۔ جس پر اپنا حدود اربعہ لکھ کر واپس استقبالیہ پر جمع کرایا گیا۔ آدھے گھنٹے میں یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا۔ فارم کے ساتھ ہمارا پاسپورٹ جمع کر لیا تھا اور ہال میں بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کرنے کو کہا گیا۔ ہال میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ ہال سے باہر بھی بے شمار خلقت بنچوں اور کرسیوں پر براجمان تھی۔ دس پندرہ منٹ بعد آفس سے ایک سیاہ فام خاتون ہاتھ میں دو تین پاسپورٹ تھامے دفتر سے برآمد ہو کر نام پکارتی تھی اور متعلقہ افراد کو ساتھ لے کر دفتر میں لے جاتی تھی۔ پھر وہ افراد دوبارہ نظر نہیں آتے تھے۔

خدا خدا کر کے اڑھائی بجے میری باری آئی۔ وہی سیاہ فام خاتون مجھے "ہائے! ہاؤ

Marfat.com

Marfat.com

آر یو' کہتے ہوئے اپنے ساتھ اپنے دفتر میں لے گئی۔ مجھے اپنے سامنے بٹھا کر میرا فارم اپنے ہاتھ میں پکڑلیا اور کیمرہ آن کر کے کہنے لگی کہ میں ہاتھ اٹھا کر حلف اٹھاؤں کہ میں نے فارم میں جو کچھ لکھا ہے "وہ میرے بہترین علم اور یادداشت کے مطابق صحیح اور درست ہے"۔

میں نے حسب ہدایت حلف اٹھایا تو اس نے فارم پر چند لکیریں کھینچیں اور میرے پاسپورٹ میں رکھ کر مجھے اپنے پیچھے آنے کو کہا۔ اس کے دفتر کے ساتھ ہی سکیورٹی گارڈ بیٹھے تھے۔ اس نے میرا پاسپورٹ اور فارم ایک مسلح سکیورٹی گارڈ کے حوالے کر کے کہا وہ مجھے چھٹے فلور پر لے جائے۔ وہ گڈ بائی کہہ کر چلی گئی۔

ہال میں بیٹھے ہوئے میں سن چکا تھا کہ چھٹے فلور پر ان کا لاک اَپ ہے۔ جسے وہاں بھیجا جاتا ہے، وہ پھر واپس نہیں آتا۔ میں "جل تُو جلال تُو، آئی بلا کو ٹال تُو" کا ورد کرتا ہوا کالے سکیورٹی گارڈ کے پیچھے چل پڑا۔ وہ مجھے لفٹ کے ذریعے چھٹی منزل پر لے گیا۔ وہاں مجھے ایک چھوٹے سے کمرے میں جو مرد و خواتین سے پہلے ہی بھرا ہوا تھا۔ بٹھا کر اور انتظار کرنے کا کہہ کر دفتر کے اندر چلا گیا۔

یہاں پھر پہلے والی صورت حال تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد دفتر کے اندر سے کوئی صاحب یا صاحبہ کسی نہ کسی کا پاسپورٹ ہاتھ میں پکڑے برآمد ہوتیں اور متعلقہ آدمی کو ہمراہ لے کر اندر گھس جاتیں۔ یہاں بھی تقریباً دو گھنٹے بعد ایک سفید فام ادھیڑ عمر خاتون میرا پاسپورٹ پکڑے برآمد ہوئیں اور مجھے ہمراہ لے کر اپنے کیبن نما دفتر میں آ گئیں۔ مجھے اپنے سامنے کرسی پر بٹھایا۔ میری خیر خیریت پوچھی پھر میرے فارم سے میرے کوائف اپنے کمپیوٹر میں انٹر کرنا شروع کر دیئے۔ ساتھ ساتھ وہ مجھ سے بعض ایسے سوال بھی پوچھے جا رہی تھیں جن کا ذکر فارم میں نہیں تھا۔ کمپیوٹر پر انگلیاں چلاتے چلاتے وہ اچانک رک گئی اور کہنے لگیں۔ "مجھے سخت بھوک لگی ہے۔ پہلے میں کچھ کھا لوں"۔ یہ کہہ کر وہ اٹھیں اور ساتھ والے کیبن میں جا کر برگر کھانے لگیں۔ ساتھ والے کیبن میں ایک موٹا گورا بیٹھا تھا جو ابھی ابھی باہر سے برگر لے کر آیا تھا۔ کھانے کے بعد وہ گپیں لگانے لگے۔ میرا اپنا بھوک سے برا حال تھا۔

تقریباً پندرہ بیس منٹ بعد محترمہ واپس آئیں تو پھر مجھ سے سوال جواب کا سلسلہ

Marfat.com

شروع کر دیا۔ ابھی چند منٹ ہی گذرے تھے کہ گوری کا سیل فون بج اٹھا کام چھوڑ کر کم ازکم پندرہ منٹ اس نے فون سننے میں لگا دیئے۔ فون سننے کے دوران کبھی اس کا لہجہ گرم کبھی سرد، کبھی شیریں اور کبھی تلخ ہو جاتا۔ میں اس کے سامنے بیٹھا جمائیاں لے رہا تھا۔ کیونکہ میں رات ڈیوٹی کر کے آیا تھا۔ اس وقت شام کے چار بج رہے تھے اور ابھی یہاں سے جان چھوٹنے کے کوئی آثار نہ تھے۔

فون بند کر کے میڈم نے زاروقطار رونا شروع کر دیا۔ اس کی سسکیاں دور تک سنی جا سکتی تھیں اور آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی مگر ساتھ والے کیبنوں سے کوئی اس سے اظہار ہمدردی کرنے یا آنسو پونچھنے نہیں آیا، بے چاری کے پاس ٹشو پیپر بھی نہیں تھے۔ میں نے اپنے بیگ سے ٹشو پیپر نکال کر اسے پیش کئے۔ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اس سے اظہار ہمدردی کیا اور اس کی کچھ ڈھارس بندھائی اور پوچھا۔ ''کیا میں آپ کی کسی قسم کی مدد کر سکتا ہوں؟''

اس نے اپنے کندھے پر رکھا ہوا میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر میرا شکریہ ادا کیا۔

''میں ٹھیک ہوں، شکریہ، یہ میری بیٹی ہے جو مجھے پریشان کرتی ہے۔ میں ایک کنواری ماں ہوں۔ اب اس نے بھی اپنے حاملہ ہونے کی خبر سنا دی ہے۔ جو میرے لیے پریشانی کا باعث ہے''۔

چند منٹ کے بعد وہ ٹھیک ٹھاک تھی۔ اس نے کمپیوٹر میں میرے کوائف انٹر کئے اور مجھے اپنے ساتھ ایک دوسرے کمرے میں لے گئی جہاں میری انگلیوں کے نشان اور تصویر لی گئی۔ پھر اس نے خود میرے ہاتھ دھلوائے، ایک دفعہ پھر کیمرے کے سامنے بٹھا کر مجھ سے حلف لیا۔ میرا پاسپورٹ ایک پیلے لفافے میں بند کر کے سیل کر دیا اور کمپیوٹر سے ایک پرنٹ آؤٹ نکال کر میرے حوالے کر دیا اور بتایا کہ ''آپ کی رجسٹریشن ہو گئی ہے۔ آپ کا پاسپورٹ محکمہ کے پاس رہے گا۔ جب کبھی آپ ایڈریس تبدیل کریں تو اس دفتر کو اطلاع دیں۔ جب آپ نے پاکستان جانا ہو تو ہفتہ پہلے آ کر اپنا پاسپورٹ لے جائیں''۔ میری درخواست پر اس نے میرے پاسپورٹ کی فوٹو سٹیٹ بھی کر کے مجھے دے دی۔

میڈم کا نام کرسٹین کارنس تھا۔ جو ہوم لینڈ سکیورٹی کی سپیشل ایجنٹ تھی۔

Marfat.com

امریکہ سے واپسی

ایک روز بیٹی ریحانہ کا فون آیا اور اس نے میری خیر خیریت معلوم کر کے ٹیلیفون پر ہی زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ ریحانہ میری بڑی بہو، بیٹے فہیم طاہر کی اہلیہ اور شہریار، اسفند یار، احمد یار کی ماما ہے۔ ریحانہ کو روتا سن کر میں بھی پریشان ہو گیا اور اس سے رونے کی وجہ پوچھی۔ وہ سسکیوں کے دوران کہنے لگی۔

''ابو! پہلے آپ وعدہ کریں کہ آپ میری بات مانیں گے''۔

مجھے چاروں بہوئیں اپنی بیٹیوں کی طرح پیاری ہیں اور وہ سب بھی میری بے انتہا عزت اور ریسپیکٹ کرتی ہیں۔ نہ انہوں نے کبھی میری حکم عدولی کی ہے اور نہ ہی میں نے کبھی ان کی بات ٹالی ہے۔ وہ اپنی گھریلو پریشانیاں اور مسائل اپنے میکے تک لے جانے کی بجائے بلا تکلف مجھ سے ڈسکس اور شیئر کر لیتی ہیں اور ہمیشہ میرے مشوروں پر عمل کر کے اپنے گھروں میں نہایت پُرسکون اور باوقار زندگی گذار رہی ہیں۔ میری بیگم منور سے البتہ سب ہی دب کر رہتی ہیں لیکن ان کا بے حد عزت و احترام کرتی ہیں اور ان کے مشوروں کو بھی بہت اہمیت دیتی ہیں۔

میں نے ریحانہ کو تسلی دی۔ ''بیٹی! پہلے کبھی میں نے تمہاری کوئی بات ٹالی ہے جو آپ مجھ وعدہ لے رہی ہیں؟''

اس نے پھر ضد کی۔ ''نہیں ابو! پہلے آپ وعدہ کریں''۔ میں نے وعدہ کر لیا۔ ریحانہ اپنی ہچکیوں کے دوران بتانے لگی۔ ''ابو! امی (میری اہلیہ منور) کو دو سال سے دل کی تکلیف ہے۔ انہوں نے ہمیں سختی سے منع کر رکھا تھا کہ آپ کو کچھ نہ بتایا جائے کہ آپ پردیس میں پریشان ہوں گے۔ اب ان کی حالت بہت زیادہ خراب ہے۔ شروع میں پنجاب انسٹیٹیوٹ آف کارڈیالوجی سے چیک اپ کرایا تھا۔ انہوں نے فوری طور پر اوپن ہارٹ سرجری کا مشورہ دیا تھا، لیکن امی نہیں مانیں۔ خدا کے لیے آپ جلدی واپس آ جائیں''۔

میں ہر ہفتے ٹیلیفون پر منور سے بات چیت کیا کرتا تھا۔ اس نے کبھی اپنی بیماری کا ذکر نہیں کیا۔ ایک دو بار مجھے ان کی نحیف و نزار آواز، کھانسی کی شدت سے کچھ شک بھی پڑا

Marfat.com

لیکن منور نے میرے استفسار پر ہمیشہ یہی بتایا کہ "موسم کی تبدیلی کی وجہ سے نزلہ وزکام اور کھانسی ہے۔ ویسے وہ بالکل ٹھیک ہے"۔

میں چونکہ ریحانہ سے وعدہ کر چکا تھا اور منور کی شدید بیماری کا سن کر خود بھی پریشان ہو گیا تھا۔ لہٰذا اگلے ہی روز امیگریشن آفس جا کر اپنے پاسپورٹ کی واپسی کے لیے درخواست دے دی۔ مجھے بتایا گیا کہ مجھے امیگریشن جج کے سامنے پیش ہو کر حلفیہ بیان دینا ہو گا کہ "میں اپنی مرضی سے واپس جانا چاہتا ہوں مجھ پر کسی محکمے یا افراد کا ملک چھوڑنے کے لیے کوئی پریشر یا دباؤ نہیں ہے"۔

میں مقررہ تاریخ 24 جون کو امیگریشن کورٹ کی جج کے سامنے پیش ہو گیا۔ یہ ایک سفید فام 40/45 سالہ خاتون جج تھیں۔ عین وقت مقررہ پر عدالت میں داخل ہوئیں اور عدالت میں موجود تمام وکلاء اور عوام الناس کو گڈ مارننگ کہا۔ کمرۂ عدالت میں موجود سب لوگ جج صاحبہ کی آمد پر احتراماً کھڑے ہو گئے۔ وہ جب کرسی عدالت پر بیٹھ گئیں تو سب لوگ دوبارہ بیٹھ گئے۔

جج صاحبہ نے اپنی بلیک بیوٹی سیکرٹری کو کہا کہ سب سے پہلے ان لوگوں کے کیس سنے جائیں گے جن کے ساتھ وکلاء صاحبان موجود ہیں کیونکہ وکلاء نے دوسری عدالتوں میں بھی پیش ہونا ہوتا ہے۔ اس طرح عدالت کے پہلے دو گھنٹے وکلاء کے دلائل سننے میں لگ گئے۔
جب سب وکلاء بھگت چکے تو چائے / کافی کا 15 منٹ کا وقفہ ہو گیا۔

چائے وقفے کے بعد جب دوبارہ عدالتی کارروائی شروع ہوئی تو جج صاحبہ نے فرمایا۔ "سب سے پہلے عمر رسیدہ اشخاص اور ان خواتین وحضرات کے کیس سنے جائیں گے جن کے ساتھ چھوٹے بچے ہیں"۔ چنانچہ اب جج صاحبہ نے اپنی صوابدید سے معمر افراد اور بچوں والی خواتین کو بلانا شروع کر دیا۔ ہر کیس کی سماعت سے پہلے جج صاحبہ خود مدعی کو اس کے قانونی حقوق کے بارے میں آگاہ کرتی تھیں۔ پھر کیس سنتی تھیں۔ چونکہ اب جو لوگ پیش ہو رہے تھے وہ وکلاء کے بغیر تھے۔ اس لیے جج صاحبہ مدعیان کی بات سن کر انہیں ایسے وکلاء کی ایک فہرست دیئے جا رہی تھیں جو ان کے کیس عدالت میں رضا کارانہ طور پر نہایت معمولی فیس کے عوض پیش کر سکتے تھے اور انہیں نئی تاریخ دیئے جا رہی تھیں۔

جب مجھے بلایا گیا تو مجھ سے بھی سوال کیا گیا کہ "کیا میں آئندہ تاریخ پر کسی وکیل کی

Marfat.com

خدمات حاصل کرنا چاہتا ہوں؟''

میں نے عرض کیا۔''محترمہ جج صاحبہ! میں چونکہ اپنے ملک واپس جانا چاہتا ہوں۔ اس لیے مجھے اپنا پاسپورٹ واپس چاہیے''۔

''آپ واپس کیوں جانا چاہتے ہیں؟ کیا آپ کو کوئی پرابلم یا پریشانی ہے؟'' جج صاحبہ نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔ کیونکہ صبح سے اب تک عدالت میں پیش ہونے والے افراد میں سے میں پہلا شخص تھا جس نے اپنے ملک واپس جانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

میں نے عدالت کو بتایا۔''میری بیوی عارضہ، قلب میں مبتلا ہے اور میری اس کے پاس موجودگی ضروری ہے''۔

''میں آپ کو دوبارہ سوچنے کے لیے آدھے گھنٹے کا ٹائم دیتی ہوں۔ اگر پھر بھی آپ اپنے وطن واپسی کے ارادے پر قائم رہے تو میں اپنا فیصلہ سناؤں گی''۔

یہ کہہ کر جج صاحبہ نے اگلا کیس لے لیا۔ میں کافی پینے کے لیے گراؤنڈ فلور پر موجود کیفے ٹیریا میں چلا گیا۔ عدالت بلڈنگ کی چوتھی منزل پر تھی۔

آدھ گھنٹے کے بعد جب میں دوبارہ کمرۂ عدالت میں آیا تو اب بھی 5/6 افراد اپنی باری کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جج صاحبہ نے اگرچہ مجھے دیکھا لیکن باقی کیس سننے جاری رکھے اور مجھے سب کے بعد دوبارہ روسٹر پر بلایا۔

''کیا اب بھی آپ کا واپس جانے کا ارادہ ہے یا کچھ تبدیلی آئی ہے؟'' جج صاحبہ نے میری فائل دوبارہ کھولتے ہوئے سوال کیا۔

''جج صاحبہ میں اپنے اسی ارادے پر قائم ہوں مجھے سوچنے کے لیے وقت دینے کا شکریہ!'' اب جج صاحبہ نے مجھے میرے قانون حقوق یاد دلائے اور پھر مجھے اپنا دایاں ہاتھ کھڑا کر کے حلفیہ بیان دینے کے لیے کہا۔

میں نے دایاں ہاتھ کھڑا کر کے جج صاحبہ کے بولے ہوئے الفاظ دہرا دیے۔

اب جج صاحبہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔''میں آپ کو رضا کارانہ طور پر اپنے ملک واپسی کی اجازت دیتی ہوں اور ساتھ ہی چار مہینے کا وقفہ دیتی ہوں کہ اس دوران اگر آپ کا ارادہ یا حالات تبدیل ہو جائیں تو آپ میرے اس فیصلے کی منسوخی کے لیے اپیل کر سکتے ہیں''۔

Marfat.com

میں نے جج صاحبہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فیصلے کی کاپی وصول کی۔

اب اگلا مرحلہ ٹکٹ خریدنے کا تھا۔ میں نے بالٹی مور میں اپنی قومی ایئر لائن کے ایجنٹ ٹریول ونگز کو فون کیا۔ انہوں نے 18 اکتوبر کی سیٹ کنفرم کرا دی۔

میں نے عدالتی فیصلے کے روز ہی اپنے ارادے سے اپنی کمپنی کو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ میری جگہ متبادل آدمی کا انتظام کر لیں۔

میرا ارادہ بالٹی مور، واشنگٹن انٹرنیشنل ایئر پورٹ سے نیویارک اور جے، ایف، کے ایئر پورٹ سے لاہور پرواز کرنے کا تھا لیکن ٹریول ونگز نے بتایا کہ BWI سے پی، آئی، اے کو کنیکٹ کرنے والی کوئی فلائٹ موجود نہیں ہے۔ انہوں نے ریگن انٹرنیشنل ایئر پورٹ، واشنگٹن سے جے، ایف، کے نیویارک اور وہاں سے پی، آئی، اے کے ذریعے لاہور کی بکنگ کروا دی۔

میں بالٹی مور سے 17 اکتوبر کو قبل دوپہر اپنے دوست منظور کے پاس واشنگٹن کے نواح میں ہیٹ وہلچ آ گیا۔ رات اس کے ہاں گذاری۔ وہی اگلے روز مجھے ریگن انٹرنیشنل ایئر پورٹ واشنگٹن ڈراپ کر آئے۔ جہاں سے میں ڈیلٹا ایئر لائن کی فلائٹ نمبر DL-6155 کے ذریعے 4:40 بجے بعد دوپہر روانہ ہو کر 5:50 بجے جے، ایف، کے نیویارک پہنچا۔

نیویارک سے پی، آئی، اے کی فلائٹ رات 9:20 بجے روانہ ہو کر اگلی صبح مانچسٹر (انگلینڈ) پہنچی۔ وہاں تقریباً دو گھنٹے رکی۔ وہاں جہاز کا عملہ تبدیل ہوا۔ جہاز میں ایندھن بھرا گیا۔ جہاز کی صفائی کی گئی اور کھانے پینے کی تازہ اشیاء جہاز کے اندر لائی گئیں۔

مانچسٹر سے روانہ ہو کر ہمارا جہاز اپنے مقررہ وقت سے تقریباً 15 منٹ پہلے رات 10:20 بجے لاہور پہنچ گیا۔ میں نے اپنے آنے کے پروگرام کی اطلاع بیٹے ندیم کے علاوہ کسی کو نہیں دی تھی اور اسے بھی سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ میری آمد کے بارے میں کسی کو نہ بتائے۔ بیٹا ندیم گاڑی لے کر اکیلا ہی ایئر پورٹ پر میرے انتظار میں موجود تھا۔ امیگریشن اور کسٹم وغیرہ سے جلدی ہی فارغ ہو کر باہر نکلا تو بیٹا ندیم گلے لگ کر رو پڑا۔ کیونکہ تقریباً 5 سال کے بعد ہماری ملاقات ہو رہی تھی۔ اس دوران ندیم دو بچوں معاذ اور خدیجہ کا باپ بن چکا تھا۔ جب گھر پہنچے تو مجھے اچانک اپنے درمیان پا کر سب بچے، بیٹے، بہوئیں

Marfat.com

اور میری بیگم نہ صرف حیران بلکہ بہت خوش بھی ہوئے۔
اگلی صبح سب سے پہلے ندیم کو ہمراہ لے کر قبلہ والد محترم مرحوم حاجی میاں محمد علی کی آخری آرام گاہ پر حاضری دی اور آہوں اور سسکیوں کے ساتھ فاتحہ پڑھی۔ان کا انتقال گذشتہ جولائی میں ہو گیا تھا۔

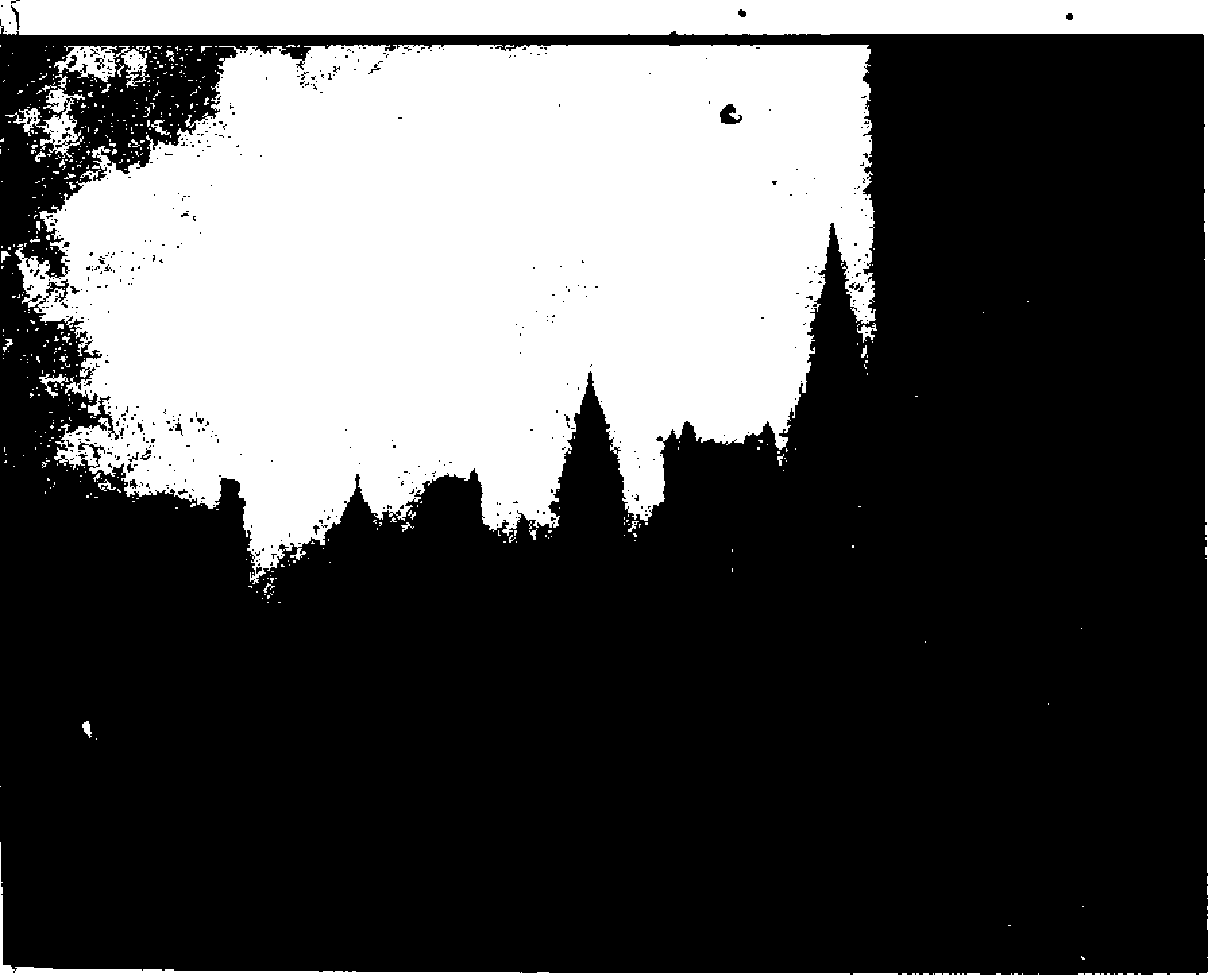

لندن۔ مصنف اپنی اہلیہ مرحومہ اور بہو کے ساتھ

Marfat.com

9/11 کیوں اور کیسے؟

ترجمہ: میاں محمد ابراہیم طاہر

امریکہ میں حال ہی میں ایک کتاب منظرِ عام پر آئی ہے جس کے مصنف ڈاکٹر ڈیوڈ رے گرفن (Dr.David Ray Griffin)، پروفیسر آف فلاسفی آف ریلجن، کلارے مونٹ سکول آف تھیالوجی (Claremont School Of Theology)، فلوریڈا ہیں اور کتاب "نیول پرل ہاربر" کا پیش لفظ برطانوی پارلیمنٹ کے ممبر اور سابق وزیر مائیکل میچر (Michael Meacher) نے لکھا ہے۔ اس کتاب میں پہلی مرتبہ 9/11 کے واقعے میں بش انتظامیہ کے براہِ راست ملوث ہونے کے چونکا دینے والے حقائق منظر عام پر لائے گئے ہیں اور ایسے چبھتے ہوئے سوال اٹھائے گئے ہیں جن کا بش انتظامیہ کی طرف سے آج تک کوئی تسلی بخش اور معقول جواب سامنے نہیں آیا ہے۔

اس توسیع پسندانہ ایجنڈے کے سلسلے میں احمد اور تھامسن نے سابق نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر زبگینو برززنسکی (Zbigniew Brzezinski) کی 1997ء میں شائع ہونے والی کتاب The Grand Chessborrd: American Primacy And Its Geostragic/Imperatives کا حوالہ دیتے ہیں۔ برززنسکی نے یورپ اور ایشیاء کو مستقبل کی طاقت کی کنجی قرار دیا تھا بلکہ اس طاقت کی کنجی کے حصول کے لیے سنٹرل ایشیاء کے تیل کے ذخائر پر قبضے کو انتہائی ضروری قرار دیا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے امریکن رائے عامہ کی حمایت اور تائید کو امریکن خارجہ پالیسی کے لیے اہم اور لازمی گردانا تھا۔ اس پبلک حمایت و تائید کا حصول بڑا مشکل کام تھا، کیونکہ امریکہ دوسروں کے لیے مطلق العنان

Marfat.com

اور اپنی مرضی کا مالک نظر آتا ہے، اپنے عوام کے لیے انتاہی جمہوری ہے۔ اس لیے کسی بڑے کام کے لیے پبلک کی تائید وحمایت حاصل کرنا، جس کے مقاصد بھی ڈھکے چھپے، خفیہ اور جارنہ ہوں، بڑا مشکل کام ہے۔ خصوصاً طاقت کے ذریعے کسی واضح جواز کے بغیر، کسی علاقے پر تسلط قائم کرنا۔ امریکن عوام میں یہ خرابی ہے کہ جب تک انہیں ملک کے اندر کسی فوری خطرے یا حملے کا خوف نہ ہو، وہ حکومت کو طاقت کے استعمال کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ دوسری جنگِ عظیم میں بھی امریکن عوام نے حکومت کو اس وقت جنگ میں کودنے کی اجازت دی تھی جبکہ جاپانیوں نے حملہ کر کے پرل ہاربر کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی اور امریکن عوام پر خوف وہراس طاری ہو گیا تھا۔

اگر برزنسکی کی تحریر کے ان پیراگراف کو ملا کر پڑھا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امریکن حکومت کو اپنی پبلک کو جنگ کے لیے قائل کرنے کے لیے "پرل ہاربر" جیسے کسی بڑے واقعے یا حادثے کی ضرورت تھی۔ برزنسکی ڈیموکریٹ صدر، جمی کارٹر کا ایڈوائزر تھا لیکن بش انتظامیہ اس کے خیالات اور مشوروں کو بہت اہمیت دیتی اور قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

یہ کوئی محض اتفاق یا حادثہ نہیں ہے کہ "نیو امریکن سنچری" کے متن میں بھی بالکل برزنسکی کی تین سال پہلے شائع ہونیوالی کتاب جیسا متن پایا جاتا ہے۔ اگرچہ مصنف کی طرف سے "نیو پرل ہاربر" جیسے کسی واقع کے ظہور پذیر ہونے کو ملٹری کی جدید خطوط پر تنظیم کرنے کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ روائتی طور طریقوں سے ملٹری کی تنظیم نو کا کام بڑی سُست روی سے انجام پائے گا اور کانگریس سے فنڈ حاصل کرنے میں بے شمار رکاوٹیں کھڑی کی جائیں گی لیکن "پرل ہاربر" جیسا کوئی تباہ کن اور ہیجان انگیز واقعہ پیش آنے کی ہنگامی صورتِ حال میں حکومت کانگریس سے فوری طور پر منہ مانگے فنڈز حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی اور عوام کی ہمدردیاں بھی حاصل کرے گی۔ چنانچہ 9/11 کے حملوں نے حکومت کو "نیا پرل ہاربر" مہیا کر دیا اور امریکن انتظامیہ کو اپنے ایجنڈے پر عمل درآمد کا جواز مل گیا۔

Marfat.com

9/11 کا واقعہ اکیسویں صدی کا ایک ایسا تباہ کن واقعہ ہے جس نے پوری دنیا کو ہلا کے رکھ دیا ہے اور خصوصاً عالم اسلام کے خلاف، دہشت گردی کی آڑ میں، امریکہ نے تاریخ انسانی کی سب سے بڑی صلیبی جنگ شروع کر رکھی ہے۔ یہ جنگ انتہا پسند عیسائی بش خاندان کی ایک دیرینہ خواہش تھی۔ بڑے بش کے دور میں عراق کے خلاف جنگ ایسی دیرینہ خواہش کی ابتداء تھی لیکن اس وقت دنیا نے امریکہ کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ اگرچہ اس وقت بھی مشرق وسطیٰ کے سب سے زیادہ طاقتور ملک عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی تھی۔ اسرائیل سے حملہ کرا کے عراق کے ایٹمی پلانٹ کو تباہ کر دیا گیا تھا اور کویت کی حمایت میں عراق پر حملہ کر کے اس کی فوجی قوت کو تہس نہس کر دیا گیا تھا اور اپنی لونڈی اور داشتہ نام نہاد "اقوام متحدہ" سے عراق کے خلاف ناروا پابندیاں لگوا کر ایک خوشحال اور عرب ممالک میں سب سے زیادہ تیز رفتار ترقی پذیر ملک کو، صرف اسرائیل کو اس کے "شر" سے محفوظ بنانے کے لیے اس کی معیشت تباہ کر دی گئی تھی، لیکن ان سب گھناؤنی اور ناپاک کارروائیوں کے باوجود امریکہ عراق کی کمر توڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ کیونکہ دنیا امریکہ کی ہاں میں ہاں تو ملا رہی تھی لیکن عملی طور پر امریکہ کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

کتاب کے دیباچے میں انگلینڈ کے سابق وزیر اور ممبر پارلیمنٹ لکھتے ہیں۔

"جن سوالوں کا اب تک کوئی جواب نہیں مل رہا وہ بڑے چونکا دینے والے ہیں۔ جب گیارہ ممالک کی خفیہ ایجنسیوں نے 9/11 سے فوراً پہلے امریکن سی۔ آئی۔ اے اور FBI کو نہایت تفصیلی اور صحیح صحیح اطلاعات فراہم کر دی تھیں کہ امریکہ کے اندر دہشت گردی کا ایک بڑا واقعہ وقوع پذیر ہونے والا ہے تو امریکن انٹیلی جنس اداروں نے ان اطلاعات پر کوئی کارروائی کیوں نہ کی؟"

Marfat.com

''امریکہ کے سابق کرائم پراسیکیوٹر جان لوفٹس (Jonn Loftus) کا کہنا ہے کہ 9/11 سے فوراً پہلے یورپین خفیہ اداروں نے نہایت کارآمد اطلاعات فراہم کردی تھیں لیکن امریکن سی۔آئی۔اے اور ایف بی آئی کی طرف سے ان اطلاعات پر کوئی عمل درآمد نہ کرنا صرف ان اداروں کی نااہلی کہہ کر حقائق پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ اسرائیلی خفیہ انٹیلی جنس ایجنسی ''موساد'' (Mossad) نے اگست 2001ء میں امریکہ کو دو سو ایسے افراد کی ایک فہرست پیش کی تھی جو امریکہ کے اندر دہشت گردی کی تیاری میں مصروف تھے۔ اس لسٹ میں چار مبینہ ہائی جیکروں کے نام بھی شامل تھے جو اس وقت امریکہ کے اندر مختلف فلائنگ کلبوں میں جہاز اڑانے کی تربیت حاصل کر رہے تھے مگر امریکہ نے ان میں سے نہ تو کسی کو گرفتار کیا اور نہ ہی ان کی سرگرمیوں کی نگرانی کی۔

''زکریا موسوی (فرانسیسی مسلمان شہری) جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بیسواں ہائی جیکر تھا، کو اس وقت اگست 2001ء میں زیر حراست لیا گیا جب اس کے فلائنگ انسٹرکٹر نے اس کی مشکوک سرگرمیوں کی رپورٹ کی اور فرانسیسی حکومت نے امریکہ کو بتایا کہ زکریا ایک کٹر مذہبی انتہا پسند ہے۔ زکریا کے کمپیوٹر کی تلاشی سے 9/11 کے مشن کے بارے میں کچھ اشارے بھی ملے لیکن FBI نے ان معلومات کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔

''سب سے مشکل سوال جس کا کوئی جواب نہیں مل سکا یہ ہے کہ امریکہ جو دنیا کی سب بڑی فوجی طاقت ہے جس کے پاس دنیا کی اعلیٰ اور جدید ترین تکنیکی مہارت موجود ہے، جہازوں کے اغوا کے ڈیڑھ گھنٹہ بعد تک واشنگٹن کے نزدیک ترین فضائی اڈے انڈریو ائیر فورس بیس (Andrews Airforce Base) سے اپنے F16 طیاروں کو اغوا شدہ جہازوں کی تلاش کے لیے فضاء میں بلند کرنے سے قاصر رہا تاوقتیکہ ایک اغوا شدہ جہاز 9.35 بجے امریکن افواج کے ہیڈکوارٹر پنٹاگان (Pentagon) سے آٹکرایا۔ حالانکہ گذشتہ 9 ماہ کے دوران اغوا شدہ جہازوں کو فضاء میں تلاش کرنے اور ہنگامی حالات میں تباہ کرنے کے لیے 67 مرتبہ مشق کی گئی تھی۔ 9/11 کو بیک وقت چار جہازوں کے اغوا کے دوران یہ ساری مشقیں بیکار محض کیوں ثابت ہوئیں؟''

مائیکل میچر دیباچے میں مزید لکھتے ہیں۔ کتاب کا نام ''نیو پرل ہاربر'' ہے۔ عام خیال ہے کہ صدر روز ویلٹ کو جاپانیوں کے 7 دسمبر 1941ء کو ''پرل ہاربر'' پر حملے کے

Marfat.com

بارے میں پہلے سے وارننگ مل چکی تھی لیکن امریکن نیوی تک یہ اطلاع (جان بوجھ کر) نہیں پہنچنے دی گئی اور امریکن پبلک سے بھی چھپائی گئی تا کہ ''پرل ہاربر'' کی تباہی کے نتیجے میں امریکہ دوسری جنگ عظیم میں کودنے کا جواز پیدا کر سکے''۔

9/11 کے نتیجے میں امریکہ نے عالم اسلام کے خلاف جس طرح صلیبی جنگ کا آغاز کیا ہے اور دہشت گردی کے خلاف دنیا کی جس طرح حمایت حاصل کی ہے۔اس سے اس شبہ کو تقویت ملتی ہے کہ ہر قسم کی خفیہ معلومات واطلاعات کو پس پشت ڈال کر جس طرح اس واقعے کو وقوع پذیر ہونے دیا گیا،اس سے امریکن انتظامیہ اور بش حکومت کے ملوث ہونے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور 1941ء کے ''پرل ہاربر'' اور 9/11 کے واقعات میں مماثلت پائی جاتی ہے اور یہ مماثلت کتاب کے مصنف پروفیسر ڈیوڈ رے گرفن نے پیدا نہیں کی بلکہ بش انتظامیہ کے ایک تھنک ٹینک اور پالیسی ساز ادارے ''پروجیکٹ فار دی نیو امریکن سنچری (امریکہ کا نئی صدی کے لیے منصوبہ) (Project For The New American Centtury) جو ستمبر 2000ء میں صدارتی انتخابات کی مہم کے دوران بش کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔اس دستاویز میں کہا گیا ہے۔

''امریکہ کو آئندہ صدی کی سب سے بڑی سپر پاور بنانے اور دنیا سے منوانے میں لمبی مدت درکار ہوگی تاوقتیکہ کہ ''پرل ہاربر'' کی طرح کا کوئی تباہ کن اور ہیجان انگیز انقلاب عظیم واقع ہو جائے''۔

''اب اس کے بعد بش انتظامیہ کے متعلق 9/11 کے واقعہ میں ملوث ہونے کے بارے میں مزید کسی ثبوت کی ضرورت ہی نہیں رہی جبکہ انہوں نے اپنے انتخابی منشور میں اپنی تمناؤں کو خود بیان کر دیا ہوا ہے''۔

ڈیوڈ گرفن نے اپنی کتاب میں بے شمار چبھتے ہوئے اور تکلیف دہ سوال اٹھائے ہیں۔جن کا مکمل اور واضح جواب سامنے آنا چاہیئے تا کہ معلوم ہو سکے کہ جمہوریت میں سیاست دانوں اور ملٹری جرنیلوں کو عوام کے سامنے جوابدہ ہونا پڑتا ہے۔ورنہ جمہوریت کوئی معنی نہیں رکھتی۔

ڈاکٹر رے گرفن اپنی کتاب کے تعارف میں لکھتے ہیں۔

''9/11 کے حملے کو پرل ہاربر کے حملے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔تحقیقاتی رپورٹر جیمز

Marfat.com

بمفورڈ (James Bamford) اس روز صدر بش کے رویئے کے بارے میں کہتے ہیں" جدید دور کے پرل ہاربر کے درمیان بش نے اس روز، رات کو بستر پر لیٹنے سے پہلے اپنی ڈائری میں لکھا۔

"آج اکیسویں صدی کا پرل ہاربر وقوع پذیر ہو گیا"۔

اس ایک فقرے کا عموماً مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ 9/11 کے حملوں کا جواب بھی اسی طرح کا ہونا چاہئے۔ جس طرح کا جواب امریکہ نے "پرل ہاربر" پر طاقت کے اندھا دھند استعمال سے دیا تھا۔

11 ستمبر 2001ء کو صدر بش کے ریڈیو اور ٹیلیویژن پر قوم سے خطاب کے فوراً بعد سابق یہودی وزیر خارجہ ہنری کسنجر (Henry Kissinger) نے اپنے آن لائن مضمون میں حکومت کو مشورہ دیا تھا۔ "حکومت کو اس حملے کا جواب اسی طرح دینا چاہئے جیسا کہ پرل ہاربر پر حملے کے بعد دیا گیا تھا۔ ان سب طاقتوں کو نیست و نابود کرنا چاہئے جو اس حملے کے پیچھے ہیں"۔

"ٹائم" میگزین نے حملے کے فوراً بعد اپنے اڈیٹوریل میں لکھا۔

"ہمیں شستہ اور مہذب زبان میں اپنے زخموں کے مندمل ہونے کی باتوں کو خیر باد کہہ کر غصے اور اشتعال کے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے امریکہ کی طرف سے پوری طاقت اور قوت سے دشمنوں کو ایسا جواب دینا چاہئے جیسا کہ پرل ہاربر کے موقع پر دیا گیا تھا"۔

کچھ ایسی باتیں سامنے آئی ہیں کہ 9/11 کے واقعہ نے امریکہ کو اپنی فوجی طاقت کے ایسے مظاہرے کا سنہری مواقع فراہم کیا ہے جیسا کہ "پرل ہاربر" کے واقعہ نے پیدا کیا تھا۔ بش انتظامیہ کے ایک اعلیٰ ترین عہدہ پر فائز شخص نے الیکشن 2000ء کے دوران میں ایسی خواہشات کا اظہار کر دیا تھا کہ امریکی پالیسی میں دور رس تبدیلیاں اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکیں گی جب تک کہ پرل ہاربر کی طرز کا کوئی واقعہ وقوع پذیر نہ ہو۔ آسٹریلین صحافی جان پلگر (John Pilger) نے اس وقت لکھ دیا تھا کہ نیا پرل ہاربر وقوع پذیر ہو گیا ہے۔

"امریکن افواج کے انسٹیٹیوٹ آف سٹریٹیجک سٹڈی کے ایک اعلیٰ عہدیدار نے کہا

Marfat.com

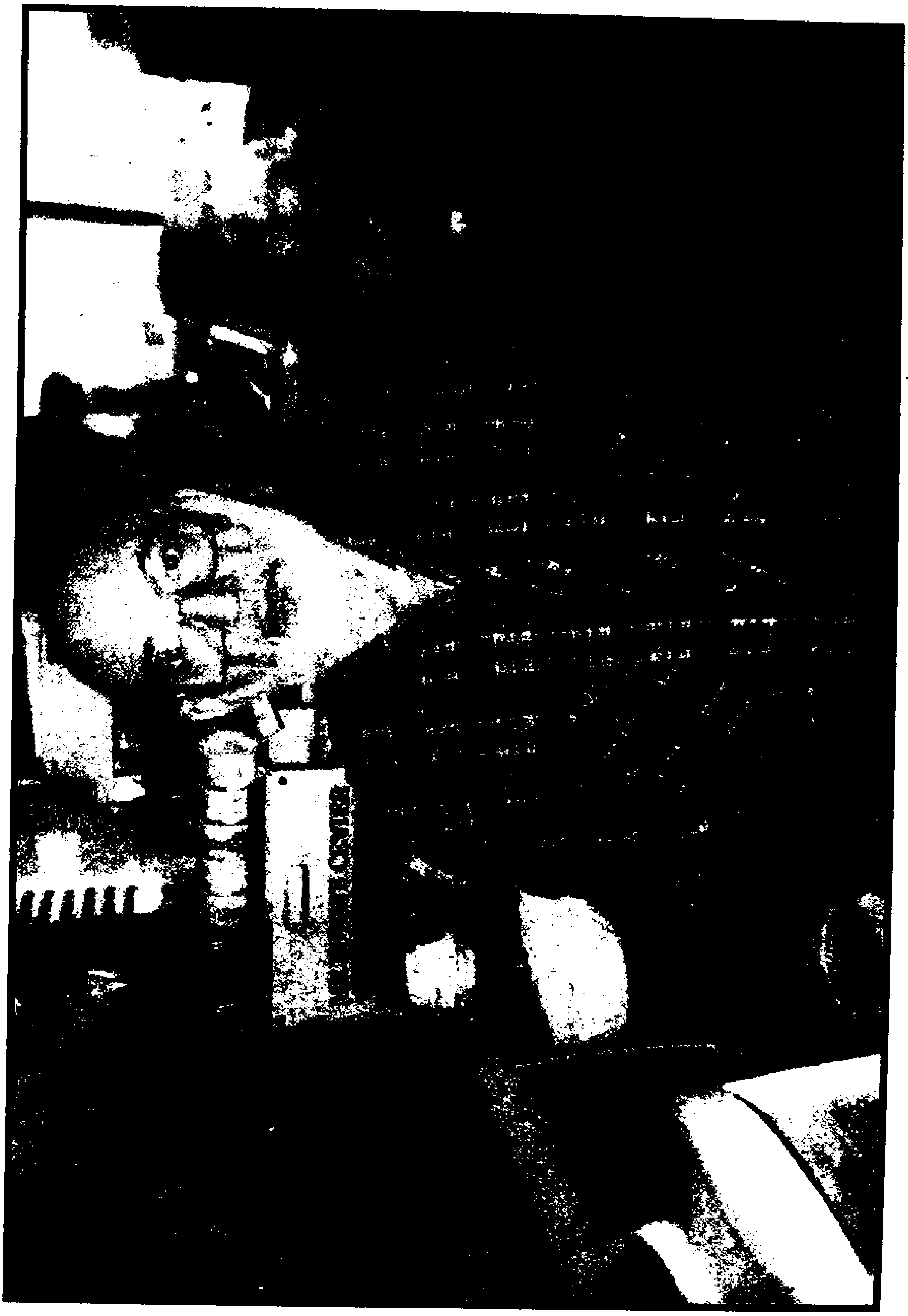

Marfat.com

"حکومت کو فوجی کارروائی کے لیے اپنے عوام کی اس قدر حمایت حاصل ہو گئی ہے جتنی کہ "پرل ہاربر" کے بعد حاصل ہوئی تھی"۔

9/11 کے واقعات کا پرل ہاربر سے موازنہ بلا جواز بھی نہیں ہے۔ 9/11 کے واقعات نے امریکہ اور پوری دنیا پر دوررس تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ ایسی تبدیلیاں جن کی مثال حالیہ تاریخ میں کہیں نہیں ملتی، ان واقعات نے بش انتظامیہ کو انسانی حقوق اور سول آزادیوں پر بے شمار پابندیاں لگانے کا موقع فراہم کیا، جیسا کہ پرل ہاربر کے واقعہ پر لگائی گئی تھیں۔ ان واقعات نے "دہشت گردی" کے خلاف جدوجہد کے نام پر افغانستان اور بعدازاں عراق پر وحشیانہ فوجی کارروائی کا جواز فراہم کیا۔

بش انتظامیہ کی دہشت گردی کے خلاف جنگ کو نئی اور جدید قسم کی سامراجیت اور امپریلزم سے تعبیر کیا جارہا ہے۔ دنیا پر امریکہ کی طرف سے ایسی فارن پالیسی مسلط کی جارہی ہے جس کو چیلنج کرنے کی کسی میں ہمت اور جرأت نہیں ہے۔ بش دوم کی انتظامیہ کی 9/11 کے بعد سامراجی پالیسی انتہائی واضح خود پسندی اور تکبر و غرور پر مبنی ہے۔ رچرڈ فاک نے صاف لفظوں میں اسے "دنیا پر تسلط کا پراجیکٹ" کا نام دیا ہے۔

9/11 کے واقعہ کے بعد پوری دنیا کی ہمدردیاں امریکہ کے ساتھ تھیں اور دہشت گردی کے خلاف امریکہ کو جنگ کی کھلی چھٹی دے دی تھی لیکن امریکہ نے جلد ہی یہ عالمی ہمدردی کھو دی اور آج امریکن غلط خارجہ پالیسی کو ویت نام کے جنگ کے دوران کی تنقید سے بھی زیادہ سخت مخالفت کا سامنا ہے۔ امریکہ کے پاس ہر تنقید اور مخالفت کا صرف ایک ہی جواب ہے۔ 9/11۔

عراق کی جنگ شروع کرنے سے پہلے جب یورپین ممالک نے امریکہ کی شدید مخالفت کی (سوائے برطانیہ کے) تو امریکہ کا صرف یہی جواب تھا کہ چونکہ یہ ممالک 9/11 جیسے حادثے سے دوچار نہیں ہوئے، اس لیے یہ ممالک امریکہ کی بے جا مخالفت کر رہے ہیں۔

امریکن پریس کا رویہ

تاریخ دان جب پیچھے مڑ کر 9/11 کے واقعات پر غور کریں گے تو اس نتیجے پر پہنچیں

Marfat.com

گے کہ یہ واقعہ اکیسویں صدی میں امریکن سامراجیت کا نقطہ آغاز تھا۔

9/11 کی پہلی برسی کے موقع پر امریکہ کے مؤثر اخبار "نیویارک ٹائمز" نے لکھا۔

"ایک سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی امریکن عوام ان حالات سے بے خبر ہیں جن حالات میں دن دیہاڑے 2801 شہری ہلاک ہو گئے۔ حالانکہ 1912ء میں ٹائی ٹانک (Titanic) جہاز کی غرقابی کے سلسلے میں عوام اصل صورت حال سے آگاہ ہو گئے تھے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بش انتظامیہ 9/11 کے واقعات کی تحقیقات اور انکوائری سے مسلسل انکار کرتی رہی ہے اور جواز یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ایسی تحقیقات کے نتیجے میں انتظامیہ کی توجہ دہشت گردی کے خلاف جنگ سے ہٹ جائے گی۔

عوام اس لیے بھی اصل حالات سے بے خبر ہیں کیونکہ "ٹائم" اور دوسرے اخبارات نے اپنے تحقیقاتی رپورٹروں کو ان کے تحقیقاتی کام سے روک دیا تھا۔ اگر کسی رپورٹر نے کوئی ایسی تحقیقات اپنے طور پر کی، تو اسے شائع کرنے سے انکار کر کے منظر عام پر نہیں آنے دیا گیا۔ دوسری برسی کے موقع پر "فلاڈلفیا ڈیلی نیوز" نے 4 ستمبر 2003ء کو لکھا۔

"کیا وجہ ہے کہ 730 دن گزرنے کے بعد بھی ہم اصل حالات سے بہت کم آگاہ ہیں کہ اس روز (9/11 کو) کیا ہوا تھا؟"

امریکن پریس نے وہی تصویر پبلک کے سامنے پیش کی جو حکومتی نقطۂ نظر پر مبنی تھی۔ بہت سے اخبارات اور ٹیلیویژن چینلو نے حکومتی نقطۂ نظر کے متضاد اور بعض اوقات ایک دوسرے سے بالکل مختلف بیانات کے بارے میں بعض نہایت سنجیدہ اور چبھتے ہوئے سوالات اٹھائے اور حکومت کے نقطۂ نظر کو جھٹلایا، لیکن پریس نے بحیثیت مجموعی اپنی ذمہ داری کا ثبوت نہیں دیا۔

ایوارڈ یافتہ صحافیوں، جیسے کینڈا کے بیری ذوکر (Barrie Zwicker) گریگوری پالاسٹ (Gregory Palast) اور بہت سے دوسرے صحافیوں نے حکومتی نقطۂ نظر کو جھٹلایا اور اصل حقائق بیان کرنے کی جرأت کی، لیکن ان کی تحقیقات کو منظر عام پر نہیں آنے دیا گیا اور حکومت کی طرف سے ان کے کام کو "اشتعال انگیز" کہہ کر رد کر دیا گیا۔

حکومت کے نقطۂ نظر کو جھٹلانا اور رد کرنا واقعی بڑا اشتعال انگیز ہے کیونکہ اس سے یہ

Marfat.com

ثابت ہوتا ہے انتظامیہ نے، صدر سمیت، 9/11 کے بارے میں جھوٹے دعوے پیش کئے ہیں اور ایسا ہے تو ظاہر ہے انہوں نے اس حادثے میں اپنے ملوث ہونے کی پردہ پوشی کی کوشش کی ہے۔

ہم یہ دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں کہ ہمارا پریس آزاد ہے جبکہ وہ ایسے واضح ثبوت اپنے موجودہ صدر کے خلاف یہ کہہ کر شائع کرنے سے انکار کر دے کہ یہ "اشتعال انگیز" ہیں۔ کیا صدر نکسن کے خلاف "واٹر گیٹ سکینڈل" اشتعال انگیز نہیں تھا؟ صدر ریگن کے خلاف "ایران کونٹرا" کے بارے میں الزامات "اشتعال انگیز" نہیں تھے؟ پریس نے وہ سب معاملات بڑی جرأت سے عوام کے سامنے پیش کئے۔ موجودہ حالات میں ہمیں آزاد پریس کی اشد ضرورت ہے، لیکن 9/11 کے بارے میں پریس اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے میں ناکام رہا ہے۔ پریس کا کام صرف حکومت کا جھوٹا نقطۂ پیش کرنا ہی مطمع نظر نہیں ہونا چاہئے۔ حالانکہ اگر انتظامیہ کا نقطۂ نظر غلط ثابت ہوتا ہے تو یہ ماضی کے تمام سکینڈل سے بڑا سکینڈل ثابت ہوگا۔

حکومت نے 9/11 کے واقعہ کو افغانستان اور عراق کے خلاف جنگ کے جواز کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس سے نہ صرف لڑاکا افواج کی اموات واقع ہوئی ہیں بلکہ 9/11 کو مرنے والوں کی تعداد سے کہیں زیادہ معصوم شہری، مرد عورتیں اور بچے قتل ہو گئے ہیں۔

اسی واقعہ کو جواز بنا کر دنیا بھر میں بے شمار خفیہ اپریشن کئے گئے ہیں جن سے امریکن عوام قطعاً بے خبر ہیں۔ اسی کو بہانہ بنا کر پیٹریاٹ ایکٹ (Patriot Act) کا نفاذ کیا گیا ہے جس کے ذریعے امریکی عوام کی شہری آزادیوں کو سلب کر لیا گیا ہے۔ اسی بہانے سے بے شمار انسانوں کو گوانٹاناموں اور دوسرے علاقوں میں قیدی بنا کر رکھا گیا ہے۔ ان سب کے باوجود "پریس" صدر بش سے 9/11 کے بارے میں سوال اٹھانے سے قاصر رہا ہے۔ حالانکہ یہی پریس سابق صدر بل کلنٹن کے مونیکا لونسکی سے تعلقات کو خوب اچھالتا رہا ہے۔ پریس کے رویئے میں یہ عجیب تضاد ہے۔

امریکن میڈیا کی اس ناکامی کو کچھ "درون خانہ رازدان" بھی تسلیم کرتے ہیں۔ سی، این این (CNN) انٹرنیشنل کی ایگزیکٹو وائس پریذیڈنٹ رینا گولڈن (Rena Golden) نے اگست 2002 میں تسلیم کیا کہ امریکن پریس نے 9/11 اور جنگ

Marfat.com

افغانستان کے بارے میں خود اپنے آپ پر "سنسر" لگا رکھا ہے۔ اگر کوئی آپ سے یہ کہتا ہے کہ امریکن پریس آزاد ہے، وہ آپ سے مذاق کر رہا ہے۔ یہ صرف سی۔ این۔ این تک محدود نہیں ہے۔ ہر صحافی اس کا ذمہ دار ہے" یہی بات ٹیلیویژن چینل سی بی ایس CBS کے ڈان راتھر (Dan Rather) نے کہی ہے۔

"ایک وقت تھا کہ ساؤتھ افریقہ میں حکومت کے خلاف رائے رکھنے والوں کے گلے میں جلتے ہوئے ٹائر ڈال دیئے جاتے تھے تا کہ وہ حکومت وقت کی مخالفت کا مزہ چکھیں۔ یہی خوف اب یہاں موجود ہے کہ اگر آپ نے حکومتی نقطۂ نظر کی مخالفت کی تو آپ کے گلے میں غداری کا ہار ڈال دیا جائے گا۔ یہی خوف صحافیوں کو سخت ترین سوال پوچھنے سے باز رکھے ہوئے ہے"۔

راتھر کے بیان سے صحافیوں کی مجبوری کچھ کچھ سمجھ میں آتی ہے۔ جبکہ ایسے صحافیوں کو جو حکومت سے سخت سوالات پوچھیں۔ اپنے مالکان کی طرف سے برطرفی کا خطرہ بھی ان کے ذہن پر سوار ہوتا ہے۔

حکومت کے نقطۂ نظر کو سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ بنانے والے مصنف اور فرانسیسی صحافی تھیری میسان (Thierry Meyssan) کا کہنا ہے کہ حکومت کی کہانی کو چیلنج کرنے والوں کو نہ صرف غیر محب وطن بلکہ قابل نفرت بھی گردانا جاتا ہے۔

12 ستمبر (2001ء) کو صدر بش نے برائی کے خلاف عظیم جدوجہد کرنے کا عہد کیا۔ 13 ستمبر کو بش نے اعلان کیا کہ اگلا دن "قومی دعا کا دن" اور دہشت گردوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے والوں کی یاد کا دن ہوگا۔ 14 ستمبر کو صدر نے (مسلمانوں کے کٹر مخالف پادری) بلی گراہم (Billy Graham) ایک اور پادری، ایک ربی (یہودیوں کا پیشوا) ایک امام اور چار سابقہ صدور کے جلو میں مندرجہ ذیل مذہبی خطبہ دیا۔

"ان حملوں کا جواب دینے اور برائی کے خاتمے کے لیے ہماری تاریخی ذمہ داری بڑی واضح ہے۔ خفیہ طریقے، دھوکے اور فریب اور قتل عام سے ہمارے خلاف جنگ شروع کر دی گئی ہے۔ یہ قوم پُر امن ہے لیکن اگر اسے غصہ اور اشتعال دلایا جائے تو بڑی تند خو اور ظالم ہے۔ ہر نسل کے لیے دنیا نے آزادی کے دشمن پیدا کیے ہیں۔ انہوں نے امریکہ کو اس لیے نشانہ بنایا ہے کہ ہم آزادی کے علمبردار ہیں اور اس کا دفاع کرتے ہیں۔ ہمارے

Marfat.com

بزرگوں کی روایت ہمیں آج پکار رہی ہے۔ ہم خدا سے دعا گو ہیں کہ ہماری قوم کی حفاظت کرے، ہمیں صبر، حوصلہ اور آنے والے وقتوں میں پُرعزم رہنے کی توفیق دے اور وہ ہمیشہ ہمارے ملک کی رہنمائی فرمائے۔ خدا امریکہ پر اپنی رحمتیں نازل کرے"۔

اس بے مثال موضوع پر صدر امریکہ نے ایک گرجا گھر کے اندر سے جنگ کا اعلان کیا۔ حکومت نے جنگ کے جواز کے لیے حالات کو اپنے ڈھب پر ڈھالا۔ اس کے بعد حکومت سے کسی سچائی کی توقع عبث تھی۔

چونکہ سرکاری نقطہ نظر کے خلاف کچھ کہنے اور لکھنے کو حب الوطنی کے خلاف مانا جارہا تھا، اس لیے رینا گولڈن اور ڈان راتھر، دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ امریکن پریس نے حکومت سے کوئی سوال اٹھانے کی جرأت ہی نہیں کی۔ دائیں بازو اور اعتدال پسند سیاسی تبصرہ نگاروں نے بھی حکومتی نقطہ نظر کے خلاف زبان کھولنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یہ بات بھی حیران کن نہیں ہے کہ ان میں سے بعض نے بشمول سوشل اور سیاسی اخلاقیات کے پروفیسر جین بتھکے ایلشٹین (Jean Bethke Elshtain) نے یہاں تک اعلان کر دیا کہ اس واقعہ کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ انتظامیہ یا صدر امریکہ اس میں ملوث ہیں، انتہائی اشتعال انگیز، خلاف فطرت اور حب الوطنی کے خلاف اور گناہ ہے۔ اس پس منظر میں سرکاری نقطہ نظر کے خلاف دانشوروں کی طرف سے پیش کی گئی شہادتوں کو زیر غور لانا ہی تضیع اوقات سمجھ لیا گیا ہے۔

سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ امریکہ کے بائیں بازو کے پریس نے، جسے غیر محب وطن یا سازشی کہلانے کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، نے اس معاملے میں خاموشی ہی کو پسند کیا ہے اور حکومت کے اس واقعے میں ملوث ہونے کے بارے میں کم از کم کھل کر عوام کے سامنے اپنا زاویہ نگاہ پیش نہیں کیا ہے۔

ناقدین اس بات پر سخت معترض ہیں کہ بش نے 9/11 کے واقعات کو اپنے سیاسی مقاصد کو آگے بڑھانے کے لیے استعمال کیا ہے۔ انتظامیہ نے ایسی پالیسیاں بنائی ہیں اور ایسے اقدامات کئے ہیں جن کا واقعات سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ یہ پالیسیاں اور اقدامات پہلے ہی بش انتظامیہ کے ایجنڈے کا حصہ تھے۔ انہیں روبہ عمل لانے کے لیے حکومت نے 9/11 کے واقعہ کو بطور بہانہ اور جواز استعمال کیا ہے۔ ناقدین یہ بھی جانتے

Marfat.com

ہیں کہ ماضی میں بھی ریاستہائے متحدہ امریکہ نے جنگ میں کودنے کے لیے ایسے جواز خود گھڑے ہیں۔ میکسیکو، کیوبا اور ویت نام کے خلاف جنگ شروع کرنے سے پہلے ایسے ہی حادثات کو جنم دیا گیا تھا۔ بہت کم دانشوروں نے اس بات پر سنجیدگی سے غور کیا ہے کہ ہوسکتا ہے 9/11 کا حادثہ بھی نئی جنگیں شروع کرنے کے لیے برپا کرایا گیا ہو۔ اگر یہ بات درست ثابت ہو جائے تو بش انتظامیہ کی تمام پالیسیاں اور اقدامات کھوکھلے ثابت ہو جائیں گے۔ بش انتظامیہ کبھی یہ برداشت نہیں کرے گی کہ سچائی عوام کے سامنے آئے۔

امریکن سامراجیت کے ایک سخت ترین ناقد اور جرأت اور دلیری کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرنے والے دانشور اور محقق راہول مہاجن (Rahul Mahajan) نے ایک واضح مثال پیش کی ہے۔ اس نے پراجیکٹ فار دی نیو امریکن سنچری (Project For The New American Century) کا 9/11 کے واقعات کی روشنی میں تجزیہ کیا ہے۔ اس دستاویز میں جو 2000ء میں تیار کی گئی تھی، امریکہ کے دفاعی اخراجات میں بے تحاشہ اضافے کا جواز پیدا کرنے کے لیے کسی نئے ''پرل ہاربر'' کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے تاکہ امریکہ کے سامراجی عزائم کو آگے بڑھایا جاسکے۔ اس دستاویز کے تین مرکزی نکات اس طرح سے ہیں۔

ا۔ دنیا کے اردگرد مزید فوجی چھاؤنیاں قائم کی جائیں تاکہ دنیا کو اپنی طاقت سے مرعوب کیا جاسکے۔

ب۔ جو حکومتیں امریکہ کی تابع فرمان نہیں ہیں انہیں امریکی مفادات کے تحت بزور طاقت تبدیل کیا جاسکے۔

د۔ دفاعی اخراجات میں بے تحاشا اضافہ کیا جائے خصوصاً ''میزائل ڈیفنس'' کے شعبے میں تاکہ دنیا پر امریکی فوجی طاقت کی دھاک بیٹھ جائے اور وہ امریکہ کی سامراجی پالیسیوں کی مخالفت کی جرأت نہ کرسکیں۔

مہاجن کے خیال کے مطابق 9/11 کے واقعات نے بش ایڈمنسٹریشن کو دفاعی بجٹ میں بے پناہ اضافے کا ایک قدرتی جواز فراہم کر دیا۔ بش اور نائب صدر ڈک چینی پہلے ہی آئل کے کاروبار سے وابستہ تھے۔ انہیں عراق کے آئل پر قبضہ کا سنہری موقع مل گیا۔

اس دستاویز میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملٹری کے نظام میں تبدیلی اور دفاعی بجٹ میں

Marfat.com

لامحدود اضافہ سیاسی طور پر اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتا جب تک کہ کوئی ناگہانی آفت یا ہیجان انگیز سیاسی انقلاب پیدا نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس دستاویز کے تیار کرنے والوں کو قدرت نے ایک سال کے اندر اندر ہی ان کا ''پرل ہاربر'' مہیا کر دیا اور انہیں اپنے سامراجی عزائم کو عملی شکل دینے کا شاندار موقع مل گیا۔ مہاجن کے مؤقف کے مطابق 9/11 کے حملے حکومتی سازش اور گٹھ جوڑ کے بغیر ممکن ہو ہی نہیں سکتے تھے۔

یہ کتاب لکھنے کا خیال کیسے آیا؟

موسم بہار 2003ء تک میں نے ان شہادتوں اور ثبوتوں پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ جو حکومتی نقطۂ نظر کے خلاف انٹرنیٹ پر پیش کیے جا رہے تھے۔ بعض لوگ 9/11 کے واقعات میں حکومتی اہلکاروں کے براہ راست ملوث ہونے کے بارے میں اظہار خیال کر رہے تھے، لیکن میں نے کوشش ہی نہیں کی ان کی ویب سائٹ کو کھنگال سکوں۔ میں 9/11 کے بعد امریکن توسیع پسندی اور سامراجیت کی تاریخ کا عمیق نظر سے مطالعہ کر رہا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ امریکن حکومت نے ماضی میں جنگ کے مواقع پیدا کرنے کے لیے اکثر خود ہی ''حادثات'' پیدا کیے تھے۔ اگرچہ میرے دماغ میں یہ خیال بھی اکثر آتا رہا کہ اسی طرح 9/11 کے حادثات بھی شاید حکومت نے خود گھڑے ہوں گے لیکن میں نے اس امکان کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔ میں اس بات کو ناقابل یقین تصور کرتا تھا کہ بش انتظامیہ۔ جی ہاں۔ بش انتظامیہ بھی ایسا گھناؤنا کام کر سکتی ہے۔ میرا خیال تھا کہ جو لوگ ''سازشی نظریہ'' پیش کر رہے ہیں، وہ اہانت آمیز نظریہ پیش کر رہے ہیں اور یقیناً ان کی سوچ گھٹیا ہے۔ میں جانتا تھا کہ اگر ان کا خیال صحیح ہے تو یہ ایک نہایت اہم بات ہے، لیکن میرا خیال تھا کہ وہ غلط ہیں اور ان کے اس نظریے کی بنیاد غیر واضح ثبوتوں اور عام افواہوں پر مبنی ہے۔ میرا ایسی تحریروں کی چھان پھٹک کرنے پر وقت ضائع کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ مجھے ان سے ہمدردی تھی حالانکہ زیادہ تر نے شہادتوں کا گہری نظر سے جائزہ نہیں لیا تھا۔ زندگی مختصر اور سازشی نظریات کی فہرست بہت طویل ہے۔ لہٰذا ہمیں خود فیصلہ کرنا چاہیے کہ اپنا وقت کس کام کے لیے صرف کریں۔ میرا خیال تھا کہ ''سازش کا نظریہ'' 9/11 کے واقعات کے سلسلے میں قابل اعتبار نہیں ہے۔

Marfat.com

پھر مجھے اپنی ایک ساتھی پروفیسر کی ای میل موصول ہوئی جس میں اس نے مجھے متعلقہ ویب سائٹ مہیا کی تھیں۔ میں جانتا تھا کہ وہ ایک نہایت ذمہ دار اور سنجیدہ شخصیت ہے۔ میں نے انٹرنیٹ پر مہیا کردہ شواہد کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ خصوصاً ایک مضمون جس کا عنوان تھا۔ ''کیا 9/11 کو دانستہ طور پر وقوع پذیر ہونے دیا گیا؟'' یہ ایک غیر جانبدار اور آزادی سے تحقیقاتی کام کرنے والے صحافی پال تھامسن (Paul Thomson) کی تحقیقات کا نچوڑ تھا۔ مجھے بہت تعجب بلکہ حیرت ہوئی کیونکہ پال تھامسن ایک اعتدال پسند محقق ہے۔ اس کو ایسے کیا ثبوت ملے ہیں کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ بش انتظامیہ نے 9/11 کے حملوں کو جان بوجھ کر وقوع پذیر ہونے دیا۔ اسی دوران مجھے گور وائڈال (Gore Vidal) کی کتاب ''جنگی خواب، تیل کے لیے خون کا نذرانہ اور چینی۔بش جنتا'' Dreaming War: Blood For Oil And Cheny Bush Janta) پڑھنے کا موقع ملا۔ اس نے مجھے ایک اور نہایت اہم کتاب کی طرف متوجہ کیا جو 9/11 کے بارے میں تھی اور جس کا عنوان تھا۔ وار آن فریڈم ہاؤ اینڈ وائی امریکہ واز اٹیکڈ ستمبر 11,2001۔

The War on Freedom: How And Why America Was) Attacked September 11,2001) یہ کتاب نفیظ احمد کی محققانہ تصنیف تھی جو انگلینڈ کے ایک آزاد محقق ہیں۔ یہ کتاب نہایت اہم دستاویزات اور دستیاب حقائق کی بنیاد پر 9/11 کے واقعہ پر تفصیل سے روشنی ڈالتی ہے اور ثابت کرتی ہے کہ امریکن خفیہ ایجنسیوں کی ''ناکامی'' (یا دانستہ چشم پوشی) اس واقعہ کی ذمہ دار نہیں ہے۔ تھامسن کی طرح احمد کا بھی خیال ہے کہ یہ حملے امریکن انتظامیہ کی اعلیٰ ترین شخصیات کے ملوث ہوئے بغیر ممکن ہی نہ تھے۔ نچلے طبقے کی نااہلی سے یہ حملے ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ احمد اور تھامسن کے پیش کیے گئے شواہد سے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ ایک مضبوط کیس ہے۔ جس کی امریکن پریس کی طرف سے تحقیق اور جانچ پرکھ ہونی چاہئے اور امریکن کانگریس اور 9/11 کے انکوائری کمیشن کو بھی اس پہلو پر توجہ دینی چاہئے اور صرف ایک اسی بات پر تمام توجہ نہیں مبذول رکھنی چاہئے کہ یہ حادثہ انٹیلی جنس اداروں کی ناکامی کی وجہ سے پیش آیا۔

مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ احمد اور تھامسن نے جو اہم تحقیقاتی کام کیا ہے، اسے

Marfat.com

امریکن عوام کے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔ تھامسن کی تحقیقات اس وجہ سے پبلک کے سامنے نہ آسکیں کہ وہ صرف انٹرنیٹ پر موجود تھی۔ اگرچہ احمد کا کام ایک کتاب کی شکل میں تھا، لیکن یہ ایک ضخیم کتاب تھی جس میں اس کیس سے متعلقہ مواد کے علاوہ بھی بے شمار لمبی چوڑی دلیلیں موجود تھیں اور یہ غیر ضروری مواد زیادہ تر کتاب کے ابتدائی حصے میں موجود تھا اور سرکاری نقطۂ نظر کو جھٹلانے والے میٹریل تک پہنچنے سے پہلے اس غیر ضروری مواد کو پڑھنا ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی۔ مصروف لوگوں اور ممبران کانگریس تک احمد اور تھامسن کی تحقیقات کے نتائج پہنچانے کے لیے کچھ بہتر کام کرنے کی ضرورت تھی۔

میں نے فیصلہ کیا کہ احمد، تھامسن اور اسی طرح کے دوسرے محققین پر نظر ثانی کر کے 9/11 کے بارے میں ایک رسالے کے لیے مضمون لکھوں اور ان کی تحقیقات کا نچوڑ پیش کروں، لیکن میرا مضمون اتنا طویل ہو گیا کہ ایک کتاب کے مسودے کی شکل اختیار کر گیا۔ اگرچہ میں نے پوری پوری کوشش کی کہ اپنے آپ کو ان لوگوں کی نہایت اہم تحقیقات تک محدود رکھوں اور آسانی سے سمجھ میں آنے والے دلائل کو پیش کروں لیکن ہر بات اتنی اہم اور جامع تھی کہ اسے اپنے مضمون میں شامل کیے بغیر ان کی تحقیقات سے انصاف نہیں کیا جا سکتا تھا۔

جب میں نے یہ کتاب لکھنا شروع کر دی تو میری توجہ فرانسیسی محقق اور صحافی تھیری میسان (Thiery Meyssan) کی تحقیقات کی طرف چلی گئی جس نے یہ مفروضہ پیش کیا تھا کہ امریکن افواج کے ہیڈ کوارٹر ''پنٹاگان'' سے ٹکرانے والا بوئنگ 757 ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ یہ ایک گائڈڈ میزائل تھا۔

جبکہ سرکاری بیان کے مطابق ''پنٹا گان'' سے ٹکرانے والی فلائٹ 77 بوئنگ 757 پر مشتمل تھی۔ جب شروع میں میسان کے اس مفروضے کے بارے میں سنا تھا تو دوسرے لوگوں کی طرح میں نے بھی اسے ایک ناقابل یقین، بیہودہ اور گھٹیا خیال سمجھا تھا۔ ایک میزائل میں اور ایک عظیم الجثہ بوئنگ 757 کے سائز میں بہت زیادہ فرق ہے اور اگر ''پنٹا گان'' سے بوئنگ 757 کی بجائے میزائل ٹکرایا تھا تو ملٹری حکام کس طرح اسے بوئنگ 757 کہہ رہے تھے۔ کیا پریس سے ہمیں یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ پنٹا گان کی دیوار میں پڑنے والا سوراخ دو سو فٹ چوڑا اور پانچ سٹوری بلڈنگ کے برابر اونچا تھا کیا ہمیں فلائٹ 77 کی

Marfat.com

ایک مسافر ٹی وی کمنٹیٹر باربرا اولسن کے بیان سے یہ آگاہی نہیں ہوئی تھی کہ فلائٹ 177 اغوا ہونے کے بعد واشنگٹن کی طرف بڑھ رہی تھی؟ (باربرا اوسن نے اپنے موبائیل فون سے جہاز کے اندر سے اپنے خاوند کو مبینہ طور پر یہ بات بتائی تھی) پھر کیا چشم دید گواہوں نے جہاز کو نہیں پہچانا تھا؟

9/11 کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کرنے والوں کی اکثریت نے (کہ حکومت ان واقعات میں کسی نہ کسی طرح ملوث ہے) حکومت کے اس دعوے کو تسلیم کرلیا تھا کہ پنٹاگان سے فلائٹ 77 ہی ٹکرائی ہے اور یہ سب لوگ ایک غلط بات کو درست کیسے مان سکتے تھے؟

جب تھیری میسان (Thierry Meyssan) کی کتاب (The Big Lie) کا میں نے خود مطالعہ کیا تو مجھے اس کا مفروضہ اور خیال بہت مضبوط نظر آیا۔ میسان کے پیش کردہ دلائل کے مطالعے کے بعد میں اس بات کا قائل ہوگیا کہ سرکاری بیان غلط اور جھوٹے ہیں۔ عام پبلک اب بھی سرکاری نقطۂ نظر کو ہی درست تسلیم کرتی ہے کیونکہ اصل حقائق عوام کے سامنے لائے ہی نہیں گئے۔ یہ کتاب انہیں الجھی ہوئی شہادتوں کو عوام کے سامنے پیش کرنے کی ایک کوشش ہے تا کہ امریکی عوام اصل صورت حال اور حقائق سے آگاہ ہوسکیں۔

احمد کی کتاب اگرچہ بہت جامع اور معلوماتی ہے، اپنے اندر وہ تمام حقائق اور شہادتیں نہیں رکھتی جو تھامسن نے ٹائم لائن اور میسان نے دروغ عظیم (The Big Lie) میں پیش کی ہیں، لیکن یہ کتابیں مارکیٹ میں عام دستیاب نہیں ہیں۔ میں نے ان کتابوں اور بہت سے دیگر ذرائع سے حاصل ہونے والی شہادتوں کو اپنی اس کتاب میں یکجا کردیا ہے۔

اس کتاب کے ابواب

حکومت کی طرف سے 9/11 کے بارے میں پیش کئے گئے بے جوڑ اور بے ربط بیانات کو اس کتاب کے پہلے حصے کے چار ابواب میں پیش کر کے انہیں غلط اصل حقائق کے منافی ثابت کیا گیا ہے۔ دوسری قسم کی چار شہادتوں کو دوسرے باب میں زیر بحث لایا گیا

Marfat.com

ہے اور ان کو "پریشان کن سوالات" کا عنوان دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ چبھتے ہوئے سوالات میسان کی کتاب کے انگلش ترجمے کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ جس کا نام ہی "دروغ عظیم" (The Big Lie) ہے۔ صدر بش نے بجا طور پر 9/11 کے حملوں کو "برائی کا حملہ" کہا ہے اور یہ امریکن اہلکاروں کے ملوث ہوئے بغیر ممکن ہی نہ تھا۔

سرکاری ساز باز کے ممکنہ معانی

اگر چہ سرکاری نقطہ نظر کے مخالفین نے 9/11 کے بارے میں اپنی تحریروں میں سرکاری اہلکاروں کے اس واقعہ میں ملوث ہونے کا اشارہ دیا ہے، لیکن اس بات کی تشریح نہیں کی گئی کہ سرکاری ساز باز سے ان کی مراد کیا ہے؟ میں نے اس کتاب کے پڑھنے والوں کی سہولت کے لیے مندرجہ ذیل آٹھ نکات ان کے سامنے پیش کر دیے ہیں تا کہ وہ خود اس بات کا فیصلہ کر سکیں کہ بش انتظامیہ کس حد تک اس سازش میں ملوث ہے۔

1- جھوٹ پر مبنی واقعات کی تفصیل:

ایک خیال یہ بھی ہے کہ ممکن ہے امریکہ کی انتظامیہ نے ان حملوں کے سلسلے میں کوئی آسانیاں نہ پیدا کی ہوں اور ان حملوں کے بارے میں وہ قطعاً لاعلم رہے ہوں، لیکن انہوں نے عوام کے سامنے ان حملوں کی غلط تفصیلات پیش کیں۔ خواہ حفاظتی نقطہ نظر سے یا قومی مفادات کی پردہ پوشی کے لیے، لیکن ان حملوں کی آڑ میں انہوں نے اپنے پہلے سے طے شدہ ایجنڈے کو عملی جامہ پہنایا۔ یہ ایک نہایت سنجیدہ الزام ہے اور صدر بش نے اگر جانتے بوجھتے قوم کے سامنے جھوٹ بولا اور ان حملوں کو افغانستان اور عراق پر چڑھائی کا جواز بنایا ، تو یہ الزام صدر پر مقدمہ چلانے اور مواخذے (Impeachment) کے لیے کافی ہے۔

2- انٹیلی جنس ایجنسیاں کسی واقعہ کی منتظر تھیں:

دوسرا خیال یہ ہے کہ اگر چہ کسی انٹیلی جنس ایجنسی کے پاس پہلے سے کسی قطعی حملے کی اطلاع نہیں تھی، لیکن ایف بی آئی (FBI) سی آئی اے (CIA) اور ملٹری انٹیلی جنس کو کسی

Marfat.com

ممکنہ حملے کی توقع ضرور تھی۔ اگرچہ حملوں کی منصوبہ بندی میں انہوں نے کوئی مدد نہیں دی، لیکن انہوں نے حملوں کو روکنے کے لیے جان بوجھ کر کوئی قدم نہیں اٹھایا اور اس طرح حملہ آوروں کے لیے سہولت پیدا کی۔ ''وائٹ ہاؤس'' (صدارتی محل) کے علم کے بغیر یہ کارنامہ انجام دینے کے بعد نہ صرف انٹیلی جنس ایجنسیوں نے وائٹ ہاؤس کو اصل حقائق چھپانے اور جھوٹی کہانی گھڑنے پر مجبور کیا۔ بلکہ اپنے اس ایجنڈہ پر عمل درآمد کا مشورہ بھی دیا جس کی خاطر عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لیے یہ واقعات پیش آنے دیئے گئے تھے۔

3- انٹیلی جنس ایجنسیوں کو قطعی واقعہ کی توقع:

ایک تیسرا نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ خفیہ اداروں کو (وائٹ ہاؤس کو نہیں) کسی قطعی واقعہ کے ظہور پذیر ہونے کے وقت کا علم تھا اور جس جگہ حملہ ہونا تھا، اس کے بارے میں بھی پہلے سے جانکاری تھی۔

4- انٹیلی جنس ایجنسیاں منصوبے میں شامل تھیں:

چوتھا شبہ یہ ہے کہ خفیہ ادارے (وائٹ ہاؤس نہیں) ان حملوں کی منصوبہ بندی میں بہت حد تک شریک رہے ہیں۔

5- پنٹاگان بھی ملوث تھا:

پانچواں ممکنہ خیال یہ بھی ہے کہ پنٹاگان (وائٹ ہاؤس نہیں) ان حملوں کی منصوبہ بندی میں سرگرم شریک رہا ہے۔

6- وائٹ ہاؤس کو کسی واقعہ کی توقع تھی:

چھٹا نقطہ نظر یہ ہے کہ وائٹ ہاؤس کو اگرچہ پہلے سے قطعی طور پر ان حملوں کے وقوع پذیر ہونے کا علم نہیں تھا لیکن توقع ضرور تھی اور اس نے واقعات کے سلسلے میں آسانیاں فراہم کیں۔ کیونکہ ان حملوں کو روکنے کے لیے کوئی احکام جاری نہیں کیے اور اس طرح ایک پارٹی بن گیا۔ تاہم ان حملوں کے نتیجے میں بہت زیادہ تباہی اور اموات سے اسے صدمہ

Marfat.com

سے دوچار ہونا پڑا۔

7- وائٹ ہاؤس کو پہلے سے علم تھا:

ساتواں ممکنہ خیال یہ ہے کہ وائٹ ہاؤس کو قطعی طور پر حملے کے وقت اور جگہ کے بارے میں پہلے سے ہی علم تھا۔

8- وائٹ ہاؤس منصوبہ بندی میں شریک تھا:

Marfat.com

آٹھواں ممکنہ نقطۂ نظر یہ ہے کہ وائٹ ہاؤس حملوں کی منصوبہ بندی میں شامل تھا۔

اب یہ سب امکانات اور شکوک وشبہات کو جو امریکن حکام کے 9/11 کے حادثے میں ملوث ہونے اور سازش میں شرکت کی طرف اشارہ کرتے ہیں، کئی طریقوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ امریکن حکام ان حملوں کی سازش میں شریک یا ملوث ہیں یا نہیں، اس بارے میں مزید تحقیقی کام ہونا چاہیے، جو اب تک نہیں ہوا ہے۔ مثال کے طور پر جین بتھکے ایلشٹین (Jean Bethke Elshtain) اس نقطۂ نظر کو ''بیہودہ اور لچر'' کہہ کر رد کرتی ہے کہ یہ حملے پہلے سے طے شدہ تھے اور صدر اور ان کے اعلیٰ ترین ساتھیوں نے انہیں اپنی مقبولیت کا گراف اونچا کرنے کے لیے استعمال کیا (خیال رہے ان حملوں سے پہلے صدر بش کی مقبولیت کا گراف امریکن تاریخ کی نچلی اور پست ترین سطح پر تھا) اس کا کہنا ہے کہ سرکاری سطح پر ان الزامات کو ''بیہودہ اور لچر'' قرار دینے کے بعد حکام کی کسی بھی سطح پر سازش کا خیال اپنی موت آپ مر جاتا ہے لیکن اس کے برخلاف بہت سے دوسرے امکانات بھی ہیں۔

مثلاً بائیں بازو کے مشہور ومعروف دانشور اور تھنکر مائیکل پرنٹی (Michael Parenty) سرکاری سطح پر کسی نہ کسی کے ملوث ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مہاجن کے خیال میں ان حملوں کے نتیجے میں حکومت نے جو فوائد حاصل کیے ہیں اس نے ہر چیز کو مشتبہ کر دیا ہے۔ ''ستمبر 11 کے حملوں نے ملک کے اندر اتنا شدید ردِعمل پیدا کیا کہ حکومت کے لیے بیرون ملک اپنے سامراجی عزائم کی تکمیل بہت آسان ہو گئی۔ اس سے بے شمار لوگ اس شبہے میں مبتلا ہو گئے کہ حکومت ان حملوں کی سازش میں کسی نہ کسی طور پر ملوث ہے۔ ابتداء میں پرنٹی نے اس شبہے کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ مہاجن کا کہنا ہے۔ ''میرے لیے یہ بات ماننا بڑا مشکل ہے کہ

Marfat.com

وائٹ ہاؤس یا سی۔آئی۔اے کسی ایسی سازش میں ملوث ہو سکتی ہے جس کے نتیجے میں "ورلڈ ٹریڈ سنٹر" تباہ ہوا اور امریکی مسلح افواج کے ہیڈ کوارٹر "پنٹاگان" کا ایک حصہ برباد ہو گیا اور ہزاروں امریکی شہری ہلاک ہو گئے اور جس کی آڑ میں امریکہ نے افغانستان پر چڑھائی کر دی (حالانکہ ان حملوں میں افغانستان کا کوئی شہری ملوث نہ تھا۔ مترجم)

پرنٹی نے پیٹرک مارٹن (Patric Martin) کے ایک مضمون کا حوالہ دیا ہے اور اسے درست تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "اگرچہ شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکاری سطح پر ان حملوں کی منصوبہ بندی میں حصہ نہیں لیا گیا لیکن انتظامیہ کو کسی بڑے واقعہ کے ظہور پذیر ہونے کا یقین تھا لیکن انہیں ہزاروں امریکیوں کی ہلاکت کا یقین نہیں تھا اس لیے انہوں نے ان حملوں کی روک تھام کی بجائے آنکھیں بند کر لیں"۔ اس طرح پرنٹی نے ہمارے اوپر بیان کیے گئے آٹھ نکات میں سے دوسرے اور بہت حد تک چھٹے نکتے کی تصدیق کی ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے، حکومت کی کہانی کے برعکس نقطۂ نظر رکھنے والوں نے پہلی ہی نظر میں اس شبہ کا اظہار کر دیا تھا کہ ان حملوں میں کسی نہ کسی طور پر انتظامیہ کی سازش کارفرما ہے۔ پبلک کو قائل کرنے کے لیے ان مخالفین کو عوام کے سامنے قابل قبول نا قابل تردید شواہد پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نے اس کتاب میں انہی شواہد پر انحصار کیا ہے جو مجھے قابل قبول نظر آتے ہیں لیکن میں نے آزادی کے ساتھ ان کی تصدیق کرنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ شہادتیں اتنی لمبی چوڑی اور اس نوعیت کی ہیں کہ ایک اکیلے انسان کے لیے ان کی تصدیق، جبکہ وقت بہت محدود ہو، بہت مشکل ہے، لیکن میں یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ مخالفین نے جو دلائل پیش کیے ہیں، وہ بہت مضبوط اور نہایت اہم ہیں اور اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ سرکاری سطح پر ان حملوں میں ملوث ہونے کے بارے میں پریس اور یو۔ایس کانگریس کو تحقیق کرنی چاہیے۔ اگر ہماری طرف سے اٹھائے گئے بہت سے شبہات کی تصدیق ہو جاتی ہے تو حکومت کا اس سازش سے بچ نکلنا ممکن نہیں رہے گا۔

میں اس بات پر بھی زور دوں گا کہ تمام شکوک وشبہات کا دلیل سے ثابت کیا جانا ضروری نہیں ہے۔ کچھ دلائل اتنے مضبوط ہیں کہ ان کا آپس میں کمزور ترین رابطہ بھی انہیں درست ثابت کر سکتا ہے۔ یہ احتیاطی دلائل ہیں اس معاملے میں اگلی دلیل کا تعلق پچھلے دلائل کی سچائی سے جڑا ہوتا ہے۔ اگر تمہید ہی غلط باندھی جائے تو دلیل غلط ہو جاتی ہے تاہم

Marfat.com

9/11 کے حملے میں سرکاری سازش کی دلیل ایک مجموعی اثر کی دلیل ہے۔ اس طرح کی دلیل کئی قسم کے دیگر دلائل پر منحصر ہوتی ہے، جو ایک دوسرے سے مختلف اور ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نہیں ہوتے۔ لہٰذا ہر دلیل دوسری دلیل کے لیے سہارا بنتی ہے۔ یہ ایک زنجیر کی طرح نہیں ہوتی جس کی گرہیں ایک دوسرے میں پیوست ہوتی ہیں۔ یہ لڑی کی طرح ہوتی ہے جس کا ہر دھاگا دوسری سے الگ ہوتا ہے لیکن ہر دھاگا الگ ہونے کے باوجود رسی بہت زیادہ وزن اٹھا سکتی ہے کیونکہ ہر دھاگا ایک دوسرے میں گندھا ہوا ہوتا ہے۔ اس کتاب میں ایسی بہت سی لڑیاں ملیں گی جنہیں ملا کر 9/11 کے واقعے میں حکومت کے ملوث ہونے کے بارے میں نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اگر چند ایسی شہادتیں جن پر ہم نے اپنے دلائل کی بنیاد رکھی ہے، غلط بھی ثابت ہو جاتی ہیں تو بھی ہمارے کیس کی بنیاد ختم نہیں ہو جائے گی۔ اس مضبوط دلیل کی چند لڑیاں پھر بھی ہمارے کیس کے حق میں ہوں گی۔ ہمارے دلائل کی کچھ کڑیاں اتنی مضبوط بنیاد پر استوار ہیں کہ ان میں سے ایک دو بھی ہمارے دلائل کو درست ثابت کر سکتی ہیں۔

سازش کا نظریہ

شہادتوں پر غور وفکر کرنے سے قبل ہمیں اس حقیقت پر توجہ دینی چاہئے کہ ایسے کسی خیال کو جس سے سرکاری سطح پر کسی سازش کی بو آئے اسے ابتدا ہی میں رد کر دینا چاہئے۔ یہ یقیناً اس بات کا اعتراف ہوگا کہ پبلک کے اندر پائے جانے والے شبہات کو ہم کسی تحقیق کے بغیر ہی رد کر رہے ہیں۔ ایسی سوچ کے پیچھے منطق کیا ہے؟ ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ ہم پس پردہ سازش کو یکسر نظر انداز کر دیں۔ ہم سب ہر ایسی بات کو ''سازش'' مانتے ہیں جہاں ہمیں یقین ہوتا ہے کہ دو یا دو سے زیادہ افراد نے کسی خاص مقصد کے حصول کے لیے کوئی خفیہ گٹھ جوڑ کیا ہے، مثلاً جیسے کسی بنک میں ڈاکہ ڈالنے کے لیے، گاہکوں کو دھوکہ دینے کے لیے یا باہم ہم مشورہ ہو کر قیمتیں ''فکس'' کرنے کے لیے تاکہ زیادہ سے زیادہ منافع کما سکیں۔ ہم زیادہ دیانتداری کا ثبوت دیں گے کہ اگر ہم مائیکل مور کے اس قول کو تسلیم کر لیں۔ ''میں کسی سازش کے نظریئے کو نہیں مانتا، سوائے ان کے جو سچ ہوتے ہیں''۔

(مائیکل مور امریکہ کے مشہور مصنف اور فلم ڈائریکٹر ہیں جنہوں نے اپنی

Marfat.com

کتب Stupid Whiteman احمق سفید فام Dude, Where,s My Covntry اور اپنی فلم ستمبر" 11 فارن ہائٹ" سے عالمگیر شہرت حاصل کی ہے۔ مترجم)

اس مقولے کو ذرا صاف لفظوں میں بیان کرنے کے لئے کہہ سکتے ہیں کہ ہر وہ "نظریہ سازش" قابل قبول ہے جسے ہم سچ سمجھیں اور دوسرے تمام ایسے نظریات کو رد کر سکتے ہیں جسے جھوٹا خیال کریں۔ ہم لوگوں کو دو ایسے گروہوں میں تقسیم نہیں کر سکتے جن میں کچھ نظریہ سازش کو تسلیم کریں اور کچھ جھٹلائیں۔ لوگوں کی ایسی طبقاتی تقسیم سے صرف یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ کس قسم کے سازش کے نظریئے کو مانتے ہیں اور کیسے نظریئے کو رد کرتے ہیں۔

اس تجزیہ کو 9/11 کے حملوں پر منطبق کرنا

یہ کہنا غلط ہوگا کہ جو لوگ اس شک کا اظہار کرتے ہیں کہ 9/11 کے حملے مبینہ طور پر حکومت کے ملوث ہونے کی وجہ سے ہوئے وہ "سازش کا نظریہ" پیش کرتے ہیں اور جو سرکاری بیان کو درست سمجھتے ہیں وہ ایسا نہیں مانتے۔ لوگ صرف اس بات میں اختلاف کرتے ہیں کون سا خیال، بیان یا نظریہ درست ہے یا ممکنہ حد تک درست ہے۔ سرکاری کہانی کے مطابق 9/11 کے حملوں کی سازش مسلمانوں نے تیار کی اور سازشیوں کا سرغنہ اسامہ بن لادن بنا۔ مخالفین اس کہانی کو رد کرتے ہیں ان واقعات وحالات کی بناء پر جو اس روز پیش آئے اور جس طرح پیش آئے۔ ان کے خیال میں ایسے جامع بالکل صحیح حملے حکومت کے حکام کے قطعی ملوث ہوئے بغیر ممکن ہی نہ تھے اور حکومت کا بیان تسلی بخش نہیں ہے۔ حکومت نے جان بوجھ کر ان حملوں کو وقوع پذیر ہونے دیا۔ اب فرق صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ کچھ لوگ حکومتی نقطۂ نظر کو درست سمجھتے ہیں اور کچھ مخالفین کے خیال کو صحیح تسلیم کرتے ہیں ان دونوں نقطۂ نظر میں سے ہم کسے درست سمجھتے ہیں، اس بات پر منحصر ہے کہ ہم کس میں یقین رکھتے ہیں اور کس نقطۂ نظر کو حالات وواقعات صحیح ثابت کرتے ہیں۔ جو مخالفین کے خیال کو درست سمجھتے ہیں، ان کے خیال میں حکومت نے اس سلسلے میں اتنی غلط بیانی اور دروغ گوئی سے کام لیا ہے کہ اصل حقیقت چھپ گئی ہے حالانکہ ٹھوس شواہد موجود ہیں جو حکومت کے ملوث ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور مخالف نقطۂ نظر رکھنے والوں کی سچائی کو ثابت کرتے ہیں۔ لہٰذا اب ہم آپ کے سامنے اصل شہادتیں پیش کرنے جا رہے ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

ہائی جیکروں کا مشن کیسے کامیاب ہوا؟

بہت سے معاملات میں حکومتی نقطۂ نظر کے مخالفین نے مضبوط ترین شہادت 9/11 کے واقعات ہی میں سے پیش کی ہے۔ 8.46 بجے ایک اغوا شدہ جہاز ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے شمالی ٹاور سے ٹکرایا۔ 9.03 بجے دوسرا اغوا شدہ طیارہ جنوبی ٹاور سے جا ٹکرایا اور 9.38 بجے ''پنٹاگان'' کو نشانہ بنایا گیا۔ اغوا شدہ جہازوں سے نمٹنے کا جو مروجہ طریق کار ہے اس کے حساب سے کوئی ایک طیارہ بھی اپنے ہدف تک نہیں پہنچ سکتا تھا، لیکن عجیب بات ہے تینوں اغوا شدہ طیارے اپنے اپنے مقررہ ہدف سے جا ٹکرائے۔ پھر نیو یارک پر حملے کے نتیجے میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی بلڈنگیں کیسے زمین بوس ہو گئیں۔ پھر تیسرے جہاز کے متعلق بڑا ہیجان انگیز سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کیا واقعی یہ اغوا شدہ تیسرا جہاز ہی تھا جو ''پنٹاگان'' سے ٹکرایا؟ پھر چوتھے جہاز کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، کیا یہ واقعی جہاز ہی تھا جسے نشانہ بنا کر گرا لیا گیا؟ ان تمام سوالوں کا جائزہ لینے کے بعد، میں صدر بش کے اس روز کے رویئے کے بارے میں گفتگو کروں گا۔ اس باب میں ہم صرف فلائٹ نمبر 11 اور 175 کے بارے میں ہی گفتگو کریں گے۔

امریکن ائر لائن فلائٹ 11

سب سے پہلے اغوا ہونے والا جہاز، امریکن ائر لائن فلائٹ AA-11 کا تھا، جو بوسٹن سے 7.59 پر صبح محو پرواز ہوا تھا۔ 8.14 بجے فیڈرل ایوی ایشن ایڈمنسٹریشن (FAA) کے زمینی کنٹرولر نے اسے بلندی پر جانے کا حکم دیا تو اس کا زمینی کنٹرول سے ریڈیو کا رابطہ کٹ گیا۔ جس کا مطلب تھا کہ جہاز ممکنہ طور پر ہائی جیک ہو گیا ہے۔ 8.20 بجے زمینی کنٹرولر نے اپنے ریڈار پر دیکھا کہ جہاز اپنے مقررہ راستے سے ہٹ گیا ہے۔ 8.21 بجے فلائٹ اٹنڈنٹ نے ٹیلیفون کے ذریعے اطلاع دی کہ جہاز کو یقینی طور پر ہائی جیکروں نے اپنے کنٹرول میں لے لیا ہے اور لوگوں کو پہلے ہی قتل کر چکے ہیں۔

8.28 بجے جہاز نے اپنا رخ نیو یارک کی طرف موڑ لیا۔

8.44 بجے سیکرٹری دفاع رمز فیلڈ ممبر پارلیمنٹ کرسٹوفر کوکس (Christopher

Marfat.com

(Cox) کے ساتھ دہشت گردی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کے مطابق رمز فیلڈ مسٹر کوکس کو بتا رہے تھے۔ ''میں آپ کو بتانے کی اجازت چاہوں گا، میں اس بلاک (پنٹاگان کا ایک حصہ) میں چند بار آیا ہوں۔ یہاں کوئی دوسرا واقعہ بھی ہونے والا ہے'' رمز فیلڈ نے دوبارہ دوہرایا ''یہاں کوئی دوسرا واقعہ بھی پیش آنے والا ہے''۔

اگر رمز فیلڈ نے یہ بات کہی تھی، تو بالکل درست کہی تھی۔ دو منٹ بعد ہی 8.46 بجے فلائٹ 11 ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے شمالی ٹاور سے ٹکرا گئی۔ یہ واقعہ اس شہادت کے 32 منٹ بعد پیش آیا جبکہ شبہ تھا کہ جہاز اغوا کر لیا گیا ہے اور اس شہادت کے 25 منٹ بعد وقوع پذیر ہوا جبکہ شک یقین میں بدل گیا تھا کہ جہاز اغوا ہو گیا ہے۔

جو لوگ حکومت کی بیان کردہ کہانی کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ عام حالات میں اغوا شدہ جہاز کا ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرانا ممکن ہی نہیں تھا۔ ان کے مطابق بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ایسے حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ایک مروجہ طریق کار موجود ہے۔ اگر اس مروجہ طریق کار پر عمل کیا جاتا تو صرف 10 منٹ کے اندر جیٹ فائٹر جہاز اغوا شدہ طیارے کا راستہ روک سکتے تھے۔ اگر اغوا شدہ طیارہ جیٹ فائٹر کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ان کے پیچھے نہ آتا تاکہ کسی ایئر پورٹ پر اتر سکے، تو اسے مار کر گرایا جا سکتا تھا۔ یہ سارا عمل کم از کم 8.25 بجے سے 8.30 بجے تک دہرایا جا سکتا تھا۔ اس سے یہ سوال بھی پیدا نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک کمرشل ایئر لائن کے جہاز کو نیو یارک شہر کے اوپر گرایا جائے یا نہیں۔

ناقدین فیڈرل ایوی ایشن اتھارٹی FAA کی طرف سے ایئر کنٹرولرز کے لیے جاری شدہ اصولوں اور ہدایات کا حوالہ دیتے ہیں، جن میں کہا گیا ہے۔

''جب کسی طیارے کے بارے میں ہنگامی صورت حال کا سامنا ہو۔ غیر متوقع طور پر ریڈیو اور راڈار کا رابطہ ٹوٹ جائے اور آپ کو شبہ ہو کہ ہنگامی حالت پیدا ہو گئی ہے۔ تو ایسے میں ہنگامی صورت حال کو ہی مد نظر رکھتے ہوئے عمل کرو''۔

لہٰذا جب 8.14 بجے جہاز سے زمینی کنٹرول کا رابطہ ٹوٹ گیا تو کنٹرولر کو اسی وقت ہنگامی حالات کے طریق کار پر عمل شروع کر دینا چاہیے تھا۔ جہاز کے مجوزہ راستے سے ہٹنے کو دوسری ہنگامی صورت حال سمجھنا چاہیے تھا۔ کنٹرولر کو جب یقین ہو گیا کہ طیارے سے ریڈیو کا دوبارہ رابطہ ممکن نہیں تو اسے فوراً نیشنل ملٹری کمانڈ سنٹر (NMCC) واقع ''پنٹا

Marfat.com

گان'' اور نارتھ امریکن ایروسپیس ڈیفنس کمانڈ (Norad) سے رابطہ کرنا چاہیے تھا، جو اپنے نزدیک ترین ائیر پورٹ سے جیٹ مائٹر اڑا دیتے۔ نوراڈ کے ایک ترجمان کے مطابق جب FAA کو یہ محسوس ہو گیا تھا کہ کچھ گڑ بڑ ہے تو انہیں ہم سے رابطہ کرنے میں صرف ایک منٹ لگتا تھا اور چند منٹ میں ہمارے فائٹر پورے امریکہ میں کہیں بھی فضا میں بلند ہو سکتے ہیں۔

نفیظ احمد نے یو۔ ایس ائیر فورس کی ویب سائٹ کا حوالہ دے کر کہا ہے۔ ''ایک F.15 فائٹر حکم ملنے کے بعد صرف 2.5 منٹ میں 29000 فٹ کی بلندی پر پہنچ جاتا ہے اور پھر 1850 فضائی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پرواز کر سکتا ہے۔

اگر مروجہ طریق کار پر عمل کیا جاتا تو فلائٹ 11 کو 8.24 بجے تک روکا جا سکتا تھا اور 8.30 بجے تک تو یقینی طور پر اس کا راستہ روکا جا سکتا تھا جس کا مطلب ہے کہ جہاز کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرانے سے 16 منٹ پہلے اسے تباہ کیا جا سکتا تھا۔

اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ طیارے سے ریڈیو اور کمپیوٹر کا رابطہ منقطع نہیں ہوا تھا لیکن وہ اپنے مقررہ راستہ سے 8.20 بجے ہٹ گیا تھا۔ تو FAA کے لیے لازم تھا کہ ملٹری کمانڈ کو آگاہ کرے۔ ہر جہاز کے پاس ایک ''فلائٹ پلان'' یا نقشہ ہوتا ہے۔ جس پر سلسلہ وار جغرافیائی نقطے لگے ہوتے ہیں اور پائلٹ کے لیے لازمی ہوتا ہے دوران پرواز ہر نقطے کو چیک کرے تاکہ معلوم ہو کہ وہ اپنے مقررہ راستے پر محو پرواز ہے۔ رپورٹ کے مطابق:

''پائلٹ کے لیے ضروری ہے کہ ہر نقطے کو انتہائی درستگی کے ساتھ چیک کرے۔ اگر کوئی جہاز اپنے مقررہ راستے سے 25۔ ڈگری یا دو میل اِدھر اُدھر ہو جائے تو زمینی کنٹرولر ایمرجنسی بٹن دبا دے گا۔ وہ پائلٹ کو بتائے گا۔ ''امریکن 11 آپ اپنے راستے سے ہٹ گئے ہیں''۔ اس صورتِ حال کو حقیقی ہنگامی صورتِ حال کہا جاتا ہے۔

سو اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ریڈیائی اور کمپیوٹر رابطہ ٹوٹنے کے بعد بھی FAA انتظار کرتا رہا۔ پھر جب 8.20 پر طیارہ اپنے مقررہ راستے سے ہٹ گیا تھا (اور ریڈار سکرین پر نظر بھی آ رہا تھا) پھر بھی جہاز کو 8.30 یا زیادہ سے زیادہ 8.35 بجے تک نیویارک کی طرف آنے سے روکا جا سکتا تھا۔

احمد نفیظ FAA کا حوالہ دیتے ہوئے وضاحت کرتے ہیں:

Marfat.com

''ملٹری کا جہاز اس جہاز کو جسے روکا جانا مقصود ہو، کے تھوڑا اوپر اڑتے ہوئے، عموماً بائیں طرف سے اپنے پروں کو جنبش دے کر پیغام دیتا ہے۔'' آپ کو روکا جا رہا ہے۔'' اس وقت کمرشل جہاز کا پائلٹ اپنے جہاز کے پروں کی جنبش سے جواب دیتا ہے کہ فائٹر پائلٹ کی ہدایات پر عمل کیا جائے گا۔ اس وقت ملٹری جہاز بائیں طرف تھوڑا سا نیچے آتا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کہ کمرشل جہاز اس کے پیچھے آئے۔ اس وقت کمرشل جہاز ملٹری جہاز کے پیچھے اڑنا شروع کر دیتا ہے''۔

اگر فلائٹ 11 کو اس طریقے سے روکا جاتا اور اگر اس کا پائلٹ ملٹری فائٹر کی ہدایات پر عمل نہ کرتا تو اسے شوٹ کر کے گرایا جا سکتا تھا یہی مروجہ طریق کار ہے۔

(Norad) کے ترجمان، میرین کارپس میجر مائیک سنائڈر (Maj.Mike Snyder) نے ''بوسٹن گلوب'' کو بتایا کہ ''نوراڈ'' اکثر جہازوں کو روکتے رہتے ہیں۔

''جب کسی جہاز کو روکا جاتا ہے تو ان کے ساتھ ان مخصوص ردِعمل کے حساب سے سلوک کیا جاتا ہے۔ فائٹر پائلٹ اپنے جہاز کے پروں کی جنبش یا حرکت سے کمرشل پائلٹ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکتا ہے یا اس کے سامنے سے گزر کر اسے متوجہ کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے سامنے روشنی کے گولے فائر کر سکتا ہے اور چند مخصوص حالات میں اسے میزائل مار کر گرا سکتا ہے''۔

اب نقادوں کا سوال یہ ہے کہ یہ سب کچھ فلائٹ 11 کے سلسلے میں کیوں نہیں ہوا؟ جہاز کو کیوں نہیں روکا گیا؟

ناقدین کے خیال میں وائس پریذیڈنٹ ڈک چینی نے 16 ستمبر کو پریس سے ملاقات کے موقع پر آپنے انٹرویو میں اس سلسلے میں الجھاؤ پیدا کرنے کی کوشش کی جب انہوں نے کہا کہ کمرشل جہاز کو روکنے یا شوٹ کر کے گرا لینے کے لیے صدارتی سطح پر فیصلہ کرنے کی ضرورت تھی۔ حکومتی نقطۂ نظر کے مخالفین کا کہنا ہے کہ اس بیان میں طیارے کو ''روکنے'' اور شوٹ ڈاؤن'' کرنے کے معاملے کو مدغم کر کے کنفیوژن پیدا کی گئی ہے۔'' جہاز کو روکنے کی کارروائی ایک عمومی نوعیت کی روزمرہ کی کارروائی ہے اور سال میں سینکڑوں مرتبہ انجام دی جاتی ہے۔ ایسا ہی الجھاؤ پیدا کرنے والا بیان اس وقت کے قائم مقام چیئرمین جائنٹ چیف آف سٹاف جنرل رچرڈ میئرز (Richard Myers) نے سینٹ کی آرمڈ سروسز کمیٹی

Marfat.com

کے سامنے 13 ستمبر کو دیا تھا۔ اس نے کہا تھا۔

''جب دوسرا ٹاور نشانہ بنا تو میں نے ''نوراڈ'' کے کمانڈر جنرل ایبر ہارٹ (Eberhart) سے بات کی اور اس وقت اپنے فائٹر جیٹ اڑانے کا فیصلہ کیا''۔

اس نے بھی، چینی کی طرح، بیان دیا کہ کسی جہاز کو روکنے کے لیے فائٹر جیٹ اس وقت فضا میں اڑائے جاتے ہیں جب اعلیٰ کمانڈر حکم جاری کریں۔ حالانکہ جہازوں کو روکنے کا عمل ایک مروجہ اور روزمرہ کا معمول ہے جبکہ چینی کی طرح اس کے بیان کا مفہوم تھا کہ جہاز کو شوٹ ڈاؤن کرنے کے لیے ''صدارتی سطح'' کے فیصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔

کچھ محقق اس بات کو مانتے ہیں کہ کسی اغوا شدہ جہاز کو مار گرانے کے لیے صدارتی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن میسان کی تحقیق کے مطابق ملٹری ریگولیشن بالکل برعکس تصویر پیش کرتے ہیں۔

''کسی جہاز کے اغوا کی صورت میں، نیشنل ملٹری کمانڈ سنٹر (NMcc) کو فیڈرل ایوی ایشن اتھارٹی اپنے تیز ترین ذرائع سے مطلع کرے گی۔ NMcc اس درخواست کے علاوہ جس پر فوری اقدام کی ضرورت ہو، FAA کی درخواست منظوری کے لیے محکمہ دفاع کو سیکرٹری دفاع کی منظوری کے لیے بھیج دے گی''۔

میسان اس سے نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ کسی اغوا شدہ جہاز کو مار گرانے کا اختیار سیکرٹری دفاع کے پاس ہے۔ علاوہ ازیں سیکرٹری دفاع کی عدم موجودگی میں چیف آف کمانڈ کے دوسرے افسروں کے پاس بھی اختیار ہوتا ہے۔ میسان نے محکمہ دفاع کی ایک اور دستاویز کا حوالہ دیا ہے۔

''فوری جواب کے لیے درخواست کی صورت میں چیف آف کمانڈ کے قوانین میں حالات کے مطابق تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ یہ صرف ایسی صورت میں ممکن ہے جب سر پر کوئی گھمبیر نوعیت کی مصیبت آ پڑے اور محکمہ دفاع کا کوئی اہلکار ملٹری کمانڈر انسانی جانوں کی حفاظت، مصائب میں کمی یا جائیداد کی حفاظت کر سکتا ہو اور نقصان عظیم سے بچا سکتا ہو''۔

اس اصول کے مطابق چیف آف کمانڈ کا کوئی بھی اعلیٰ افسر با اختیار تھا کہ فلائٹ 11 کو شمالی ٹاور سے ٹکرانے سے روکے اور انسانی جانوں اور جائیداد کے نقصان عظیم سے بچائے۔

کوئی صاحب اپنے اطمینان کے لیے یہ دلیل بھی پیش کر سکتے ہیں کہ کسی کو نہیں پتہ تھا

Marfat.com

کہ طیارہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے جا ٹکرائے گا، لیکن سرکاری نقطہ نظر کے برعکس رائے رکھنے والے اس دلیل کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس چیز کی وضاحت کیوں نہیں کی جا رہی کہ جہاز کو اغوا ہونے کے بعد نیو یارک کی طرف بڑھنے سے روکا کیوں نہیں گیا۔ نیز فلائٹ 11 کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرانے کے بعد دوسرے جہاز کے ٹکرانے کے بارے میں سرکاری سطح پر کیا وضاحت یا دلیل ہے؟ اسے بروقت کیوں نہیں روکا گیا؟

یونائٹڈ ایر لائن۔ فلائٹ 175

یونائٹڈ ایئر لائن کی فلائٹ 175 بوسٹن سے 8.14 بجے صبح روانہ ہوئی تھی، جبکہ عین اسی وقت فیڈرل ایوی ایشن اتھارٹی کو اطلاعات مل رہی تھیں کہ شاید فلائٹ AA11 اغوا ہو گئی ہے۔ 8.42 بجے اس کا ریڈیو اور کمپیوٹر کا رابطہ کنٹرول روم سے کٹ گیا اور یہ اپنے مقررہ راستے سے ہٹ گئی۔ اس وقت تک حتمی طور پر یہ یقین ہو چکا تھا کہ پہلی فلائٹ اغوا ہو چکی ہے اور نیو یارک شہر کے اوپر محو پرواز ہے، اس لیے یقینی طور پر FAA کے حکام کو ملٹری اور محکمہ دفاع سے رابطہ کر لینا چاہئے تھا۔ انہوں نے حقیقتاً 8.43 بجے ناراڈ کو اطلاع کر دی تھی۔ ناراڈ کے لیے لازمی تھا کہ 8.53 بجے تک اس کے جیٹ فائٹر اغوا شدہ طیارے کو روکنے کے لیے فضا میں پہنچ چکے ہوتے اور اس وقت تک جبکہ پہلے اغوا، شدہ جہاز کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرائے ہوئے 7 منٹ گذر چکے تھے، جیٹ فائٹر کے لیے لازمی تھا کہ دوسرے اغوا شدہ جہاز کو روکتے اور حکم نہ ماننے کی صورت میں شوٹ کر کے گرا لینے کے لیے تیار رہنا چاہئے تھا اس کے برعکس دوسرے جہاز کو روکنے کے لیے کوئی فائٹر جیٹ فضا میں بلند نہیں کیے گئے اور فلائٹ 175 ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے جنوبی ٹاور سے 9.03 بجے آ ٹکرائی۔

جنوبی ٹاور کے حادثے میں مرنے والوں کے لواحقین کے لیے یہ اطلاع اور بھی تکلیف دہ ہے جبکہ ٹاور کے اندر مبینہ طور پر 8.55 بجے یہ اعلان کیا گیا کہ جنوبی ٹاور ہر طرح سے محفوظ ہے اور لوگ اپنے اپنے دفاتر میں چلے جائیں۔ ایک اطلاع کے مطابق یہ اعلانات اس وقت تک دہرائے جاتے رہے جبکہ یہ ٹاور ہٹ نہیں ہو گیا۔ یہ اعلان ہی سینکڑوں انسانوں کی ہلاکت کا باعث بن گیا۔ پال تھامسن نے استفسار کیا ہے۔

"اس اطلاع کے باوجود کہ ناراڈ کو یہ اطلاع دے دی گئی تھی کہ فلائٹ 175 اغوا ہو

Marfat.com

چکی ہے اور جہاز کا رخ نیو یارک شہر کی طرف ہے، بلڈنگ میں موجود لوگوں کو خطرے کے بارے میں وارننگ نہیں دی گئی (اُلٹا انہیں بلڈنگ کے محفوظ ہونے کی خوشخبری سنائی جاتی رہی) تھامسن کے اس معنی خیز استفسار سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہائی جیکر کے علاوہ بھی کسی کی خواہش تھی کہ زیادہ سے زیادہ انسانوں کی ہلاکت کو یقینی بنایا جائے"۔

بہر حال اس حقیقت کے باوجود کہ یہ جہاز پہلے جہاز سے 17 منٹ بعد ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرایا، کوئی ایسی توضیح یا وجہ سمجھ میں نہیں آتی جس سے اس بات کی وضاحت ہو سکے کہ پہلے اغوا شدہ جہاز کے سلسلے میں جہاز کو روکنے یا شوٹ ڈاؤن کے بارے میں طے شدہ طریق کار کیوں ناکام رہا؟ ائیر کنٹرولزر کی بے توجہی، ائیر بیس پر پائلٹ کی عدم تیاری یا یہ فرض کر لیا جائے کہ اغوا شدہ جہاز کا ناقابل فہم طرزِ عمل ان کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ اسے اغوا کر لیا گیا ہے لیکن دوسرے جہاز کو نہ روکنے یا شوٹ ڈاؤن نہ کرنے کے بارے میں کوئی بھی وضاحت ناقابل قبول اور ناقابل فہم ہے، کیونکہ اس وقت تک ''نوراڈ'' کے شمال مشرقی ائیر ڈیفنس سیکٹر کے تمام ٹیکنشن اپنے ہیڈ سیٹ لگائے FAA کے بوسٹن ائیر پورٹ سے رابطے میں تھے اور فلائٹ 11 کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے لہٰذا ''نوراڈ'' کو معاملے کی سنگینی کا پورا پورا احساس ہونا چاہئے تھا۔ سب سے زیادہ الجھا ہوا ناقابل حل یہ معمہ ہے کہ 35 منٹ بعد 9.38 بجے ایک تیسرا جہاز پنٹاگان سے کیسے جا ٹکرایا؟ لیکن اس تیسرے جہاز کے بارے میں ہم اپنے اگلے باب میں بحث کریں گے۔ اس وقت ہمارا مشکل کام پہلی دو فلائٹ کے بارے میں سرکاری نقطہ نظر پر مخالفین کے اعتراضات کا جائزہ لینا ہے۔

سرکاری سطح پر بیان کی گئی کہانی کے مخالفین کا کہنا ہے کہ سرکاری کہانی میں بہت سے تضادات پائے جاتے ہیں۔ جنرل مائیر (Myers) نے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ سینیٹ کی آرمڈ سروسز کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے 13 ستمبر کو کہا۔ ''جب کہ یہ بات واضح ہو گئی کہ خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ فائٹر جیٹ فضا میں اڑا دیئے گئے تھے''۔

جب ان سے سوال کیا گیا کہ ''کیا یہ جیٹ پنٹاگان پر حملہ ہونے سے پہلے اڑائے گئے تھے یا بعد میں؟'' مائٹر نے، جو اس وقت قائمقام چیئرمین جائنٹ چیف آف سٹاف کے طور پر کام کر رہے تھے۔ جواب دیا۔

Marfat.com

''جہاں تک میری بہترین یادداشت کام کر رہی ہے۔ جیٹ فائٹر اڑانے کا حکم پنٹاگان پر حملے کے بعد دیا گیا تھا۔ اب اس بیان سے یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ پنٹاگان کو 9.38 بجے ہٹ کیا گیا تھا۔ جبکہ ''نیشنل ملٹری کمانڈ سنٹر'' (Nmcc) کو خطرے کا احساس بہت پہلے ہو جانا چاہئے تھا۔ خطرے کی گھنٹیاں تو کم از کم 8.46 بجے بج جانی چاہئے تھیں جب ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے پہلا جہاز ٹکرایا تھا اور دوسرا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ناقدین کے لیے یقیناً دوسرا الجھاؤ یہ ہے کہ نیشنل ملٹری کمانڈ سنٹر اور نوراڈ (Norad) کے حکام کو یہ جانے بغیر کہ کس قسم کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے۔ دو اغوا شدہ جہازوں، فلائٹ 11 اور 175 کو روکنے یا شوٹ ڈاؤن کرنے کے لیے فوراً جیٹ فائٹر فضا میں بھیجنے چاہئیں تھے، اور یہی طریق کار اس اغوا شدہ جہاز کے بارے میں اختیار کرنا چاہئے تھا جو واشنگٹن کی طرف بڑھ رہا تھا۔

یہ ایک طے شدہ اور مروجہ طریق کار ہے جو اغوا شدہ یا راستے سے بھٹکے ہوئے جہازوں کے بارے میں عام طور پر اختیار کیا جاتا ہے۔

مائیر کی طرح کی کہانی حکومت کے دو دوسرے اعلیٰ عہدیداروں نے بیان کی تھی۔ 15 ستمبر کو مؤثر اخبار ''بوسٹن گلوب'' میں چھپنے والے ایک بیان کے مطابق میجر مائیک شنائڈر (Mike Snyder) نے ''نوراڈ'' کے ترجمان کے طور پر کہا کہ کوئی فائٹر جہاز اس وقت تک فضا میں نہیں اڑائے گئے تھے جب تک کہ پنٹاگان پر حملہ نہیں ہو گیا۔

اسی طرح ٹم روسرٹ (Tim Russert) پریس رپورٹر نے وائس پریذیڈنٹ ڈک چینی (Dick Cheney) سے ''پریس سے ملاقات'' میں انٹرویو کرتے ہوئے اس حیرت کا اظہار کیا تھا کہ ''اگرچہ ہمیں 8.20 تک پہلے جہاز کے اغواء ہونے کا علم ہو گیا تھا،

Marfat.com

لیکن ہم بروقت اپنے جیٹ فائٹر فضا میں بلند کرنے میں اس وقت کامیاب نہیں ہوئے جب تک کہ پنٹاگان پر حملہ نہیں ہوگیا''۔ چینی نے اس بیان سے اختلاف نہیں کیا۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ سرکاری سطح پر یہ سب سے پہلے بیانات اس طریق کار اور مروجہ طرز عمل کے بالکل خلاف ہیں جو کسی جہاز کے اغواء کے شک کی صورت میں عملاً اختیار کیا جاتا ہے۔ کسی جہاز کے اغواء کی رپورٹ ملتے ہی فائٹر جیٹ فضاء میں بلند کردیئے جاتے ہیں۔ مائیر اور چینی کے بیانات کے برعکس جہازوں (جیٹ) کو فضا میں اڑانے کے لیے کسی ''اعلیٰ ترین'' کمانڈ کے اختیارات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ ایسی ہنگامی صورت حال میں جیٹ فائٹرز کو فضا میں بلند نہ کرنے کے لیے البتہ ہائی کمانڈ آرڈر دے سکتی ہے۔ مثلاً 9/11 کو مروجہ طریقہ کار کی ناکامی پر تبصرہ کرتے ہوئے محققین الارین بیکوف اور جارڈ اسرائیل کہتے ہیں۔ ''یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے جبکہ ہائی کمانڈ کے کچھ لوگوں نے مشترکہ طور پر اسے ناکام بنانے کا منصوبہ بنا رکھا ہو (یعنی مروجہ، روز مرہ کا طریق کار''۔

بہر حال چند دن بعد ہی نوراڈ (Norad) نے کہنا شروع کردیا کہ ''ہم نے جیٹ فائٹر فضا میں بلند ضرور کئے تھے لیکن انہوں نے پہنچنے میں بہت دیر کردی''۔ ناقدین کے مطابق یہ دوسری کہانی بھی اتنی ہی عجیب، مضحکہ خیز اور ناقابل یقین ہے جتنی کہ پہلی تھی۔

اس نئی کہانی کے مطابق فیڈرل ایوی ایشن اتھارٹی (FAA) نے نارتھ امریکن ایئر ڈیفنس (Norad) کو پہلے جہاز کے اغوا کی اطلاع 8.40 بجے تک دے دی تھی۔ یہ اطلاع مبینہ طور پر فلائٹ 11 کے ریڈیائی اور کمپیوٹر رابطوں کے منقطع ہونے کے 26 منٹ اور اپنے مقررہ راستے سے بھٹکنے کے 20 منٹ بعد دی گئی۔ ایلن ووڈ اور پال تھامپسن لکھتے ہیں:

''کیا نوراڈ کا بیان قابل اعتبار ہے؟ اگر ہے تو ایئر کنٹرول کو نوکری سے برخاست کر کے اس کے خلاف کیس درج ہونا چاہئے کہ اس نے اپنا فرض نبھانے میں کوتاہی کی، لیکن ابھی تک ہمیں کوئی ایسی شہادت نہیں ملی کہ کسی شخص کو فرائض سے غفلت پر قابل تعزیر گردانا گیا ہو۔ اگر ''نوراڈ'' کا بیان جھوٹا ہے اور FAA کی طرف سے نوراڈ کو اس مقررہ وقت کے اندر اطلاع کردی گئی تھی جو قواعد وضوابط میں مقرر ہے۔ اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ اطلاع ملنے کے بعد نوراڈ نے قطعاً کوئی ایکشن نہیں لیا اور اغواء شدہ جہاز 30 منٹ تک دنیا

Marfat.com

بالٹی مور 2002ء مصنف اپنے شریک کار ملک مختار کے ساتھ

Marfat.com

کی انتہائی گنجان فضائی ٹریفک میں اپنے مقررہ راستے سے ہٹ کر اڑتا رہا۔ ''نوراڈ'' کے ذمہ داروں کے خلاف سخت ترین کارروائی ہونی چاہئے، لیکن حیرت ہے کہ نہ تو FAA اور نہ ہی ''نوراڈ'' کے کسی شخص کے خلاف کارروائی ہوئی اور نہ ہی کسی کو سزا ملی''۔

FAA اور نوراڈ کے کسی اہلکار کے خلاف بھی انضباتی یا محکمانہ کارروائی کا نہ ہونا ایک ہی بات ثابت کرتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ اس روز کیا۔ انہیں ایسا ہی کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

اس سرکاری کہانی کے کچھ اور بھی خلاف قیاس اور خلاف واقعہ خدوخال سامنے آتے ہیں۔ یہ اطلاع وصول ہونے کے بعد ''نوراڈ'' نے فائٹر جیٹ کو 8.46 تک فضا میں بھیجنے کا آرڈر نہیں دیا۔ یعنی پہلے جہاز کے اغواء کی خبر ملنے کے 6 منٹ بعد تک فائٹر جہاز فضاء میں نہیں اڑائے گئے۔ پھر ''نوراڈ'' کی طرف سے اس بات کی کوئی توضیح پیش نہیں کی گئی کہ فائٹر جیٹ کو فضاء میں بھیجنے کا آرڈر میکگوئر ایئر فورس بیس (Mcguire Air Faorce Base) جو نیویارک شہر سے صرف 70 میل کے فاصلے پر نیوجرسی میں واقع ہے کی بجائے اوٹس ایئر نیشنل گارڈ بیس واقع کیپ کوڈ (Cape Code) جو نیویارک سے 180 میل دور واقع ہے، کیوں دیا گیا؟ اس سے فلائٹ 11 پر تو کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا کیونکہ وہ تو پہلے ہی عین اسی وقت ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرا رہی تھی۔

تاہم اسی دوران ''نوراڈ'' کے بیان کے مطابق، 8.43 بجے انہیں فلائٹ 175 کے ہائی جیک ہونے کی اطلاع دی گئی، چنانچہ 8.46 بجے دو فائٹر جیٹ F.15 کو فضاء میں پہنچنے کا آرڈر دیا گیا اور انہیں اس اغواء شدہ فلائٹ کا کھوج لگانے کے لیے ہدایات دی گئیں، لیکن یہ بات پھر نا قابل فہم ہے کہ یہ جیٹ فائٹر 8.52 منٹ تک فضاء میں بلند نہیں ہو سکے۔ اس طرح چھ منٹ ضائع ہو گئے۔

اس کہانی کے مطابق ناقدین اس بات پر حیران ہیں اور اس سلسلے میں کوئی وضاحت بھی نہیں کی گئی کہ یہ فائٹر جیٹ جو 8.52 بجے فضاء میں بلند ہوئے۔ فلائٹ 175 کو روکنے میں کیوں ناکام رہے جو 9.03 بجے فائٹر جیٹ کے فضاء میں بلند ہونے کے پورے 11 منٹ بعد ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے دوسرے ٹاور سے ٹکرائی۔ لفٹیننٹ کرنل ٹمتھی ڈفی، جو مبینہ طور پر ان دو فائٹر جیٹ میں سے ایک کا پائلٹ تھا، کہتا ہے کہ وہ اپنی انتہائی تیز رفتار سپیڈ سے

Marfat.com

جہاز اڑا رہا تھا۔ جس کا مطلب ہے اس کی سپیڈ 1875 میل فی گھنٹہ تھی (جو F.15 کی انتہائی رفتار ہے) اس رفتار سے وہ 30 میل فی منٹ کی رفتار سے اڑ رہا تھا۔ عمومی طور پر ایک جیٹ فائٹر کو فضا میں بلند ہونے اور اپنی فل سپیڈ پکڑنے میں اڑھائی منٹ لگتے ہیں۔ یوں وہ 8 منٹ میں مین ہٹن نیویارک پہنچ سکتا تھا اور اس کے پاس اغواء شدہ جہاز کو شوٹ کر کے گرانے کے لیے 3 منٹ باقی تھے، لیکن سرکاری طور پر دوسری کہانی کے مطابق F.15 جیٹ فائٹر نیویارک شہر سے ابھی 70 میل دور تھے جب فلائٹ 175 جنوبی ٹاور سے ٹکرا گئی۔ ''نوراڈ'' کے بیان کے مطابق فائٹرز کو نیویارک پہنچنے میں 19 منٹ لگے۔ اگر اوٹس (Otis) سے اڑنے والے جہازوں کی کہانی کو درست تسلیم کیا جائے تو وہ پوری رفتار سے نہیں، حقیقتاً نہایت کم رفتار، تقریباً 700 میل فی گھنٹے کی رفتار سے اڑ رہے تھے۔

اب اگر حکومتی کہانی کو، وقت میں تھوڑی بہت کمی بیشی کرتے ہوئے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ جیٹ فائٹر لیٹ پہنچے۔ یہ سوال پھر بھی باقی رہتا ہے میکگوائیر پورٹ بیس سے جو نیویارک سے صرف 70 میل کے فاصلے پر نیوجرسی میں واقع ہے۔ جیٹ فائٹرز کو اڑانے کا آرڈر کیوں نہیں دیا گیا؟ جیسا کہ احمد نے اپنی تحقیقات میں ثابت کیا ہے کہ جیٹ فائٹر نیوجرسی سے 1850 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے صرف 3 منٹ میں نیویارک کا فاصلہ طے کر سکتے تھے اور اس طرح فلائٹ 175 کو بہت آسانی کے ساتھ روک سکتے تھے۔ ناقدین حکومت کی اس دوسری کہانی سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اگر اسے درست بھی مان لیا جائے تو ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے دوسرے جنوبی ٹاور کو تباہ ہونے سے بچایا جا سکتا تھا۔

آخر میں یہ دعویٰ کہ دوسرے اغواء شدہ جہاز کا راستہ روکنے کے لیے جہاز یقیناً اڑائے گئے تھے۔ ہمارا یہ مخمصہ پھر بھی قائم رہتا ہے کہ اغوا شدہ پہلے جہاز کے معاملے میں مقررہ اور مجوزہ طریق کار کیوں اختیار نہیں کیا گیا؟ اگر حکومت کے اس دوسرے نقطۂ نظر کو تسلیم کر لیا جائے تو ہمارے لیے یہ معمہ پھر بھی حل نہیں ہوتا کہ ابتداء میں جنرل مائیر، وائس پریذیڈنٹ ڈک چینی اور ''نوراڈ'' کے ترجمان نے کیسے تسلیم کر لیا کہ ''پنٹاگان'' کے ہٹ ہونے سے قبل جیٹ فائٹر نہیں اڑائے گئے تھے۔ لہٰذا ناقدین جن میں کچھ ملٹری کا تجربہ رکھنے والے لوگ بھی شامل ہیں۔ کہتے ہیں دوسری کہانی حکومت کی طرف سے گھڑی گئی تھی۔

مثال کے طور پر ایک ریٹائرڈ ماسٹر سارجنٹ جو ''ویسٹ پوائنٹ'' یونیورسٹی میں ملٹری

Marfat.com

سائنس کا استاد رہا ہے کا کہنا ہے کہ ''پنٹاگان'' میں تباہی سے قبل کوئی جیٹ فائٹر فضا میں بھیجے ہی نہیں گئے تھے۔ جرمن ڈیفنس وزارت کے سابق سینیٹ سیکرٹری اینڈریاس فان باؤلو کا کہنا ہے۔ ''60 منٹ تک ملٹری اور انٹیلی جنس ایجنسیوں نے جیٹ فائٹرز کو زمین سے اڑنے ہی نہیں دیا اور انہیں زمین پر ہی رہنے دیا''۔

حکومت کی کسی بھی کہانی کو درست مان لیا جائے۔ (اعلیٰ حکام کی مرضی اور منشاء کے بغیر) ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر کامیاب حملے ممکن ہی نہ تھے۔ اسی نقطۂ نظر کو روسی ہوائی افواج کے کمانڈر انچیف اناتولی کورنوکوف نے بھی مضبوط بنایا ہے جنہوں نے 9/11 کے حملے کے اگلے دن مبینہ طور پر بیان دیا۔ ''امریکہ پر کل کے دہشت گردانہ حملوں کا جو منظر نامہ سامنے آیا ہے عام حالات میں ایسے حملے ناممکن تھے۔ اگر ایسی صورت حال یہاں (روس میں) پیدا ہو اور مجھے اطلاع دی جائے تو ہم سب ایک لمحے میں فضا میں پہنچ جائیں گے''۔

کورنوکوف کے اس بیان کا حوالہ دیتے ہوئے احمد کا تبصرہ یہ ہے۔ ''یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ امریکن ایئر فورس، روسی ایئر فورس سے بدرجہا بہتر اور اعلیٰ ہے'' وہ مزید کہتے ہیں کہ اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر دہشت گردوں کے حملے تبھی کامیاب ہوئے جبکہ ایئر فورس نے اس دوران اپنا مروجہ اور معمول کا طریق کار معطل رکھا۔

''سٹینڈرڈ آپریٹنگ نظام 11 ستمبر کو مکمل اور ناقابل توجیہہ طریقے پر معطل کر دیئے گئے تھے۔ یہ ایسی بات تھی جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ سوال یہ رہ جاتا ہے کہ پہلے اس بات کا ذمہ دار کون شخص تھا جو یقین کرنا چاہتا تھا کہ مروجہ ہنگامی حالات کے رولز پر توجہ نہ دی جائے''۔

بائی کوف اور اسرائیل کو اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ شخص کون تھا۔ وہ کہتے ہیں ''حفاظتی نظام کی تباہی کے بارے میں جس کا انتہائی کنٹرول نہائت تجربہ کار رہنماؤں کے ہاتھ میں تھا۔ ملٹری کے اعلیٰ ترین کمانڈروں کے ملوث ہوئے بغیر سوچنا چہ جائیکہ کوشش کرنا، ناممکن تھا۔ اس سسٹم کی تباہی میں امریکی صدر جارج بش، امریکن سیکرٹری دفاع ڈونلڈ رمزفیلڈ اور اس وقت کے قائمقام ہیڈ آف دی جائنٹ چیف آف سٹاف، ایئر فورس جنرل رچرڈ بی مائرز شامل ہیں''۔

یہ ایسا سوال ہے جس کا لازمی سامنا کیا جائے۔ ''کیا جہازوں کے اغواء اور انہیں

Marfat.com

ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرانے کا منصوبہ، جیٹ فائٹر کو سٹینڈ ڈاؤن" آرڈر دیئے بغیر جس کی منظوری صدر بش رمز فیلڈ اور مائرز نے دی کامیاب ہو سکتا تھا؟

فلائٹ 11 اور 175 کے بارے میں حکومتی سٹوری کے مخالفین اور ناقدین آخر میں یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حکومتی سٹوری نے بہت سے ہیجان انگیز سوال پیدا کر دیئے جن کا جواب حاصل ہونا چاہئے۔ مزید چبھتے ہوئے سوال ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی نے پیدا کئے ہیں۔

ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی بلڈنگوں کا اچانک انہدام

سرکاری بیان کے مطابق شمالی اور جنوبی ٹاور جنہیں "جڑواں ٹاور" بھی کہا جاتا ہے۔ اغواء شدہ جہازوں کے پوری قوت کے ساتھ ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرانے اور اس کے نتیجے میں لگنے والی شدید ترین آتشزدگی کی وجہ سے زمین بوس ہوئے۔ اس بیان کو سرکاری "مؤقف" کہنے سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ اس کی کسی سرکاری ادارے نے تصدیق کی ہے۔ فیڈرل ایمرجنسی مینجمنٹ ایجنسی (Fema) کو جب ان بلڈنگوں کے اچانک زمین بوس ہو جانے کے معاملے کی تحقیقات کی ذمہ داری سونپی گئی تو اس نے مئی 2002ء میں اپنی رپورٹ اس طرح دی۔

"ہر ٹاور کے اچانک زمین بوس ہونے کے واقعات کی جو ترتیب بنتی ہے، اس سے ان کے گرنے کی حقیقی تصویر سامنے نہیں آتی ہے اور وجوہ کا پتہ نہیں لگتا"۔ اس پر بھی یہ رپورٹ ایسی قیاس آرائیوں سے بھری ہوئی تھی جو حکومتی نقطۂ نظر اور اور مؤقف کی تائید کرتی تھی۔

جو لوگ حقیقت حال سے واقف تھے انہوں نے حکومتی مؤقف اور Fema کی رپورٹ کو ہمیشہ مسترد کیا ہے۔ سب سے پہلے اس مؤقف کو اپنے مضمون بعنوان "تحقیقات کا جھانسہ" (Selline Out The Investigation) جو نیو یارک فائر ڈیپارٹمنٹ کے مجلہ "فائر انجینئرنگ" کی اشاعت جنوری 2002ء میں بل مینگ (Bill Manning) نے شائع کرایا، اس مؤقف کو مسترد کر دیا تھا۔ مینگ نے خیال ظاہر کیا تھا کہ "جہازوں کے ایندھن سے لگنے والی آگ اتنی مؤثر نہیں ہو سکتی تھی کہ ٹاور زمین بوس ہو جائیں"۔ اسی دوران سرکاری مؤقف کے خلاف اور بھی بہت اعتراضات اٹھ کھڑے

Marfat.com

ہوئے تھے۔ ان اعتراضات میں سے کچھ کا تعلق پُراسرار طور پر تیسری بلڈنگ نمبر 7(WTC-7) کے انہدام سے تھا۔ جس سے کوئی جہاز نہیں ٹکرایا تھا۔

ان اعتراضات کی اہمیت کو جانچنے کے لیے ضروری ہے کہ چند حقائق کا تجزیہ کیا جائے۔

شمالی ٹاور(WTC-1) سے اغوا شدہ جہاز صبح کے 8.47 بجے ٹکرایا تھا۔ یہ بلڈنگ ایک گھنٹہ 42 منٹ بعد 10.28 بجے زمین بوس ہو گئی۔ جنوبی ٹاور(WTC-2) سے جہاز 9.03 بجے ٹکرایا تھا۔ یہ بلڈنگ 56 منٹ بعد 9.59 بجے منہدم ہو گئی۔ بلڈنگ نمبر 7(WTC-7) جو تباہ ہونے والی بلڈنگوں سے دو بلاک دور واقع تھی اور جس سے کوئی جہاز بھی نہیں ٹکرایا تھا اسی روز شام 5.20 بجے خود بخود گر پڑی۔ یہ حقائق فوراً ہی دو باتوں کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ایسے کیوں ہوا کہ جنوبی ٹاور، جس سے جہاز پہلے ٹاور سے 17 منٹ بعد ٹکرایا تھا۔ نارتھ ٹاور سے 29 منٹ پہلے ہی زمین بوس ہو گیا؟ پھر ٹاور نمبر 7 کیوں گر پڑا جبکہ اس سے تو کوئی بھی چیز نہیں ٹکرائی تھی؟ ان تینوں بلڈنگوں کی تباہی اور بھی کئی سوال پیدا کرتی ہے۔ میں اس باب میں سب سے پہلے شمالی اور جنوبی ٹاور کی تباہی کے بارے میں پیدا ہونے والے سوالوں کا جائزہ لوں گا۔ بعدازاں بلڈنگ نمبر 7 کے بارے میں گفتگو ہو گی۔

ٹوِن ٹاورز Twin Towers

شمالی اور جنوبی ٹاورز کو عام طور پر ''ٹون ٹاورز'' کے معروف نام سے جانا جاتا تھا۔ ان کی تباہی کے بارے میں ان کے زمین بوس ہونے کے فوراً بعد جو کہانی نووا (Nova) پر بیان کی گئی اور تسلسل کے ساتھ پھیلائی گئی یہ تھی کہ جہازوں کے ایندھن سے لگنے والی آگ سے ان بلڈنگوں کو سہارا دینے والے ستون پگھل گئے تھے۔ اب عام طور پر یہ بات تسلیم کی جا رہی ہے آگ اتنی شدید نہ تھی کہ ان بلڈنگوں کی تباہی کا باعث بنتی۔ سٹیل کو پگھلانے کے لیے 2770 درجے فارن ہائٹ (1500 درجے سنٹی گریڈ) حرارت کی ضرورت ہوتی ہے اور اتنی ہیٹ کسی سپیشل ڈیوائس سے ہی پیدا کی جا سکتی ہے۔ مثلاً اوکسی ایسٹی لائن ٹارچ (Oxyacety Line Torch)۔ ہائیڈرو کاربن سے لگی ہوئی آگ جیسا کہ جیٹ

Marfat.com

فیول جو مٹی کے تیل کی ایک بہتر شکل ہے۔اتنی زیادہ تپش پیدا نہیں کر سکتی کہ سٹیل کالم پگھل جائیں۔ میٹریل انجینئر نگ اینڈ انجینئر نگ سسٹم کے پروفیسر تھامس ایگر جو MIT میں پڑھاتے ہیں، کا کہنا ہے کہ کھلی فضا میں جیٹ فیول سے لگی ہائڈروکاربن آگ زیادہ سے زیادہ 1600 سے 1700 سنٹی گریڈ تک حرارت پیدا کر سکتی ہے۔علاوہ ازیں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی آگ جیسا کہ صاف نظر آ رہی تھی۔ جیٹ فیول کی آگ تھی اور بلیک دھوئیں کے بادلوں سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ اس کی تپش بہت کم تھی اور غالباً یہ 1200 درجے سے 1300 درجے کی ''ہائیڈروکاربن'' آگ تھی۔

عام طور پر ''ستونوں کے پگھلنے'' سے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کا پیش کردہ جواز سائنسی نقطۂ نظر سے بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ بہت سے دوسرے نظریئے بھی اس بنا پر غیر تسلی بخش ہیں کہ ان بلڈنگوں کی تعمیری نوعیت اور ان کے انہدام کے حقائق سے مماثلت نہیں رکھتے۔ کسی اور نظریئے پر بات کرنے سے پہلے ہمیں چند حقائق کا جائزہ لینا چاہئے۔

ہر ٹاور تقریباً 1300 فٹ اونچا تھا۔اتنی اونچی بلڈنگ کو سہارا دینے کے لیے ہر بلڈنگ کے وسط میں لوہے اور سٹیل کے 47 ستون تھے جبکہ ان بلڈنگوں کے محیط بیرونی دیواروں کو سہارا دینے کے لیے چاروں طرف ہر بلڈنگ میں 240 سٹیل کالم تھے اور ہر کالم اوپر کی نسبت نیچے سے بہت موٹے اور مضبوط تھے۔ بیرونی دیواروں کے ستونوں کو لوہے کے جالوں کے ساتھ کنکریٹ کے فرشوں سے جوڑا گیا تھا۔اگرچہ کمزور جوڑوں کے بارے میں بھی شبہات کا اظہار کیا گیا ہے۔ مجلّہ ''سائنٹفک امریکن'' میں انجینئر روبرٹ مکیانا مارا نے لکھا ہے۔آج کل عموماً جوڑوں کو اتنا مضبوط نہیں باندھا جاتا جیسا کہ ''ورلڈ ٹریڈ سنٹر'' کی تعمیر کے وقت باندھا جاتا تھا۔سریوں کا گٹھا باندھنے اور چھت سے مربوط کرنے کے بارے میں Fema کی رپورٹ میں کہا گیا ہے ''دونوں ٹاورز کا فلور فریمنگ (ڈھانچہ) سسٹم بڑا پیچیدہ اور معقول حد تک عام ڈگر سے ہٹ کر بہت زیادہ مضبوط باندھا گیا تھا۔تباہ شدہ بلڈنگوں سے ملنے والے سٹیل کے تجزیئے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ وہ ہرگز ناقص یا کمزور نہیں تھا بلکہ ضرورت سے زیادہ مضبوط تھا اور مروجہ سٹینڈرڈ سے بھی زیادہ پائیدار تھا''۔

ٹاورز کے بارے میں ان حقائق کی روشنی میں یہ دوسرا نقطۂ نظر جس کی بہت زیادہ

Marfat.com

تشہیر کی گئی ہے کہ جہازوں کی ٹکر نے ان بلڈنگوں کی بنیادوں کو ہلا دیا ہوگا۔ قابل غور نہیں رہتا اور اسے مسترد کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ مس ایگر کا کہنا ہے کہ ''ان مضبوط بلڈنگوں سے جہازوں کے ٹکرانے کا اثر معمولی اور بہت کم ہے۔ کیونکہ شروع میں بلڈنگ کے جن ستونوں کو نقصان پہنچا تھا۔ ان کا فالتو وزن بلڈنگ کے مضبوط ڈھانچے کے ستونوں پر منتقل ہو گیا تھا''۔

''جہاز کے ٹکرانے کے چند درجن سیکنڈ کے بعد تک شمالی ٹاور نہایت مضبوط اور بے حس وحرکت اپنی جگہ پر جما ہوا نظر آتا تھا''۔ ایرک ہف شمڈ نے خیال ظاہر کیا ہے۔

ایگر سمیت جو لوگ سرکاری نقطہ نظر کے حامی ہیں وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ بلڈنگوں کی تباہی کو آگ سے پیدا ہونے والی تپش (ہیٹ) کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ ایگر کا کہنا ہے ''ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی بہت بڑی آتشزدگی کا نتیجہ تھی۔ ہوسکتا ہے کہ بلڈنگوں کی تعمیر میں جو سٹیل استعمال کیا گیا۔ اپنی عمومی طاقت سے پانچ گنا وزن سہارنے کی طاقت رکھتا ہو لیکن ہوسکتا ہے کہ 80 فیصد سٹیل اس وقت زمین بوس ہو گیا جب آگ کی تپش (ہیٹ) 1300 فارن ہائیٹ تک پہنچ گئی''۔ ایگر کو یقین ہے ٹاورز کی تباہی کی یہی معقول وجہ ہے۔ لہٰذا حکومتی نقطہ نظر کی معقولیت اس بات پر منحصر ہے کہ کیا واقعی آگ اتنی شدید تھی کہ دونوں بلڈنگیں زمین بوس ہو گئیں؟

اس مسئلے کی قدر و قیمت کو جاننے کے لیے ہمیں ایگر کے بیان کردہ فرق کو تسلیم کرنا چاہئے۔ جو ایگر نے درجہ حرارت اور تپش کے درمیان خود بیان کیا ہے۔ ''جلتی ہوئی چیز مثلاً ماچس کی تیلی یا بلب کا درجہ حرارت بہت زیادہ ہوسکتا ہے لیکن شاید زیادہ تپش پیدا نہ کر سکے کیونکہ یہ ایک بہت چھوٹی سی چیز ہے۔ ایک جلتی ہوئی ماچس کسی سٹیل بیم کو اپنے درجہ حرارت تک گرم نہیں کر سکتی۔ ایک بہت مضبوط اور بڑے سٹیل بیم کو 1300 درجے فارن ہائٹ تک گرم کرنے کے لئے بہت بڑی آگ کی ضرورت ہے جو بہت زیادہ گرمی اور تپش پیدا کر سکے۔ پھر ایک شرط یہ ہے کہ ایسی بڑی آگ کا سٹیل بیم کو پگھلانے کے لیے بڑی دیر تک جلتا رہنا ضروری ہے۔

سرکاری نظریئے کو درست تسلیم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ٹاورز کو لگنے والی آگ ضرورت سے زیادہ گرم ہوتی، بہت شدید ہوتی تمام بلڈنگوں کے ہر فلور تک پھیل چکی ہوتی

Marfat.com

اور بہت زیادہ دیر تک جلتی رہی ہوتی، لیکن تمام شواہد اس کے برعکس نظر آتے ہیں۔ اس سرکاری سٹوری کے بہترین جائزے کے لیے ایرک ہف شمڈ کی کتاب ''تکلیف دہ سوالات'' (Painful Questions) ہے جو ٹاورز کو لگی ہوئی آگ کی بہترین تصاویر پیش کرتی ہے۔

آج کل عام طور پر جڑواں ٹاورز کو ''جہنم کے ٹاورز'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ انسانی جہنم کے بارے میں یہ تشبیہ کچھ درست بھی نظر آتی ہے۔ شمالی ٹاور سے لوگ دھوئیں اور آگ کے شعلوں سے بچنے کے لیے بے تحاشا کھڑکیوں سے نیچے کود رہے تھے حالانکہ آگ اور دھواں 96ویں منزل سے اوپر کی منزلوں میں تھا جہاں اغوا شدہ جہاز ٹکرایا تھا۔ انسانی جسم اور سٹیل کی قوت برداشت میں عظیم فرق ہے۔ شمالی ٹاور کی تصاویر ایسی کوئی شہادت پیش نہیں کرتیں کہ آگ اتنی پاورفل اور شدید تھی جو سٹیل بیم کو زیادہ کمزور کر سکتی۔ ایک تصویر جو شمالی ٹاور سے اغوا شدہ جہاز کے ٹکرانے کے 16 منٹ بعد اتاری گئی (اس وقت تک جنوبی ٹاور محفوظ تھا) صرف ایک بڑے سوراخ کو ظاہر کرتی ہے جس میں سے گہرا دھواں نکلتا دکھائی دیتا ہے۔ آگ کے شعلے کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ ہفس شمڈ زور دے کر کہتا ہے ''شعلوں کی عدم موجودگی اس بات کا اشارہ ہے کہ آگ بہت چھوٹی تھی۔ گہرا دھواں اس بات کی علامت تھا کہ اس سے بلڈنگ کے اندر موجود لوگوں کا دم گھٹ رہا تھا''۔

جنوبی ٹاور سے جہاز سے ٹکرانے کے فوراً بعد ایک دوسرے زاویے سے لی گئی تصویر میں صرف ان منزلوں کے اوپر شعلے دکھائی دے رہے ہیں جہاں جہاز ٹکرایا تھا اور کہیں نہیں۔ شروع میں شعلے تیز تھے کیونکہ جہاز کا ایندھن جل رہا تھا، لیکن 16 منٹ گذرنے کے بعد شعلے کم ہو گئے تھے اور یہ اونچا مینار ''جہنم کا نمونہ'' نظر نہیں آتا تھا۔ ہم سب نے جنوبی ٹاور کے اس حصے کے باہر آگ کا ایک بہت بڑا گولا دیکھا تھا جہاں جہاز ٹکرایا تھا۔ اسی طرح کا آگ کا گولا شمالی ٹاور سے جہاز کے ٹکراتے وقت نظر آیا تھا۔ یہ آگ کے گولے جہازوں کے اس ایندھن سے بنے تھے جو بلڈنگ سے ٹکرانے کے نتیجے میں باہر بہہ گیا تھا۔ جنوبی ٹاور کے باہر بننے والا آگ کا گولا زیادہ بڑا تھا۔ کیونکہ جہاز ایک کونے سے ٹکرایا تھا اور زیادہ ایندھن باہر کی طرف گر گیا تھا۔ آگ کے ان گولوں نے بہت زیادہ تپش پیدا کی، لیکن یہ چند لمحوں کے لیے تھی کیونکہ ایندھن جلد ہی جل کر ختم ہو گیا تھا۔ یہ حقیقت کہ جنوبی ٹاور کے باہر

Marfat.com

آگ کا بڑا گولا بنا تھا۔ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ جنوبی ٹاور کی آگ بھی بڑی تھی۔ بلکہ معاملہ اس کے الٹ ہے۔ چونکہ بہت زیادہ ایندھن بلڈنگ کے باہر کی طرف گر کر جل گیا تھا۔ اس لیے بلڈنگ کے اندر لگنے والی آگ کے لیے جہاز کے اندر بہت کم ایندھن بچا تھا۔ جیسا کہ ہفس شمڈ نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے "تصویروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظر آنے والے شعلے جلد ہی معدوم ہو گئے اور پھر آگ بلڈنگ کے ایک مخصوص حصے تک محدود ہو کر رہ گئی اور آہستہ آہستہ ختم ہو گئی"۔

لہٰذا آگ کے بارے میں حکومت کی کہانی کہ ہر ٹاور میں بہت گرمی پیدا کرنے والی، ہر طرف پھیلی ہوئی اور طویل عرصے تک بھڑکتی رہنے والی آگ لگی ہوئی تھی، نا قابل اعتبار اور نا قابل قبول ٹھہرتی ہے۔ جہاں تک بہت زیادہ گرمی پیدا کرنے والی آگ کا تعلق ہے وہ بلڈنگوں کے کچھ محدود حصوں میں اور بہت کم مدت کے لیے بھڑکتی رہی تھی۔ ایسی آگ خواہ اس کا درجہ حرارت 1300 ڈگری فارن ہائٹ بھی کیوں نہ ہو، سٹیل کو اس درجے تک گرم نہیں کر سکتی۔

آگ کے حکومتی نظریے کے خلاف ایک اور امکان یہ ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ جڑواں ٹاورز آگ کی شدت سے تباہ ہوئے، ان کے زمین بوس ہونے کا جواز پھر بھی نہیں بنتا۔ 9/11 سے قبل کبھی بھی سٹیل فریم سے بنی ہوئی کوئی بلڈنگ محض آگ لگنے کی وجہ سے زمین بوس نہیں ہوئی۔ فیما Fema کی ایک رپورٹ کے مطابق 1991ء میں فلاڈیلفیا کی ایک بلڈنگ میں شدید ترین آگ بھڑک اٹھی تھی اور اس کی تپش اتنی شدید تھی کہ سٹیل کے بیم اور گارڈر مڑ کر جھک گئے تھے لیکن وہ گرے نہیں تھے اور نہ ہی بلڈنگ کو کوئی شدید نقصان پہنچا تھا۔

تاہم حکومت کے آگ کے نظریے کے حامی جڑواں ٹاورز کی کچھ خاص خصوصیات کی طرف توجہ دینے کی التجا کرتے ہیں ان کا جواز ہے کہ آگ کے لئے بلڈنگ کی ہر منزل پر پھیل کر سٹیل کو گرمانا ضروری نہیں تھا۔ تھامس ایگر کے کہنے کے مطابق شدید تپش والی آگ کا بلڈنگ کے ایک فلور پر ہی پھیل جانا کافی تھا۔ اس ساری تباہی کے ذمہ دار وہ "اینگل کلپ" تھے جو بلڈنگ کے چاروں طرف ایستادہ سٹیل بیم اور چھتوں کے درمیان پیوست تھے اور انہیں مربوط کیے ہوئے دیواروں کو سہارے ہوئے تھے۔ یہ اینگل کلپ اپنے سے پانچ گنا وزن سہارنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ ستونوں اور چھت کے جال کو باہم جوڑنے

Marfat.com

والے سٹیل کے پھندوں کو جسے ناقدین زپر (Zipper) کے نام سے موسوم کرتے ہیں ایگر کے مطابق ''جب چھت کے کسی حصے کے یہ اینگل کلپ'' فیل ہو جائیں تو چھت کے دوسرے حصوں کے اینگل کلپ پر زیادہ بوجھ پڑ جاتا ہے اور چند سیکنڈ کے اندر ان کے باہمی مربوط پھندے ٹوٹنا شروع کر دیتے ہیں اور پھر ''جیسے ہی بہت زیادہ جلتے ہوئے ایک یا دو منزلوں کی چھت کی کڑیاں کمزور پڑتی ہیں اور باہر کی طرف کے بکس کالم'' باہر کی طرف ٹیڑھے ہو جاتے ہیں، ان فلور سے اوپر کے فلور گر پڑتے ہیں۔ نیچے کے فلور یا منزلیں جن میں سے ہر ایک کا وزن تقریباً 1300 ٹن ہوتا ہے اوپر والی دس منزلوں کا وزن، اندازاً 45000 ہزار ٹن اینگل کلپ برداشت نہیں کر سکتے۔ اس سے بلڈنگ کی کمر ٹوٹنے'' جیسا اثر مرتب ہوتا ہے اور بلڈنگ دس سیکنڈ کے اندر زمین بوس ہو سکتی ہے''۔

اسی طرح کی ایک کہانی فیڈرل ایمرجنسی مینجمنٹ ایجنسی (Fema) نے بھی اپنی رپورٹ میں بیان کی تھی ''تمام منزلیں ایک دوسرے کے اوپر پین کیک کی شکل میں مسلسل مسمار ہوتی چلی گئیں''۔

اس سرکاری کہانی میں بہت سی الجھنیں ہیں جہاں تک سٹیل کے اس درجہ گرم ہو جانے کا تعلق ہے۔ اس کے لیے اس مقدار سے بہت زیادہ تپش کی ضرورت تھی جو بظاہر نظر آ رہی تھی، خصوصیت سے جنوبی ٹاور میں دوسرے جیسا کہ ہفس شمڈ نے اشارہ کیا ہے۔ کسی منزل کے گرنے کے لیے 236 بیرونی اور 47 اندرونی بیم کے چھت سے مربوط سینکڑوں جوڑوں کو ایک دم الگ الگ ہونا ضروری تھا۔ تیسرے اگر ایگر کی کہانی کو درست تسلیم کر لیا جائے کہ بلڈنگ 10 سیکنڈ کے اندر زمین بوس ہو گئی تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ 1300 فٹ بلند ٹاور ''فری فال'' سپیڈ سے گرا، لیکن اگر ہر منزل (فلور) نے کچھ مزاحمت پیدا کی، خواہ آدھا سیکنڈ ہی ہو۔ تو ان تمام فلورز کو جو 80 سے 95 تھے زمین بوس ہونے کے لئے کم از کم 40 تا 47 سیکنڈ چاہئیں۔ کیا ہم یقین کر سکتے ہیں کہ جب اوپر والے فلور گرے تو نچلے فلورز نے فی الواقع قطعاً مزاحمت نہیں کی؟ شمالی ٹاور کا مسئلہ اور بھی ٹیڑھا ہے، کیونکہ ہفس شمڈ کے کہنے کے مطابق یہ ٹاور صرف آٹھ سیکنڈ میں زمین بوس ہو گیا، حقیقتاً فری فال کی سپیڈ سے۔ اس کا سوال یہ ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ملبہ اتنی تیز رفتاری سے گرا کہ سو منزلوں کو کچلتا ہوا فضاء میں گرنے والی کسی چیز کی رفتار سے بلڈنگوں کو زمین بوس کر گیا۔

Marfat.com

چوتھے ایگر کا نظریہ دوسرے سرکاری نظریات کی طرح یہ سچائی سامنے نہیں لاتا کہ ٹاورز کا زمین بوس ہونا اوپر کی چند منزلوں کے ملبے کے بوجھ کا نتیجہ تھا؟ اگر کوئی یہ تسلیم کر بھی لے کہ تمام فلورز کی چھتیں اور بیرونی ستون اسی وجہ سے گرے، یہ اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کرتا کہ بلڈنگوں کے درمیانی بھاری بھرکم اور مضبوط ستون کیوں زمین بوس ہو گئے؟

پیٹر میئر (Peter Meyer) کا سوال ہے۔ "بلڈنگ کو سہارا دینے والے بھاری بھرکم، سٹیل کے انتہائی مضبوط اور ٹھوس ستون بلڈنگ کے گرنے کے بعد کھڑے کیوں نہیں رہے؟ اگر سرکاری کہانی درست ہے کہ جہاز کے ٹکرانے اور آگ کے اثر سے بلڈنگ کو نقصان پہنچا جو کہ بالائی منزلوں تک ہی محدود تھا اور وہ گرنے شروع ہوئے تو دوسری منزلوں کو بھی اپنے بوجھ تلے دباتے چلے گئے لیکن نچلی 20 سے 30 منزلوں کو سپورٹ دینے والی سٹیل مضبوط اور مستحکم بیموں کا کھڑے رہنا ضروری تھا"۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ آگ سے بلڈنگوں کے گرنے کے نظریئے کے خلاف جو ایک بات جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جنوبی ٹاور پہلے زمین بوس ہوا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس ٹاور کو لگی آگ کے لیے سٹیل کو اس درجہ حرارت تک گرم کرنے کے لیے جو آگ کا درجہ حرارت تھا۔ ایک معقول وقت چاہئے تھا۔ جبکہ باقی تمام امکانات ایک جیسے تھے تو پہلے اس ٹاور کو گرنا چاہئے تھا جو پہلے ہٹ ہوا تھا۔ برعکس اس کے جنوبی ٹاور جو شمالی ٹاور سے 17 منٹ بعد ہٹ ہوا تھا۔ شمالی ٹاور سے 29 منٹ پہلے زمین بوس ہو گیا۔ ایسے حالات میں اس سے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا جب جنوبی ٹاور کی آگ شمالی ٹاور سے شدید تر ہوتی، لیکن جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے جنوبی ٹاور کی آگ بہت چھوٹی اور کم درجے کی تھی۔ اس طرح اس ٹاور نے زمین بوس ہونے میں دوگنا وقت لیا جس کی آگ شدید تر تھی (شمالی ٹاور) اس سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ ٹون ٹاورز کو تباہ کرنے والی "آگ" نہیں بلکہ کوئی دوسری چیز تھی۔

اور یقیناً یہی "دوسری چیز" ہے جس پر ناقدین کا اصرار ہے۔ ان کا متبادل خیال یہ ہے کہ بلڈنگوں کے گرنے کا منظر اس عمل کے مشابہ تھا جو بلڈنگوں کو دھماکہ خیز مادہ سے گرانے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے اور تمام بلڈنگ کی بنیادوں میں بارود لگا دیا جاتا ہے اس نظریئے کے حامیوں کا کہنا ہے کہ اب تک جو حقائق زیر بحث آئے ہیں، یہ ان کی تشریح کر دیتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ بلڈنگوں کی تباہی اتنی مکمل اور اتنے مختصر وقت میں کیسے ہوئی، پیٹر کہتا ہے۔

Marfat.com

''یہ بات قابل فہم ہے اگر سٹیل کے ستونوں کی بنیادوں کو دھماکہ خیز مادہ سے تباہ کیا گیا ہو۔ بنیادوں کی تباہی کے ساتھ سٹیل کے ستونوں کے پرخچے اڑ گئے کیونکہ دھماکہ خیز مادہ بلڈنگ کے مختلف حصوں میں لگایا گیا تھا۔ اس طرح بلڈنگ کی بالائی منزلوں کو سہارا دینے والے ستون تباہ ہوتے ہی ٹون ٹاور 10 سیکنڈ میں زمین بوس ہو گئے''۔

یہ بھی ہے کہ مضبط مسماری کے نظریئے (Controlled Demoliton Theory) کو اگر اس حقیقت کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے کہ جنوبی ٹاور کے ساتھ جہاز ایک کونے کی طرف سے ٹکرایا تھا دھماکہ خیز مادہ سے ٹاورز کی تباہی کو درست ثابت کرتا ہے۔

''دونوں صورتوں میں بلڈنگ کے اندر لگی ہوئی آگ کچھ دیر میں مدھم پڑ گئی اور صرف گہرا سیاہ دھواں باقی رہ گیا۔ اگر ٹون ٹاورز کو جان بوجھ کر گرایا گیا تھا اور جواز آگ کو بنانا تھا تو ان کے گرنے کا وقت وہ ہونا چاہئے تھا جبکہ آگ مدہم پڑ رہی تھی۔ چونکہ جنوبی ٹاور کی آگ تھوڑے ایندھن سے پیدا ہوئی تھی بہ نسبت شمالی ٹاور کے، لہٰذا جنوبی ٹاور کی آگ شمالی ٹاور سے پہلے بجھنا شروع ہو گئی تھی۔ اس لیے جنہوں نے کنٹرولڈ ڈیمولیشن تھیوری کے تحت ٹاور کو گرانا تھا۔ انہوں نے جنوبی ٹاور کو شمالی ٹاور کی نسبت پہلے زمین بوس کر دیا''۔

ہمارے پیش نظر ٹون ٹاورز کی تباہی کے بارے میں کچھ مزید حقائق بھی ہیں جن کی وضاحت صرف ''ڈیمولیشن تھیوری'' سے ہی ہو سکتی ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہر ٹاور کے زمین بوس ہوتے وقت بے تحاشا پاؤڈر کی شکل کی دھول اڑی، جو تجزیئے کے بعد جپسم اور کنکریٹ سے پیدا شدہ ثابت ہوئی۔ جیف کنگ (Jeffking) جس نے سرکاری کہانی کو ''ٹون ٹاور'' کے گرنے کے وقت کی وڈیو دیکھ کر تجزیہ کیا، کہتا ہے۔

''مجھے جو مسئلہ سب سے بڑا اور واضح نظر آتا ہے، یہ ہے کہ اتنی زیادہ مقدار میں مہین پاؤڈر جیسی گرد و غبار کس چیز نے پیدا کی۔ اتنی زیادہ قوت کہاں سے پیدا ہوئی جس نے انتہائی مضبوط اور مستحکم کنکریٹ کو پاؤڈر میں تبدیل کر دیا؟''

اور جیسا کہ ہفس نے اضافہ کیا ہے۔ ''ملبے کی تصویروں میں کچھ ہی کنکریٹ ثابت نظر آتا ہے جس کا مطلب ہے کہ کنکریٹ کے انتہائی مضبوط اور مستحکم ڈھانچے۔ بکھر کر پاؤڈر میں تبدیل ہو گئے۔ نتیجتاً ہر ٹاور کا شاید ایک ایک لاکھ ٹن کنکریٹ، پاؤڈر اور سفوف میں تبدیل ہو گیا۔ اس کے لیے بے پناہ قوت کی ضرورت تھی''

Marfat.com

کنگ کے نقطہ نظر سے جو چیز خصوصی طور پر مشوک نظر آتی ہے "بلڈنگوں کے زمین بوس ہوتے ہی ان کے اوپری حصوں سے کس قدر پاؤڈری دھول پیدا ہوئی؟ چونکہ یہ زیادہ سے زیادہ 32 منٹ فی سیکنڈ کی رفتار کی تیزی سے گر رہی ہوں گی۔ پہلے پہل ان کی رفتار یقیناً بہت سُست رہی ہوگی۔ لہٰذا یہ قیاس کرنا مشکل ہے کہ طبعی بناوٹ سے اتنی زیادہ دھول اور گرد و غبار کنکریٹ کی سلیبوں (Slabs) سے جو ایک دوسرے سے 20 سے 30 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ٹکرا رہی تھیں پیدا ہو سکتا ہے۔

ہفس شمڈ یہ بھی کہتا ہے کہ کنکریٹ کی سلیبیں اگر فری فال سپیڈ سے بھی زمین بوس ہوتیں تو یوں سفوف میں تبدیل نہیں ہو سکتی تھیں۔ "کنکریٹ کو سفوف میں تبدیل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دھماکہ خیز مادہ استعمال کیا جائے"۔

دھماکہ خیز مادہ کے استعمال کے بارے میں ایک مضبوط دلیل کنگ کے ایک دوسرے بیان سے بھی پیدا ہوتی جس کی طرف اس نے اشارہ کیا ہے کہ جب ٹاورز زمین بوس ہونا شروع ہوئے تو وہ سیدھے زمین پر نہیں گرے جیسا کہ "پین کیک تھیوری" کہتی ہے، بلکہ وہ "دھماکے سے پھٹ گئے"۔ پاؤڈر بلڈنگوں سے اتنی قوت اور تیز رفتاری سے افقی طور پر نکلا کہ گرد و غبار کے بادلوں نے بلڈنگوں کو بالکل ڈھانپ لیا اور اس کا گھیر بلڈنگوں کی چوڑائی سے تین گنا بڑا تھا۔ ہفس شمڈ کی کتاب کی تصویریں ان حقائق کو مؤثر طور پر گرفت میں لانے اور سمجھنے میں انتہائی مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ دھماکہ خیز مادہ کے علاوہ ایسی کون سی چیز ہو سکتی تھی جس نے دنیا کی مضبوط ترین بلڈنگوں کے کنکریٹ کو سفوف اور پاؤڈر بنا کر 150 فٹ کے قطر میں پھیلا دیا؟ بلکہ چند تصویروں سے تو یہ بھی منکشف ہوتا ہے کہ صرف گرد و غبار ہی نہیں بلکہ بلڈنگ کے بڑے بڑے حصے اڑتے ہوئے 150 فٹ دور تک جا کر گرے۔ چونکا دینے والی یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ تباہ ہونے والی بلڈنگوں کا مضبوط ڈھانچہ زیادہ سٹیل پر مشتمل تھا۔ اسے اڑانے کے لیے تو اور بھی زیادہ انرجی (قوت) کی ضرورت درکار ہونی چاہیے۔ ملبے سے سٹیل کا کچھ ہی حصہ دستیاب ہوا۔ سٹیل کا ہر حصہ جوڑوں کی جگہ سے ٹوٹا تھا۔

"کنٹرولڈ ڈیمولیشن تھیوری" کو اس بات سے بھی تقویت پہنچتی ہے کہ فائرمینوں سمیت کچھ لوگوں نے نہ صرف دھماکے سنے اور جھٹکے محسوس کیے اور ان کے اثرات پائے۔ یہ

Marfat.com

دھماکے درمیانی منزلوں اور تہ خانوں میں دھماکہ خیز مادہ کے پھٹنے سے پیدا ہوئے۔

اس کی تائید ان اوسط درجے کے زلزلوں کے جھٹکوں کی ریکارڈنگ سے بھی ہوتی ہے جو دونوں بلڈنگوں کے انہدام کے وقت پیدا ہوئے تھے۔ یہ جھٹکے کولمبیا یونیورسٹی کی آبزرویٹری (Observatory) نے جو ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے 21 میل دور شمال میں واقع ہے۔9.59.04 بجے اور دوبارہ 10.28.31 بجے ریکارڈ کئے تھے۔ یہ جھٹکے پہلے 5 سیکنڈ میں بڑے طاقتور تھے جو اگلے 3 سیکنڈ میں مدھم پڑ گئے اور پھر آہستہ آہستہ ختم ہو گئے۔ پہلا جھٹکا 2.1 درجے کا اور دوسرا 2.3 درجے کا تھا۔ ہفس شمڈ کے خیال میں یہ طریق کار یہ ظاہر کرتا ہے کہ سب سے پہلے اس بارود کو اڑایا گیا جو اوپر والے نسبتاً پتلے ستونوں سے لگایا گیا تھا۔ کمپیوٹر پروگرام سے کنٹرول کر کے جسے نیچے والے ستونوں کو لگایا گیا تھا جب وہ پھٹا تو ستونوں کے پرخچے اڑ گئے۔ زلزلہ پیمانے شدید ترین جھٹکے اس وقت ریکارڈ کئے جب تہ خانوں کے بارود کا دھماکہ کیا گیا۔ پھر دھماکے ختم ہو گئے اور ملبہ چند سیکنڈ تک زمین پر گرتا رہا جو خفیف جھٹکوں کا باعث بنتا رہا۔

ڈیمولیشن تھیوری کی مزید تصدیق اس رپورٹ سے بھی ہوتی ہے کہ بیسمنٹ لیول پر پگھلا ہوا سٹیل پایا گیا تھا۔ فونیکس، میری لینڈ کے کنٹرولڈ ڈیمولیشن انکارپوریشن پریذیڈنٹ مارک لوئی زیکس جس نے تمام ملبے کو صاف کرنے کے بارے میں رپورٹ تیار کی تھی، کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ بلڈنگوں کی تباہی کے بعد تیسرے چوتھے اور پانچویں ہفتے میں عملہ صفائی نے بلڈنگوں کے سات درجے نیچے کے تہ خانوں کی خودکار سیڑھیوں کی بنیادوں کے قریب مختلف جگہوں پر پگھلا ہوا سٹیل پایا تھا۔

سٹیل کی ہاٹ سپاٹ کی موجودگی کی تشریح کے علاوہ، جو کئی ہفتے تک سلگتا رہا۔ یہ خیال کہ دھماکہ خیز مادہ استعمال کیا گیا ہے ایک اور ناقابل وضاحت اور حیران کن یہ حقیقت ہے کہ بلڈنگوں کا ملبہ، سٹیل سمیت، جلد از جلد ہٹا دیا گیا اور اس پر کوئی قابل ذکر تحقیقی کام نہیں کرنے دیا گیا تاکہ بلڈنگوں کے زمین بوس ہونے کی وجوہات کا پتہ لگایا جا سکے۔ مؤقر اخبار نیویارک ٹائمز نے یہ شکایت کی۔ ''یہ فیصلہ کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ملبے سے ملنے والے سٹیل کو بعجلت تمام دوبارہ ڈھال کر قابل استعمال بنا لیا جائے، کا مطلب ہے کہ اصل حقائق کبھی منظر عام پر نہ آسکیں''۔

Marfat.com

اگلے ہفتے کے مجلّے ''فائر انجینئرنگ'' نے اپنے ایک مضمون میں لکھا۔ ''تباہی اور اس کے ثبوتوں کو ختم کرنے کا سلسلہ فوراً بند کیا جائے''۔ لیکن ملبہ کو ہٹانے اور ثبوتوں کو معدوم کرنے کا سلسلہ پوری تیز رفتاری سے جاری رہا۔ اس اہم حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے پیٹر توجہ دلاتا ہے۔

''اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ ''ٹون ٹاورز'' کو سہارا دینے والے سٹیل کے انتہائی مضبوط بیم دھماکہ خیز مادہ لگا کر اڑائے گئے تھے۔ ملبے سے ملنے والے شواہد کی جانچ پڑتال ضروری تھی۔ دھاتوں کے ماہرین سٹیل کے ٹوٹے ہوئے حصوں کے معائنے کو تکنیکی زبان میں ٹوننگ (Twinning) کہتے ہیں''۔

لیکن ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے ملبے کو ہر ممکن حد تک تیز رفتاری سے اپنی جگہ سے ہٹا دیا گیا اور فورنسک معائنے کی اجازت نہیں دی گئی (عام فہم زبان میں پوسٹ مارٹم نہیں کرنے دیا گیا) تقریباً تمام کا تمام 3 لاکھ ٹن سٹیل بڑی عجلت میں نیویارک کے ان کباڑیوں کو بیچ دیا گیا جنہوں نے فوراً ہی یہ ملبہ دور دور ملکوں مثلاً چین اور کوریا کو اولیں فرصت میں دستیاب ہونے والے بحری جہازوں کے ذریعے برآمد کر دیا۔ اس طرح تمام ثبوت اور شواہد ختم کر دیئے گئے''۔

- ناقدین سوال کرتے ہیں کہ حکومت نے اتنی تیزی کیوں دکھائی؟ کیا حکومت کسی چیز کو چھپانا چاہتی تھی۔

ورلڈ ٹریڈ سنٹر بلڈنگ نمبر 7

اس 47 منزلہ بلڈنگ کی تباہی کے اسباب معلوم کرنے کی طرف نہ تو زیادہ توجہ دی گئی ہے اور نہ ہی اس کی وجہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے، بلکہ اسے اکثر حالتوں میں قابل توجہ ہی نہیں سمجھا گیا، حالانکہ اس بلڈنگ کی تباہی کا معمہ سب سے زیادہ پُر اسرار ہے۔ کیونکہ اس بلڈنگ سے تو کوئی جہاز ٹکرایا ہی نہیں تھا۔ لہٰذا ٹون ٹاور کی تباہی کے جو اسباب بیان کیے گئے ہیں وہ اس بلڈنگ کی تباہی کا جواز نہیں بنتے۔ اس بلڈنگ کی تباہی کے بارے میں حکومت کی طرف سے بھی کوئی وضاحت نہیں پیش کی گئی۔ فیما (Fema) نے اپنی رپورٹ میں بے شمار قیافے بیان کیے ہیں کہ کیا ہوا ہوگا لیکن کوئی حتمی اور نتیجہ خیز بات نہیں کہی کہ حقیقتاً کیا ہوا؟

Marfat.com

سینٹ کی ''ہاؤس سائنس کمیٹی'' نے بھی اس بارے میں کوئی وضاحت نہیں کی، لیکن عام طور پر جوافواہ گشت کرتی رہی ہے اور جس کا میڈیا میں بھی ذکر ہوتا رہا ہے اور جس کو کسی حد تک سرکاری افسر بھی مانتے ہیں کچھ اس طرح سے ہے۔

''اگرچہ بلڈنگ نمبر 7 شمالی ٹاور سے 355 فٹ دور واقع تھی اور اس کا فاصلہ جنوبی ٹاور سے اور بھی زیادہ تھا۔ اس کو ٹون ٹاور سے گرنے والے ملبے سے بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا، لیکن ملبے کے ٹکڑے اس کے اوپر سے گذر کر دور دور تک گرے تھے جس کی وجہ سے اسے معمولی سی آگ لگ گئی تھی۔ فائر چیف نے کچھ نامعلوم وجوہات کی بناء پر اپنے عملے کو اس بلڈنگ کے اندر جا کر آگ بجھانے سے منع کر دیا تھا۔ بلڈنگ کے اندر نصب شدہ خودکار آگ بجھانے کا نظام مبینہ طور پر کام کرنے میں ناکام رہا۔ آگ تیز ہوتی گئی اور آخرکار گراؤنڈ فلور پر سٹور شدہ ہزاروں گیلن ڈیزل تک پہنچ گئی اور پھر یہ آگ اتنی طاقتور ہو گئی کہ اس نے بلڈنگ کے سٹیل کے ڈھانچے کو کمزور کر دیا اور شام کے 5.20 بجے یہ بلڈنگ زمین بوس ہو گئی''۔

اب اس کہانی میں بہت سے جھول نظر آتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اس بلڈنگ میں بھڑکتی ہوئی آگ کا کوئی ثبوت ہی نہیں ہے۔ ہفس شمڈ کا کہنا ہے ''اس بلڈنگ کی جتنی بھی تصویریں لی گئیں۔ ان میں صرف چند کھڑکیوں میں معمولی آگ نظر آتی ہے۔ ابتدائی طور پر ساتویں اور بارہویں منزلوں پر''۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہائڈروکاربن آگ خواہ کتنی ہی تیز ہو۔ کسی بلڈنگ کے زمین بوس ہونے کا باعث کیسے بن سکتی ہے؟ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ بلڈنگ نمبر 6,5,4 میں بھی تیز آگ لگی ہوئی تھی، لیکن وہ نہیں گریں۔ اب ایک بلڈنگ کی تباہی کو جہاز کی ٹکر اور اس کے ایندھن سے بھی نہیں جوڑا جا سکتا۔ پوری دنیا کی تاریخ میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی بلڈنگ نمبر 7 پہلی مضبوط ترین سٹیل فریم کی بلڈنگ ہے جو محض آگ سے پہنچنے والے نقصان کی وجہ سے تباہ ہو گئی۔

ناقدین کا کہنا ہے کہ ایسی کوئی بات 9/11 کو ہوئی ہے تو یہ واقعہ یقیناً غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ سٹیل فریم بلڈنگوں کے بارے میں اب تک ماہرین تعمیرات اور انجینئروں کے جو نظریات تھے وہ تبدیل ہو جانے چاہئیں۔ انشورنس کمپنیوں کو بھی سٹیل فریم بلڈنگوں کے سلسلے میں اپنے ریٹ پر دوبارہ غور کرنا چاہئے کیونکہ ایسی بلڈنگیں اب معمولی

Marfat.com

آگ سے بھی زمین بوس ہو سکتی ہیں اور اسی طرح باقی اداروں کو ایسی بلڈنگوں کے بارے میں نئے سرے سے غور و فکر کرنا چاہئے اور پھر اس بات کو درست تسلیم کر لیا گیا ہے کہ بلڈنگ نمبر 7 صرف آگ کے نتیجے میں تباہ ہوئی اور اس میں کوئی غیر معمولی بات ہے ہی نہیں۔

سکاٹ لافری نے اپنے مقالے بعنوان ''ورلڈ ٹریڈ سنٹر نمبر 7 کی بعید از قیاس تباہی'' میں لکھا ہے ''Fema (فیڈرل ایمرجنسی مینجمنٹ اتھارٹی) نے WTC-7 کے بارے میں غضب کی سرد مہری کا مظاہرہ کیا ہے۔ عام طور پر اس قسم کی مضبوط بلڈنگوں کا ڈھانچہ اس طرح زمین بوس نہیں ہوتا۔ کیا اب ہم ایک ایسے دور میں رہ رہے ہیں جہاں بڑے بڑے شہروں کی انتہائی بلند و بالا سٹیل سے تعمیر شدہ بلڈنگیں کسی خاص وجہ کے بغیر ہی گر پڑیں اور کوئی اس پر بات ہی نہ کرے۔ کیوں؟''

پھر کئی دوسرے عوامل ہیں جو سرکاری کہانی کے برعکس ''کنٹرولڈ ڈیمولیشن تھیوری'' کی طرف اشارہ کرتے ہیں ہفس شمڈ کا اصرار ہے کہ ''ٹون ٹاورز'' کے برعکس بلڈنگ نمبر 7 کی تباہی ایک خاص نوعیت کی ہے۔

''بلڈنگ نمبر 7 تو اپنی بنیادوں پر ہی ڈھیر ہو گئی''۔

''جب بلڈنگ نمبر 7 گرنا شروع ہوئی تو اس کے اندرونی حصے پہلے گرے اور اسی سبب بیرونی ڈھانچہ بھی اندر کی طرف گرا۔ نتیجتاً ایک بہت چھوٹا ملبے کا ڈھیر لگا اور بیرونی دیواریں اسی ڈھیر پر آ گریں۔ عام طور پر کسی ضرورت کے تحت بارود لگا کر جب کوئی بلڈنگ گرائی جاتی ہے تو وہ عین اسی طرح گرتی ہے''۔

اس بلڈنگ کے گرنے سے بھی بہت سا پاؤڈر کی طرح گرد و غبار پیدا ہوا، لیکن یہ اتنا زیادہ نہیں تھا جتنا ٹون ٹاورز کے گرنے سے پیدا ہوا تھا۔ پھر یہ صرف زمین کی سطح پر ہی پیدا ہوا جہاں بلڈنگ گری۔ فضا میں نہیں۔

اس کے گرنے سے زلزلے کے جھٹکے پیدا ہوئے لیکن یہ جھٹکے طاقت میں ''ٹون ٹاورز'' سے پیدا ہونے والے جھٹکوں سے دس گنا کمزور تھے۔ اس کے ملبے میں بھی دو جگہ ''ہاٹ سپاٹ'' (لوہے کے پگھلنے کی جگہیں) پائی گئیں۔ ایک تو بہت ہی زیادہ گرم تھی۔ اس جگہ پگھلا ہوا سٹیل پایا گیا۔ اس جگہ سے سٹیل کو فوراً ہٹا دیا گیا اور ملبہ صاف کر دیا گیا۔ حالانکہ یہاں سے کسی زندہ انسان کو تلاش کرنے کی جلدی نہیں تھی کیونکہ بلڈنگ پہلے ہی خالی پڑی تھی، اور جیسا کہ ٹون

Marfat.com

Marfat.com

ٹاورز سے جلد از جلد ملبہ ہٹانے کا جواز بتایا گیا تھا۔لہٰذا واقعاتی اور سائنسی شہادت کو مٹانے کی اتنی جلدی کیا تھی؟ جبکہ ایسا اقدام خود جرم کے زمرے میں آتا ہے۔

اب میں واپس Fema کی رپورٹ کی طرف آتا ہوں، جس نے اس معمے کو سلجھانے کے سلسلے میں کوئی وضاحت نہیں کی بلکہ کہا ہے"ورلڈ ٹریڈ سنٹر بلڈنگ نمبر 7 میں لگنے والی آگ اور اس کے نتیجے میں بلڈنگ کی تباہی کے اسباب ابھی تک معلوم نہیں ہیں۔ اگرچہ بلڈنگ میں موجود ڈیزل سے بہت زیادہ انرجی پیدا ہو سکتی تھی، لیکن یہ صرف مفروضہ ہے کہ ایسا ہو سکتا تھا"۔

یہ بات تسلیم کی جانی چاہئے کہ Fema کے سپرد ایک ناممکن العمل کام کیا گیا تھا۔ یعنی کہ وہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کا ایسا جواز تراشے جو حکومت کی بیان کردہ کہانی سے مطابقت رکھتا ہو۔ وہ (فیما) کھل کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ بلڈنگوں کی تباہی کنٹرولڈ ڈیمولیشن سے ممکن ہو سکتی تھی (یعنی دھماکہ خیز مادے سے) صرف وہ اتنا ہی کہہ سکا کہ ایسا بھی کسی حد تک ممکن ہو سکتا تھا۔ یہی بات تھامس ایگر اور دوسرے ماہرین کے بارے میں کہی جا سکتی ہے، جنہوں نے ٹون ٹاور کی اسی قسم کی بعید از قیاس وضاحت پیش کی ہے۔اگر سیاسی مصلحت کارفرمانہ ہوتی تو وہ اسے ممکن الوقوع مفروضہ بھی کہہ سکتے تھے اور ان میں سے زیادہ تر اسے کنٹرولڈ ڈیمولیشن ہی ثابت کرتے۔ مثال کے طور پر میتھس لیوی جس کا خیال ہے کہ ٹاروز اس لیے زمین بوس ہوئے کہ ان کا سٹیل پگھل گیا تھا۔ یہ بھی کہتا ہے۔"اگر آپ دیکھیں تو یہ بہت ممکن حد تک کنٹرولڈ ڈیمولیشن سے ہی ہو سکتا تھا"۔ یہ یقیناً کنٹرولڈ ڈیمولیشن تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دہشت گرد ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو تباہ کرنے میں تبھی کامیاب ہوئے جبکہ انہیں "اندرون خانہ" مدد حاصل تھی۔

ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی بلڈنگ ایک، دو اور سات اور فلائٹ 77 اور 175 کے بارے میں حکومتی نقطۂ نظر کے خلاف جو اعتراضات اٹھائے گئے ہیں وہ لازمی طور پر اس سارے معاملے میں صدر کے ملوث ہونے کو ثابت نہیں کرتے۔ البتہ وہ سرکاری سطح پر کسی نہ کسی کے ملوث ہونے کی طرف اشارہ ضرور کرتے ہیں۔ یہ ثبوت کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی میں اندرون خانہ کچھ نادیدہ ہاتھ ملوث ہیں، اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کچھ پرائیویٹ پارٹیوں نے یہ تمام منصوبہ بندی کی ہو، لیکن جس جلد بازی کے ساتھ فیڈرل حکومت نے ملبہ

Marfat.com

صاف کر کے قانونی شہادتیں ضائع کیں، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی بات کی پردہ پوشی کی گئی ہے۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ دہشت گردوں کے حملوں کی کامیابی میں سرکاری سطح پر کوئی سہولت مہیا نہیں کی گئی، لیکن فلائٹ 11 اور 175 جن حالات کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس سے کم از کم پنٹاگان کے ماتحت نیشنل ملٹری کمانڈ سنٹر (NMCC) اور نارتھ امریکن ایرو سپیس ڈیفنس کمانڈ (Norad) کے ملوث ہونے کو ضرور ظاہر کرتی ہے۔ یہ کہنا بھی درست معلوم نہیں ہوتا کہ سرکاری طور پر کسی ایجنسی کو ان حملوں کے بارے میں پہلے سے کوئی اطلاع نہیں تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کامیاب ہو ہی نہیں سکتے تھے تاوقتیکہ اعلیٰ سطح پر جیٹ فائٹر کو معمول کے دستور کے برعکس ''سٹینڈ ڈاون'' (فضا میں بلند نہ ہونے) کے آرڈر نہ دیئے گئے ہوں اور اس روز خصوصی طور پر روزمرہ کی فضائی گشت معطل نہ کر دی گئی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ایسے ''سٹینڈ ڈاون'' آرڈرز ''پنٹاگان'' سے جاری کئے گئے ہوں لیکن یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ ایسے آرڈرز وائٹ ہاؤس میں منظوری کے بغیر جاری کئے گئے ہوں۔

''ورلڈ ٹریڈ سنٹرز'' کی تباہی کے بارے میں سرکاری طور پر جو کہانیاں بیان کی گئی اور افواہیں پھیلائی گئیں ہیں ان سے کئی پریشان کن سوال پیدا ہو گئے ہیں اس سے زیادہ چبھتے ہوئے سوال حکومتی بیان اور دوسری فلائٹ کے حقائق کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتے ہیں (اشارہ فلائٹ نمبر 77 کی طرف ہے جو پنٹاگان سے ٹکرائی اور فلائٹ نمبر 93 جسے پنسلوینیا میں مار گرایا گیا تھا۔)

Marfat.com

فلائٹ نمبر AA77 کیا حقیقتاً یہی جہاز پنٹاگان سے ٹکرایا تھا؟ ایک معمہ ہے نہ سمجھنے کا، نہ سمجھانے کا

امریکن ایئرلائن کی فلائٹ نمبر 77، واشنگٹن ڈی سی کے ہوائی اڈے ڈلاس (Dulles) ایئرپورٹ، واقع ورجینیا سے صبح کے 8.20 بجے روانہ ہوئی اور 8.46 بجے تک اپنے مقررہ راستے سے بھٹکی رہی لیکن اس کے پیچھے کوئی جیٹ فائٹر نہیں اڑائے گئے۔ 8.50 بجے جہاز پھر اپنے مقررہ راستے پر آ گیا لیکن اس کا کنٹرول ٹاور سے ریڈیائی رابطہ منقطع ہو گیا اور 8.56 بجے جہاز ایئر کنٹرولر کی راڈار سکرین سے غائب ہو گیا اور اس کے کمپیوٹر کا رابطہ کٹ گیا۔ اس وقت جہاز ''انڈیاناپولس'' (Indianapolis) شہر کے قرب و جوار میں تھا، لیکن اس کی تلاش کے لیے کوئی جیٹ فائٹر فضا میں نہیں بھیجے گئے۔ 9.09 بجے ایئر ٹریفک کنٹرولر نے وارننگ جاری کی کہ ہو سکتا ہے یہ جہاز اوہائیو (Ohio) سٹیٹ میں گر کر تباہ ہو گیا ہو۔ بعد ازاں مشہور اخبار ''یو ایس ٹوڈے'' (U.S.Today) نے مزید تفصیلات پر مشتمل جو کہانی شائع کی وہ کچھ اس طرح سے تھی۔ ''ایک اور جہاز راڈار سے غائب ہو گیا اور ہو سکتا ہے کنٹا کی (Kentucky) میں کریش ہو گیا ہو''۔

رپورٹیں اتنی اہم تھیں کہ فیڈرل ایوی ایشن اتھارٹی (FAA) کی ہیڈ جین گاروی (Jane Garvey) نے وائٹ ہاؤس کو اطلاع دینا ضروری سمجھا کہ ایک اور ہوائی جہاز کریش ہو گیا ہے (اس سے پہلے دو جہاز ورلڈ ٹریڈ سنٹر (ٹوِن ٹاورز) نیویارک سے ٹکرا چکے

Marfat.com

تھے :مترجم)۔اس کے بعد فلائٹ 77 کے بارے میں کم از کم سرکاری سطح پر کوئی اطلاع نہیں ملی تاوقت کہ 9.25 بج گئے۔

9.25 بجے، فلائٹ 77 کے راڈار سکرین سے غائب ہونے کے 29 منٹ بعد، ڈلاس ایئر پورٹ کے ایئر کنٹرولر نے ایک تیز رفتار (نامعلوم) جہاز کو راڈار پر دیکھے جانے کی رپورٹ دی اور انتباہ کیا کہ یہ جہاز وائٹ ہاؤس کی سمت بڑھ رہا ہے۔ یہ اطلاع 9.27 بجے نائب صدر ڈک چینی اور نیشنل سیکورٹی کی مشیر کونڈا لیزا رائس (Condoleeza Rice) کو پہنچائی گئی جو کہ اس وقت وائٹ ہاؤس کے زیر زمین مورچوں (بنکرز) میں پناہ لے چکی تھی۔انہیں بتایا گیا کہ راڈار پر ایک ایسا (نامعلوم) جہاز نظر آیا ہے جو وائٹ ہاؤس سے صرف 50 میل دور ہے اور تیزی سے اس طرف بڑھ رہا ہے۔9.33 بجے راڈار سکرین نے دکھایا کہ جہاز امریکہ کے دارالخلافہ کے اردگرد واقع بیلٹ وے (Beltway) کو پار کر کے ''پنٹاگان'' کی طرف جارہا ہے۔ دو منٹ تک جہاز نے بلندی پر پرواز کی اور پھر 9.35 بجے جہاز نے ایک دائرے میں گھومتے ہوئے 7 ہزار فٹ کی بلندی سے نہایت خطرناک طریقے سے غوطہ لگایا اور وہ 2.30 منٹ میں خوفناک حد تک نیچے آ گیا۔ سرکاری کہانی کے مطابق، اس وقت سیکرٹری دفاع رمز فیلڈ کو اس جہاز کے سر پر پہنچنے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا اور سیکرٹری دفاع ابھی تک ایوان کے نمائندے مسٹر کوکس (Cox) سے ملاقات میں مصروف تھا۔ جب وہ دونوں ٹی وی پر ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کے منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، رمز فیلڈ نے زوردار الفاظ میں یہ پیش گوئی کی۔

''یقین کریں مسٹر کوکس، یہ تمام (ڈرامہ) ابھی ختم نہیں ہوا۔ایک اور حملہ ہونے والا ہے اور ہو سکتا ہے اس کا نشانہ ہم ہوں''۔

(پنٹاگان، کیونکہ یہ ملاقات پنٹاگان میں ہو رہی تھی: مترجم)۔

چند لمحوں بعد ہی جہاز پنٹاگان سے 9.38 بجے ٹکرا گیا۔اس کریش کے نتیجے میں اور اس سے لگنے والی آگ کی وجہ سے 125 افراد، جن میں زیادہ تر سویلین (Civilians) تھے، ہلاک ہوئے۔

اگرچہ اس روز، بعدازاں بتایا گیا کہ پنٹاگان سے ٹکرانے والا جہاز فلائٹ نمبر 77 کا تھا اور یہ جہاز بوئنگ 757 تھا۔ یہ فوری طور پر بظاہر ناممکن العمل دکھائی دیتا تھا۔ ڈلاس

Marfat.com

ائیر پورٹ کے جن ائیر کنٹرولرز نے 9.25 بجے جہاز کو راڈار سکرین پر دیکھا تھا، میں سے ایک ائیر کنٹرولر ڈینئل اوبرائن (Danielle Obrein) نے بعد ازاں بتایا۔ ''کنٹرول روم میں اس وقت ہم سب نہایت تجربہ کار ائیر کنٹرولر موجود تھے جنہوں نے جہاز کو راڈار سکرین پر دیکھا۔ جہاز کی جو رفتار تھی (انتہائی تیز) جس طرح وہ فضا میں قلابازیاں کھا رہا تھا اور جس طرح اس نے چکر کاٹے اور غوطہ لگایا۔ ہم نے کہا کہ وہ ملٹری جہاز ہے''۔

ایک اور عینی شاہد نے، جس نے پنٹاگان سٹی کے اپارٹمنٹ کی چودھویں منزل سے جہاز کو دیکھا کا کہنا تھا۔ کہ'' لگتا تھا اس میں 8 یا 12 آدمی بیٹھ سکتے تھے اور اس کی گونج ایسی تھی جیسی جیٹ فائٹر کی ہوتی ہے''۔ مجلہ ''سپیس نیوز'' (SpaceNews) نے لکھا۔ ''میرا یقین ہے کہ یہ ایک میزائل تھا''۔ اس کے ایڈیٹر کا نام لون رینز (Lon Rains) تھا۔ ''یہ اتنی سپیڈ سے آیا کہ ایسا لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ کوئی جہاز ہے''۔ ایک اور عینی شاہد جس نے اسے اپنی کار سے دیکھا، اس نے مبینہ طور پر کہا۔ ''یہ کوئی کروز میزائل کی طرح کی چیز تھی جس کے پر بھی تھے''۔ حکومت کی کہانی کے مطابق یہ بہت بڑا جہاز، بوئنگ 757 تھا۔ یقیناً فلائٹ 77 کا جہاز بوئنگ 757 ہی تھا۔

اس روز تو یہ تمام کڑیاں بتدریج ملائی گئیں۔ ٹی وی چینل اے بی سی نیوز (ABC News) نے 10.32 بجے خبر نشر کی کہ فلائٹ نمبر 77 اغوا کر لی گئی ہے لیکن اس نے اس طرف کوئی اشارہ نہیں کیا کہ وہ فلائٹ واشنگٹن کی طرف واپس آ کر ''پنٹاگان'' سے ٹکرا گئی ہے۔ اس کے فوراً بعد ''فوکس ٹی وی'' نے یقیناً یہ خبر نشر کی کہ ''پنٹاگان سے یو ایس ائیر فورس کا ایک جہاز ٹکرا گیا ہے''۔ آہستہ آہستہ بعد دوپہر عام طور پر یہ مانا جانے لگا کہ ''پنٹاگان'' سے جو جہاز ٹکرایا وہ فلائٹ 77 کا ہی تھا۔

حکومتی کہانی کے معترضین اس مؤقف کو قطعی طور پر رد کرتے ہوئے اسے درست ماننے سے انکاری ہیں۔ سب سے بڑا معترض یا نقاد، جو پنٹاگان پر حملے کی حکومتی کہانی کو رد کرتا ہے۔ وہ وولٹیرنیٹ ورک کا پریذیڈنٹ، فرانسیسی محقق اور ریسرچ سکالر تھیری میسان ہے۔ جسے موقر اخبار ''گارڈین'' نے 2002 میں، باوقار، آزاد مفکر اور تھنک ٹینک جس کی اب تک کی ریسرچ اور تحقیقات کو دوسروں کے لیے قابل تقلید، معقول اور حقیقت پسندانہ قرار دیا ہے۔ (نوٹ: میسان کی کتاب بعنوان بڑا جھوٹ (The Big Lie) فرانسیسی

Marfat.com

زبان میں حادثے کے فوراً بعد ہی منظر عام پر آ گئی تھی، لیکن کتاب کے انگلش ترجمے میں کچھ دیر ہو گئی۔ اس کتاب نے حکومت کے جھوٹ کا اچھی طرح پول کھول دیا تھا: مترجم)۔

پنٹاگان کے ارباب اختیار نے فوراً ہی میسان کے حکومت مخالف نظریئے کو مسترد کر دیا تھا۔ 25 جون 2002ء کو محکمہ دفاع کی پریس بریفنگ کے دوران، محکمہ کی ترجمان وکٹوریا کلارک سے جب میسان کی طرف سے پیش کیے گئے نظریئے کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا۔ ''اس بارے میں کوئی سوال اور شک شبہ نہیں ہے کہ اس روز کیا ہوا تھا اور میرے خیال میں یہ انتہائی خوفزدہ کرنے والی بات ہے کہ کوئی ایسی افسانہ تراشی کرے۔ میرے خیال میں یہ بات بھی خطرناک ہے کہ کوئی ایسے افسانوں کی تشریح اور پبلسٹی کرے یا چھاپے''۔

یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سچائی خواہ کچھ بھی ہو ''پنٹاگان'' نہیں چاہتا کہ اخباری نمائندے میسان کے پیش کیے گئے نکات پر تحقیق کریں اور محکمہ دفاع اسے ''خوفناک'' کہہ کر رپورٹرز کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ میسان بھی محکمہ دفاع کی طرف سے پیش کی گئی سٹوری کو ''خوفناک فراڈ'' سے ہی تعبیر کرتا ہے۔

لیکن ایک دوسرے پر الزام تراشی سے اصل حقیقت کو نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ واقعاتی شہادتوں اور موقع کے ثبوتوں سے کس کا نقطہ نظر صحیح ثابت ہوتا ہے اور میسان کے دلائل کو جب دوسرے معترضین کے سوالوں سے ملا کر دیکھا جائے تو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ یہ فلائٹ 77 (بوئنگ 757) نہ تھی جو پنٹاگان سے ٹکرائی۔ میں یہاں میسان کے پیش کردہ نظریے کے حق میں پانچ اسباب پر بحث کروں گا اور پھر ثابت کروں گا کہ حکومت کی کہانی کو درست تسلیم کرنے میں کیا مشکلات ہیں کہ پنٹاگان سے فلائٹ 77 ہی ٹکرائی تھی۔

کیا شناخت کے ذرائع قابل اعتماد تھے؟

میسان کا کہنا ہے فلائٹ 77 اور پنٹاگان سے ٹکرانے والے جہاز کی شناخت (یا فرق) بتدریج واضح ہوا۔ ابتدائی طور پر جس ذریعہ نے اس کی شناخت کے بارے میں بتایا وہ مشتبہ اور مشکوک ہے (یعنی حکومتی ذرائع) خصوصاً ایک ذریعہ کے علاوہ جہاز کی

Marfat.com

شناخت کے بارے میں جتنے بیانات آئے وہ ملٹری کی شخصیات کی طرف سے تھے۔ اس
شناخت کے بارے میں ملٹری کی (پنٹاگان) ویب سائٹ پر جو بیان جاری ہوا وہ یہ اعلان
تھا کہ ''پنٹاگان سے ایک کمرشل ہوائی جہاز ٹکرا گیا ہے۔ جو ممکنہ طور پر اغواء شدہ جہاز تھا''۔

پھر اسی شام کو ذرائع ابلاغ میں یہ کہانی شدومد سے پھیلائی گئی کہ یہ فلائٹ 77 تھی۔ مشہور اخبار ''لاس اینجلس'' کی رپورٹ کے مطابق یہ سٹوری پھیلانے والے چند اہلکار تھے جنہوں نے اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی درخواست کی تھی۔ میڈیا نے بھی اب یہ کہنا شروع کر دیا کہ ''فلائٹ 77 نے راڈار سکرین سے غائب ہونے سے پہلے یوٹرن (U-Turn) لے کر واشنگٹن کی طرف بڑھنا شروع کر دیا تھا'' لیکن میسان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ سول ایئر کنٹرولر، سرکاری ذرائع کے مطابق، اس وقت راڈار یا کمپیوٹر پر ریڈیائی لہریں وصول نہیں کر رہے تھے (یعنی رابطہ منقطع تھا) یہ اطلاع یا خبر (یوٹرن والی) بھی یقیناً ملٹری ذرائع نے ہی پھیلائی ہوگی۔

ایک اور ذریعہ جس نے فلائٹ 77 ہی کو پنٹاگان سے ٹکرانے کی شہادت مہیا کی تھی وہ شہادت یو۔ ایس جسٹس ڈیپارٹمنٹ کے سولیسائٹر جنرل تھیوڈر (ٹیڈ) اولسن کی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کی مصنفہ اور ٹی وی کمنٹیٹر بیوی باربرہ اولسن نے فلائٹ 77 سے دو دفعہ فون کیا تھا۔ پہلے 9.25 بجے اور دوبارہ 9.30 بجے۔ رپورٹوں کے مطابق ان کی آپس کی گفتگو سے یہ قطعاً ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ جہاز اس وقت کہاں اور کس سمت کو پرواز کر رہا ہے، لیکن یہ ضرور ظاہر ہوتا تھا کہ فلائٹ 77 اس وقت تک نہ تو کہیں کریش ہوئی تھی اور نہ ہی فضاء میں دھماکہ سے اڑی تھی لیکن ہائی جیک ہو چکی تھی۔ لہٰذا شبہ ہو سکتا تھا کہ ''شاید'' فلائٹ 77 ہی پنٹاگان سے ٹکرائی ہوگی۔

اولسن کے بیان حلفی پر شک وشبہ کرنے کی چار وجوہات بہت نمایاں ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ بش انتظامیہ کا کل پرزہ اور قریبی تعلقدار رہا ہے۔ علاوہ ازیں اس نے 2000 کے الیکشن کے تنازعے میں بش کی طرف سے سپریم کورٹ میں کیس کی پیروی کی تھی۔ جب وائس پریذیڈنٹ چینی کے خلاف انرون (Enron) سکینڈل کی تحقیقات ہو رہی تھی تو اس نے تحقیقاتی کمیٹی کو سرکاری دستاویزات مہیا کرنے کی مخالفت کی تھی۔ دوسرے اولسن نے یہ بھی کہا تھا کہ بہت سے ایسے ناگریز حالات ہوتے ہیں جب سرکاری اہلکاروں کو ''جائز طور

Marfat.com

جھوٹی خبریں پھیلانی پڑتی ہیں''۔ تیسرے اولسن کی اپنی بیوی سے گفتگو کی کہانی مبہم، غیر واضح اور مشکوک بلکہ تضادات کا مجموعہ تھی۔ چوتھے اغواء ہونے والے دوسرے جہازوں سے بے شمار لوگوں نے فون کالیں کی تھیں، جن میں فضائی میزبان بھی شامل تھے، لیکن فلائٹ 77 سے فون کال وصول کرنے والا صرف ایک ہی شخص سامنے آیا۔ ٹیڈ اولسن، یہ آخری وجہ تو اور بھی حیران کن ہے جبکہ ایک بعد کی رپورٹ کے مطابق ہائی جیکروں نے مسافروں سے کہہ دیا تھا کہ اب سب لوگ مرے جا رہے ہیں لہٰذا وہ اپنی فیملیوں کو فون کال کر سکتے ہیں۔

تھامپسن کا سوال ہے۔ ''جب جہاز کے اندر یہ اعلان کر دیا گیا تھا۔ تو باربرہ اولسن کے علاوہ کسی نے بھی جہاز کے اندر سے فون کیوں نہیں کیا؟'' دوسرے الفاظ میں تھامپسن کا سوال یہ ہے کہ کیا واقعی باربرہ نے فون کیا تھا؟ یہ سوال اس کی کمپنی کے ریکارڈ کو چیک کر کے حل کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح امریکن ایئر لائن اور جسٹس ڈیپارٹمنٹ کے ریکارڈ کی جانچ پڑتال کی جا سکتی ہے۔ اگر نتیجہ اولسن کے بیان کے برعکس نکلے تو اس سے وضاحت طلب کی جا سکتی ہے۔ پھر باربرہ اولسن کا کیا بنا؟

یا یہ ہو سکتا ہے کہ اولسن نے جان بوجھ کر حکومتی کہانی کو درست ثابت کرنے کے لیے اپنے آپ کو سرکاری اہلکاروں کی ہاں میں ہاں ملائی ہو۔

Marfat.com

عملی ثبوت کہ پنٹاگان سے بوئنگ 757 نہیں ٹکرایا

اس کے علاوہ فلائٹ 77 کے پنٹاگان سے ٹکرانے کے بارے میں تمام اطلاعات مشکوک اور مشتبہ ذرائع سے منظر عام پر آئی یا لائی گئیں، میسان نے ایک اور عملی شہادت پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ پنٹاگان سے بوئنگ 757 جو کہ فلائٹ AA 77 کا جہاز تھا۔ نہیں ٹکرایا۔ سب سے بڑا ثبوت وہ تصاویر ہیں جو حادثے کے فوراً بعد اتاری گئی تھیں۔ ایک نہایت اہم تصویر ایسوسی ایٹڈ پریس کے ٹام ہوران (Tom Horan) نے اس وقت اتاری تھی جب آگ بجھانے والے ٹرک موقع پر پہنچے تھے لیکن ابھی عملے نے کام شروع نہیں کیا تھا۔ (یہ تصویر میسان نے 9/11 کے بارے میں اپنی تحقیقاتی کتاب دی بگ لائی (The Big Lie) میں پنٹاگیٹ (Pentagate) کے زیر عنوان بھی اور کتاب کے ٹائٹل کور پر بھی شائع کی ہے اور انٹرنیٹ پر بھی موجود ہے) جب یہ تصویر اتاری گئی پنٹاگان کی عمارت کے مغربی پہلو کا سامنے کا حصہ ابھی نہیں گرا تھا اسی وقت کی ایک دوسری تصویر یہ ظاہر کرتی ہے کہ جہاز کے ٹکرانے سے دیوار میں پڑنے والا سوراخ 15 تا 18 ڈایا قطر سے بڑا نہ تھا جو اس اخباری رپورٹ کی واضح تردید کرتا تھا کہ یہ "پانچ منزلوں کے برابر اونچا اور 200 فٹ چوڑا تھا"۔ یہ سوراخ یا ہول یہ بھی ظاہر کرتا تھا کہ اس کے اوپر یا دائیں بائیں عمارت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا اور اس تصویر میں کسی جہاز کا کوئی نام و نشان، اگلا حصہ، دم، پر یا انجن وغیرہ کچھ بھی نہیں، نہ یہ ثبوت کہ جہاز لان سے رگڑ کھا کر گزرا ہے۔ جو کوئی "چیز" بھی پنٹاگان سے ٹکرائی تھی وہ فضا سے سیدھی آ کر ٹکرائی اور مکمل طور پر اندر گھس گئی۔

Marfat.com

جہاز بلڈنگ کے اندر کس دوری تک گھستا چلا گیا؟ اس کے بارے میں بعد میں لی گئی ایک تصویر پنٹاگان نے شائع کی تھی۔ یہ تصویر ظاہر کرتی تھی کہ بلڈنگ کی پانچ میں تیسری قطار کی دیوار میں، جو سی رنگ (C-Ring) کے نام سے موسوم تھی، تقریباً سات ڈایا میٹر (محیط) کا سوراخ تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جہاز، میں مضبوط ترین چھ دیواروں کو توڑ کر گذر جانے کی طاقت تھی۔

ان تصویری شہادتوں نے حکومتی کہانی کے درست ہونے کے بارے میں بے شمار شکوک وشبہات پیدا کر دیئے ہیں۔ سرکاری بیان کے مطابق یہ ایک بڑے ہوائی جہاز جیسا کہ بوئنگ 757 سے پہنچنے والا نقصان تھا۔ بہ ظاہر سب سے بڑی الجھن یہ ہے کہ جہاز صرف صرف پہلی تین رنگز (Rings) تک دیواریں توڑتا ہوا بلڈنگ کے اندر گھسا، وہاں تک تو صرف 757 جہاز کی ناک (Nose) ہی پہنچی ہوگی۔ جہاز کا باقی ماندہ حصہ تو بلڈنگ سے باہر ہی رہا ہوگا۔

میسان کا تبصرہ ہے۔ ''ہمیں حقیقتاً جہاز کے پر اور باقی حصے لان پر پڑے نظر آنے چاہئیں''۔ یہ دلیل بھی دی جاسکتی ہے کہ تمام جہاز اس سے پہلے ہی جل کر ختم چکا تھا جب تصویریں اتاری گئیں، لیکن میسان کا استدلال ہے۔

''چونکہ جہاز کی ناک کاربن سے بنی ہوتی ہے اور پروں میں ایندھن ہوتا ہے لہٰذا وہ جل سکتے ہیں۔ جہاز کا ڈھانچہ ایلومیلیم سے اور جیٹ انجن سٹیل کے بنے ہوتے ہیں۔ لہٰذا آگ بجھنے کے بعد کچھ نہ کچھ جلا ہوا ملبہ موجود ہونا چاہئے''۔ لیکن تعجب خیز بات ہے کہ ٹام ہوران کی تصویر اور دوسری تصاویر میں جلے ہوئے ملبے کا کوئی ذرہ سا حصہ بھی نظر نہیں آتا۔

سرکاری کہانی یقینی طور پر اس پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے کہتی ہے کہ نہ صرف جہاز کی ناک بلکہ پورا جہاز ہی پنٹاگان بلڈنگ کے اندر گھس گیا تھا۔ یہی وجہ ہے وہ تصویروں میں نظر نہیں آرہا، لیکن تصویروں کے دوسرے پہلو اس کہانی کو درست ماننے کے سلسلے میں ناقابل قبول مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ اول یہ کہ جہاز کے ٹکرانے سے جو سوراخ بنا اس کا ڈایا میٹر یا محیط صرف 18 فٹ ہے۔ کیا یہ ایک احمقانہ خیال نہیں ہے کہ بوئنگ 757 جیسا دیوہیکل جہاز اتنے چھوٹے سے سوراخ سے گذر کر غائب ہو گیا؟ میسان کا کہنا ہے کہ سوراخ مسافر کیبن سے جو کہ 12 فٹ سے چوڑا ہوتا ہے، کافی بڑا تھا، لیکن پروں سمیت اس کی چوڑائی

Marfat.com

125 فٹ تک پھیل جاتی ہے کیا یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ 125 فٹ چوڑے جہاز نے 20 فٹ سے بھی چھوٹا سوراخ پیدا کیا اور اس میں غائب ہو گیا؟

بظاہر ایسا ہوا۔ سرکاری بیان کا دفاع کرنے والے کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ جہاز کے پر انتہائی مضبوط ویسٹ ونگ کی سامنے کی دیوار سے ٹکراتے وقت پیچھے کو مڑ گئے ہوں گے۔ اس طرح پورا جہاز بلڈنگ کے اندر غائب ہو گیا۔ اسی طرح کے ایک مدعی کا کہنا ہے۔

''جس وقت جہاز کا سامنے کا حصہ پنٹاگان سے ٹکرایا تو دونوں پر ٹکر کی شدت سے ٹوٹ کر جہاز کی باڈی سے چپک گئے ہوں گے اور جہاز کے ساتھ ہی بلڈنگ کے اندر گھس گئے ہوں گے۔ پروں کا اندرونی حصہ بھی جہاز کے ساتھ ہی پنٹاگان کی دیواروں میں گھس گیا ہوگا۔ پروں کے ہر سائز کے ٹکڑے دھماکے کے وقت یا بعد ازاں لگنے والی آگ کے نتیجے میں تباہ ہو گئے ہوں گے''۔

''اس وضاحت کو ماننے میں یقینی طور پر ایک اور مشکل ہے وہ یہ کہ جب جہاز کی ناک کے پنٹاگان سے ٹکرانے کے نتیجے میں اس کی آگے بڑھنے کی رفتار بہت کم ہو گئی ہو گی لہٰذا جہاز کے پر پچھلی طرف کو فولڈ نہیں ہوئے ہوں گے۔ تاوقتیکہ ''قانون قوتِ حرکت'' کو فوری طور پر معطل نہ کر دیا جائے۔ پر آگے کی طرف مڑ گئے ہوں گے نہ کہ پیچھے کی طرف''۔ میسان کا استدلال ہے۔ مزید یہ کہ بوئنگ 757 کے انجن، جو سٹیل کے بنے ہوتے ہیں۔ وہ پروں کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں، لہٰذا جہاز کے پر بلڈنگ کے ماتھے سے زبردست قوت سے ٹکرائے ہوں گے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ بلڈنگ کے سامنے کے حصے کے زمین بوس ہونے سے پہلے کی لی گئی تصاویر سے ہمیں سوراخ والی جگہ کے اردگرد کسی قسم کا نقصان نظر نہیں آتا۔ حالانکہ انجن پوری قوت سے دیوار سے ٹکرائے ہوں گے۔

اگر یہ اس مسئلہ کا کوئی حتمی حل نہیں ہے، تصویریں صاف طور پر یہ ظاہر کر رہی ہیں کہ سوراخ کے اوپری سامنے والی دیوار بالکل صحیح و سالم ہے اور اس پر حادثے کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ اس بات کو اور بھی ناقابل فہم بنا دیتا ہے۔ جب آپ بوئنگ بہت لمبی دم کو بھی پیش نظر رکھیں۔ جیسا کہ میسان کا کہنا ہے کہ اگر دم کو بھی شامل کر لیا جائے تو بوئنگ 757 کی اونچائی 40 فٹ بن جاتی ہے۔ جب تک کوئی یہ دعویٰ نہ کرے کہ جہاز کی دم جہاز کے بلڈنگ کے اندر گھسنے سے پہلے ہی غوطہ لگا گئی تھی۔ یہ حقیقت اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ چونکہ

Marfat.com

سوراخ کے اوپری حصے کی دیوار مکمل طور پر محفوظ تھی۔ لہٰذا بلڈنگ میں گھسنے والی چیز "بوئنگ 757 ہرگز نہ تھی۔ پنٹاگان کے ویسٹ ونگ میں گھسنے والی کوئی دوسری چیز تھی۔ میسان، فرانسیسی ماہر حادثات فرانکوئز گرانگیئر (Francois Grangier) کے حوالے سے کہتا ہے۔ "ان تصویروں کے دیکھنے کے بعد ایک بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ چونکہ دیوار کے ماتھے پر سوراخ کے اردگرد کے تمام حصے درست اور صحیح سالم حالت میں نظر آتے ہیں لہٰذا بظاہر کوئی جہاز اس سوراخ میں پنٹاگان کے اندر نہیں گھسا"۔

عمومی مسئلہ یہ ہے کہ جو چیز بھی پنٹاگان سے ٹکرائی، اس سے کوئی بہت زیادہ نقصان نہیں پہنچا اور تباہی نہیں پھیلی کہ حکومت کے بیان کو درست تسلیم کرلیا جائے۔ ایک بوئنگ 757 بہت اونچا اور اس کے پروں کا محیط بہت پھیلا ہوا ہوتا ہے اور اس کا وزن 100 ٹن سے زائد ہوتا ہے۔ 250 سے 440 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑتے ہوئے ہولناک بربادی وتباہی کا باعث بن سکتا تھا۔ اس کے باوجود جو تصویریں محکمہ دفاع نے خود مہیا کی ہیں وہ صرف بلڈنگ کے پہلے حصے کو پہنچنے والے نقصان کو ظاہر کرتی ہیں۔ دوسرے اور تیسرے حصے کی دیواروں میں ہونے والا ہول (سوراخ) صرف 7 فٹ قطر کا تھا جس کا مطلب ہے جہاز بہت چھوٹا تھا۔

علاوہ ازیں اگر پنٹاگان سے ٹکرانے والے جہاز نے بوئنگ کی نسبت بہت تھوڑا نقصان کیا، لیکن "سی رنگ" کی دیوار میں سوراخ کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اس نے بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ میسان کا کہنا ہے کہ بوئنگ کی ناک، جس میں برقیاتی آلات نصب ہوتے ہیں، دھات کی بجائے کاربن فائبر (پلاسٹک) سے بنی ہوتی ہے۔ چونکہ یہ ناک بہت زیادہ نازک ہوتی ہے اس لیے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ پنٹاگان کی مضبوط ترین دیواروں کو توڑتی ہوئی اور تیسری دیوار میں سات فٹ چوڑا سوراخ بناتی ہوئی باہر نکل جائے۔ بوئنگ کی ناک کو دیوار کے آر پار ہونے کی بجائے پس جانا چاہیے تھا۔ ایسا سوراخ جس چیز سے بن سکتا ہے وہ کسی میزائل کا ہیڈ ہی ہوسکتا ہے۔

"کچھ ایسے میزائل بنائے جاتے ہیں جن میں چیر کر گزرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ کچھ میزائل یورینیم دھات سے تیار کیے جاتے ہیں، جو آسانی سے دیوار کو چیر کو گذر سکتے ہیں۔ یہ میزائل عام طور پر مورچوں کو تباہ کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ جہاز تو

Marfat.com

ٹکراتے ہی پاش پاش ہو جاتا ہے، لیکن میزائل چیرتا ہوا نکل جاتا ہے"۔

اور یہی چیز ہے جو تصویروں سے ظاہر ہوتی ہے۔ پنٹاگان کو کوئی چیز چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔اس سے ٹکرا کر پاش پاش نہیں ہوئی تھی۔

یہ دلیل کہ پنٹاگان سے کوئی میزائل ٹکرایا تھا، ہوائی جہاز نہیں، تصویری شہادتوں کے ایک دوسرے پہلو سے بھی ثابت ہوتی ہے، وہ ہے اس حادثے کے نتیجے میں لگنے والی آگ۔ ہائیڈ روکاربن آگ جیسی کہ ٹون ٹاورز کو لگی تھی جس میں جہازوں کا ایندھن جل رہا تھا۔اس کے شعلوں کا رنگ زرد اور ساتھ میں بہت زیادہ کالا دھواں تھا، لیکن پنٹاگان کی تصویریں یہاں لگنے والی آگ کے شعلوں کو سرخ رنگ کا ظاہر کرتی ہیں۔ایسی آگ میزائل سے ہی لگ سکتی ہے۔ یہ آگ بہت زیادہ گرم اور اچانک بھڑکنے والی ہوتی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ پنٹاگان کے اے، جی، ایم (AGM) ٹائپ کے جدید ترین میزائل جس کی ناک میں چیر پھاڑ کر نکل جانے کے لیے یورینیم ٹپ لگی ہوتی ہے، نشانہ بنایا گیا تھا۔میسان کا کہنا ہے کہ ایسے میزائل کے ٹکرانے سے 3600 فارن ہائٹ کی تپش پیدا ہوتی ہے جو فوری آتش زدگی کا باعث بنتی ہے۔اسی قسم کی آگ پنٹاگان میں نظر آتی ہے۔

اس تمام تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ تصویری شہادتوں سے یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتی ہے کہ "پنٹاگان" سے کوئی مسافر بردار طیارہ نہیں بلکہ میزائل ٹکرایا تھا۔ان تصویروں سے مزید یہ شہادت بھی ملتی ہے کہ یہ اگر کوئی ہوائی جہاز ہوتا تو "پنٹاگان" کی حفاظت کے لیے نصب شدہ میزائل اسے فوراً مار گراتے ،لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔اگرچہ کچھ رپورٹوں میں یہ بات کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ "وائٹ ہاؤس" کی طرز کے حفاظتی میزائل "پنٹاگان کی حفاظت کے لیے نصب نہیں ہیں، لیکن میسان کا کہنا ہے کہ "پنٹاگان" کی حفاظت کے لیے انتہائی مہلک اور جدید طرز کی انٹی میزائل بیٹریز نصب ہیں۔ پنٹاگان کے اعلٰے حکام اگرچہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں کوئی خیال نہیں تھا کہ کوئی مسافر بردار طیارہ ان کی طرف بڑھ رہا ہے حالانکہ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ایک نامعلوم جہاز کے تیزی سے اس طرف بڑھنے کی رپورٹ 9.25 بجے آ چکی تھی۔

میسان کی دلیل ہے۔

"پنٹاگان کے دعویٰ کے برعکس ملٹری کو بالکل پتہ تھا کہ ایک گمنام گاڑی سیدھی

Marfat.com

دارالحکومت کی طرف آ رہی ہے۔اس کے باوجود نہ "پنٹا گان" نے کوئی حفاظتی قدم اٹھایا اور نہ ہی ان کی حفاظتی بیٹریز نے کام کیا۔ایسا کیوں ہوا؟ پنٹا گان کے انٹی ایئر کرافٹ سسٹم کا تو کام ہی یہ ہے کہ پنٹا گان کی طرف بڑھنے والی ہر چیز کو تباہ کر دے۔اس سسٹم کے ہوتے ہوئے کسی میزائل کا گزرنا ناممکنات میں سے ہے اور بہت ہی بڑے بوئنگ 757 کا تو سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ پنٹا گان سے کوئی کمرشل جہاز ٹکرایا یا میزائل، اس بارے میں وضاحت ہونی چاہیے"۔

ان تمام قیاسات کے بارے میں میسان کا مفروضہ یہ ہے۔

"ہر ملٹری جہاز کے اندر پیغام نشر کرنے کا نظام لگا ہوتا ہے جو پائلٹ کے کنٹرول میں ہوتا ہے اور جو اعلان کرتا ہے کہ وہ "دوست" ہے یا "دشمن"۔انٹی میزائل بیٹری 'دوستی کے پیغام پر کوئی ردعمل نہیں دے گی۔ یہ ناممکنات میں سے نہیں ہے کہ انٹی میزائل بیٹری کو "دوست" کا پیغام دے کر 9/11 کو پنٹا گان کو ہٹ کیا گیا ہو"۔

میسان کا یہ مفروضہ ایک اور سوال کا بھی جواب فراہم کرتا ہے یہ کہ پنٹا گان سے ٹکرانے والا جہاز پنٹا گان کی طرف مڑنے کے لیے چکر کاٹ رہا تھا تو وائٹ ہاؤس کے بہت ہی قریب آ گیا تھا۔ایسے میں وائٹ ہاؤس پر نصب انٹی میزائل بیٹریز نے اسے کیوں مار نہیں گرایا؟

ان حالات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ جو جہاز پنٹا گان سے ٹکرایا اسے نہ تو پنٹا گان پر نصب انٹی میزائل بیٹریز نے نہ وائٹ ہاؤس پر نصب میزائلوں نے مار گرایا لہٰذا وہ حقیقتاً مسافر بردار طیارہ تھا ہی نہیں۔

ایک اور نمایاں شہادت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ جائے حادثہ پر بوئنگ 757 کا کوئی ملبہ نہیں پایا گیا۔جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، حکومتی دعویٰ کے مطابق ملبہ اس لیے تصویروں میں نظر نہیں آتا کیونکہ پورے کا پورے جہاز پنٹا گان کی دیوار توڑتا ہوا اندر گھس گیا تھا۔اگر ایسا ہی ہوا ہے تو پنٹا گان کے اندر جلے ہوئے جہاز کا ملبہ یا کچھ حصے تو لازمی طور پر ملنے چاہیں تھے۔آگ بجھ جانے کے بعد وہاں ایسا کچھ نہیں تھا۔

9/11 کے بعد پنٹا گان کی جائے وقوعہ پر پریس کو اطلاعات فراہم کرنے والے کاؤنٹی کے فائر چیف ایڈ پلافر (ED Plaugher) سے جواب پوچھا گیا کہ کیا پنٹا گان

Marfat.com

سے جہاز کے کچھ باقیات ملے ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ ''کچھ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے، لیکن کوئی بڑا حصہ نہیں۔ وہاں سے ڈھانچہ یا اس قسم کی کوئی (بڑی) چیز نہیں ملی''۔

آگ بجھانے کے اگلے روز عینی شاہد پلافر کے مطابق جہاز کا ڈھانچہ یا جیٹ انجن کچھ نہیں ملا۔ محکمہ دفاع نے بھی پلافر کے بیان کی تصدیق کی چند نا قابل شناخت چھوٹی چھوٹی چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں ملا۔ بیان کا استدلال ہے کہ یہ ''چھوٹی چھوٹی نا قابل شناخت چیزیں کسی بھی شے کا حصہ ہو سکتی تھیں (یعنی ضروری نہیں کہ بوئنگ 757 یا فلائٹ 77 ہی کی ہوں) یہ چھوٹی ملنے والی چیزیں ایک آلہ (Beacon) اور دو بلیک بکس تھے۔ بلیک بکس بھی بہت دیر بعد اگلے دن 4 بجے صبح ملے تھے جو ساری حکومتی کہانی کو مشکوک بنا دیتے ہیں۔ پلافر کے بیان کی 15 ستمبر کی پریس کانفرنس میں بھی تصدیق کی گئی تھی۔ جب ٹیری مچل (Terry Mitchell) پر پنٹاگان سے جہاز کی باقیات کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا۔ ''چھوٹے چھوٹے چند ٹکڑے ہی ملے تھے''۔

تعمیرات و مرمت کے پراجیکٹ کے سربراہ لی ایوی (Lee Evey) نے کہا کہ جہاز کا ملبہ کہیں دکھائی نہیں دیا۔ جو کچھ ملا۔ وہ کوئی بڑے حصوں پر مشتمل نہیں تھا۔ ہم جہاز کے ایسے بڑے حصے، زمین سے بلند ہوتے ہوئے کہیں دکھائی نہیں دیئے''۔

یہ بیان کس قدر قابل اعتبار ہو سکتا ہے کہ پنٹاگان سے بوئنگ 757 ہی ٹکرایا تھا؟ جہاز کا ڈھانچہ ایلومینیم کا بنا ہوتا ہے جو عام ہائیڈروکاربن آگ سے نہیں پگھل سکتا۔ اس کے انجن سخت سٹیل سے بنے ہوتے ہیں جو عموماً ایسی آگ سے نہیں پگھل سکتے، لیکن سرکاری کہانی کے مطابق آگ اتنی شدید تھی کہ یہ سب نہ صرف پگھل گئے جبکہ فضا میں تحلیل ہو گئے۔ کیا یہ قابل یقین ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر آگ کی تپش اتنی ہی شدید تھی تو پنٹاگان کی بالائی منزلیں کیسے محفوظ رہیں؟ دوسری بات یہ کہ اگر یہ ہائیڈروکاربن فائر (ایندھن سے لگنے والی آگ) تھی تو اس کی تپش اتنی شدید کیوں تھی؟ تیسرے یہ کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ کریش کی وجہ سے ہائیڈروکاربن فائر کی تپش بہت زیادہ بڑھ گئی تھی اور سرخ رنگ کے شعلے جیسا کہ تصویروں میں نظر آ رہا ہے۔ پیدا ہو گئے تھے تو کیا یہ تپش اس قابل تھی کہ ایلومینیم اور سٹیل کو پگھلا کر ہوا میں تحلیل کر دے اور بخارات بنا کر اڑا دے۔ اگر حکومت کی کہانی فزکس کے اسی قانون پر انحصار کرتی ہے تو بہتر ہے کہ ایک خستہ حال بوئنگ 757 کو اسی طرح ٹکرا کر تجربہ کر

Marfat.com

Marfat.com

لیا جائے تا کہ سچ اور جھوٹ کا پتہ لگ جائے اور اصل حقیقت واضح ہو سکے۔

اگر کسی کو یہ یقین ہو کہ ایسا تجربہ کامیاب ہو سکے گا، ایک اور شرط بھی پورا کرنی پڑے گی۔ سرکاری کہانی کے ایک حصے کے مطابق حکام مرنے والے مسافروں کی شناخت ان کی انگلیوں کے نشانات سے کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آگ کی تپش اتنی شدید تھی کہ اس نے ایلومینیم اور سٹیل کو تو بخارات بنا کر فضا میں اڑا دیا، لیکن اتنی ٹھنڈی تھی کہ حادثے میں مرنے والوں کا گوشت پوست صحیح سالم رہا۔ یہ یقیناً ناممکن ہے میسان کو تعجب ہے کہ پنٹا گان کے اہلکاروں نے بلاخوف وخطر یہ دونوں مضحکہ خیز دعویٰ کیے ہیں۔

اوپر تجویز کردہ ٹیسٹ ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ حکومت کی طرف سے 9/11 کے بارے میں دوسری کہانیوں کی طرح اس کی بھی دوسری کہانی منظرعام پر آتی ہے۔ جیسا کہ میسان نے لکھا ہے۔ چھ ماہ بعد اپریل 2002ء میں ایف، بی، آئی (F.B.I) نے دعویٰ کیا کہ بوئنگ 757 کا کافی ملبہ اور مختصر حصے مل گئے ہیں کہ اس کی مکمل شکل وصورت بنائی جا سکے۔ ایف، بی، آئی کے ترجمان کرس مرے (Chris Murray) کے حوالے سے کہا گیا۔ ''جہاز کے تمام ٹکرے ایک گودام میں جمع کیے گئے ہیں اور ان پر فلائٹ 77 کے نمبر شمار لگا دیے گیے ہیں''۔ اگلے مہینے ایڈ پلافر نے بھی حکومت کے نئے دعویٰ کی تصدیق کر دی۔ جسے اب یاد آ گیا تھا کہ جب وہ حادثے کی جگہ پہنچا تو اس نے جہاز کے ڈھانچے، پر، لینڈ نگ گیئر، انجنوں کے ٹکرے اور سیٹ وغیرہ دیکھی تھیں''۔ اس نے مزید کہا۔ ''میں آپ کے سامنے قسم کھا سکتا ہوں کہ یہ جہاز ہی تھا''۔ اس نے یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ اس نے ایک بلیک بکس بھی دیکھا۔ یہ گویا پنٹا گان کے اس مؤقف کی تردید تھی جس میں کہا گیا تھا کہ بلیک بکس تین روز بعد 4 بجے صبح مل سکے تھے۔

ایسا لگتا ہے کہ ایک گودام میں جہاز کے ملبے والے حصے اور کاٹھ کباڑ اخباری نمائندوں، مرنے والوں کے لواحقین اور 9/11 کے تحقیقاتی کمشن کو دکھا کر امریکن حکام اپنی نئی کہانی پر مہر تصدیق ثبت کرانا چاہتے تھے۔ اس دعویٰ سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ تباہ شدہ جہاز کا بڑا حصہ مل گیا تھا، لیکن اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا تھا کہ یہ پنٹا گان سے ہی ملا ہے۔ یا اس کے برخلاف اوہائیو، کنٹوکی (Ohio-Kentucky) یا کہیں اور سے

Marfat.com

لا کر جمع کیا گیا ہے۔ اگر اس ملبے کی اصلیت ایڈ پلافر کی بحال شدہ یادداشت سے ملا کر دیکھا جائے تو اسے سچ ماننا مشکل ہے۔ یہ نئی کہانی نہ صرف ایڈ پلافر کے 12 ستمبر والے بیان کی تردید ہے بلکہ ٹم مچل اور لی ایوی کے 15 ستمبر کے بیانات کی بھی نفی ہے۔ (جن کا ذکر پہلے آچکا ہے) اگر جہاز کے بڑے بڑے ٹکڑے مثلاً انجن، ڈھانچہ اور دم وغیرہ پنٹاگان میں موجود تھے تو ان لوگوں کو نظر کیوں نہیں آئے۔ ایوی کو وہاں ایک بڑا ڈھانچہ آسمان کی طرف اٹھا ہوا کیوں دکھائی نہیں دیا اور ہمارے اخباری نمائندوں نے اس بارے واضح سوال کیوں نہیں اٹھائے؟

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، میسان کا کہنا ہے کہ پنٹاگان سے فلائٹ 77 نہیں بلکہ کوئی اور چیز ٹکرائی ہے، جس کی کئی عملی شہادتیں موجود ہیں۔ میسان کے اس دعویٰ کو پال تھامپسن کی دو رپورٹوں سے بھی تقویت ملتی ہے۔ پہلی بات یہ کہ 9/11 کے بارے میں کنٹرول ٹاورز کی ٹیپیں جب 16 اکتوبر کو جاری کی گئیں تو فلائٹ 77 کی ٹیپ جہاز کے کریش ہونے سے 20 منٹ پہلے خاموش ہو جاتی ہے تاہم اس کے بارے میں ایک سے زیادہ وجوہ بیان کی جا سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ حکومتی اہلکار یہ نہیں چاہتے کہ پریس اور پبلک یہ جان سکے کہ فلائٹ 77 کے آخری 20 منٹوں میں کیا کچھ ہوا؟ دوسری اخباری رپورٹ ہے جس کے مطابق۔

''پنٹاگان والی سڑک کے دوسری طرف واقع گیس سٹیشن کے ایک ملازم کے مطابق (یہ گیس سٹیشن صرف ملٹری اہلکاروں کی خدمت کے لیے ہی قائم ہے) گیس سٹیشن پر لگے سکیورٹی کیمروں نے اس حادثہ کو ضرور ریکارڈ کر لیا ہوگا۔ تاہم اس کا بیان ہے کہ میں نے قطعاً نہیں دیکھا کہ تصویریں کیسی تھیں۔ ایف بی آئی (FBI) کے اہلکار چند منٹوں میں یہاں آئے اور فلم نکال کر لے گئے''۔

اگر یہ رپورٹ درست ہے اور گیس سٹیشن کے ملازم جوز والاسکیوز (Jose Velasques) کا کسی نے انٹرویو کیا ہے تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایف۔ بی۔ آئی (FBI) کو پہلے سے ہی معلوم تھا کہ کوئی جہاز پنٹاگان سے ٹکرانے والا ہے۔ ورنہ ہم کیسے تصور کر سکتے ہیں کہ وہ (FBI) چند منٹ میں وہاں موجود تھے''۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایف بی آئی کے اہلکاروں کو خوف ہوگا کہ گیس سٹیشن سکیورٹی کیمروں نے کریش سین کو فلم بند کر لیا ہوگا

Marfat.com

اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ فلم پریس کے ہاتھ لگے یا پبلک اسے دیکھ سکے۔ اس لیے باور کرنا چاہیے کہ پنٹاگان سے ملٹری میزائل ہٹ کیا نہ کہ ایک کمرشل جہاز۔ اگر گیس سٹیشن کے کیمروں کی فلم سے حکومتی دعویٰ کو تقویت ملتی تو وہ اس کی تصویریں ضرور جاری کرتی۔

حالانکہ تمام شہادتیں سرکاری کہانی کے برعکس میزائل تھیوری کے حق میں جاتی ہیں، لیکن سرکاری کہانی کے حمایتی ان بہت سے عینی شاہدین پر انحصار کرتے ہیں جنہوں نے امریکن ایئرلائن کے جہاز کو پنٹاگان سے ٹکراتے ہوئے دیکھا۔ اس خیال کی مخالفت میں کہ پنٹاگان سے بوئنگ 757 نہیں ٹکرایا۔ حکومتی نظریئے کے ایک حمایتی نے "سنڈے ٹائمز" میں لکھا۔

"اس سازشی خیال کی دھجیاں اڑانے کے لیے یہ امر کافی ہے کہ بہت سے عینی شاہدین نے جہاز کو بلڈنگ سے ٹکراتے ہوئے دیکھا۔ دوسری طرف ڈلاس ایئرپورٹ کے ٹریفک کنٹرول ڈینیل اوبرائن جو ایک نہایت تجربہ کار ایئر کنٹرولر ہے، کا کہنا ہے ٹریفک کنٹرول روم میں موجود تمام ایئر کنٹرولر کا خیال تھا کہ یہ ایک ملٹری جہاز ہے۔ ایک عینی شاہد نے جہاز کے بارے میں کہا کہ "اس میں آٹھ سے بارہ آدمی بیٹھ سکتے تھے اور اس کی آواز نہایت گونجدار ملٹری جہاز جیسی تھی"۔

میسان نے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ "AGM ٹائپ کا میزائل، سویلین جہاز جیسا ہی دکھائی دیتا ہے اور اسی قسم کی تیز آواز پیدا کرتا ہے جیسا کوئی جیٹ فائٹر پیدا کرتا ہے"۔ لہٰذا دونوں طرف کے عینی شاہدین کے بیانات ایک دوسرے سے متضاد اور ناقابل اعتبار ہیں۔ (نوٹ: آگے مصنف نے عینی گواہوں کی قانونی حیثیت کے بارے میں تبصرہ و تجزیہ پیش کیا ہے۔ جسے غیر ضروری سمجھ کر اس ترجمے میں شامل نہیں کیا گیا۔ مترجم)۔

Marfat.com

دہشت گردوں نے ویسٹ ونگ کو ہی کیوں نشانہ بنایا؟

ایک اور نقطۂ نظر کہ پنٹاگان سے فلائٹ 77 کا جہاز نہیں ٹکرایا تھا۔ بلڈنگ کے اس حصے کی اہمیت ہے جہاں کہ کوئی جہاز ٹکرایا، اگر بفرض محال بوئنگ 757 کا کنٹرول حاصل کر لینے والے ہائی جیکر اپنے اصل ہدف کو نشانہ بنانا چاہتے تھے تو انہوں نے عمارت کے اس حصے کو ہی کیوں نشانہ بنایا جس کا اگلا حصہ صرف 0 فٹ اونچا تھا۔ وہ ڈائیو کر کے غوطہ لگاتے ہوئے چھت سے بھی ٹکرا سکتے تھے۔ جو 129 ایکڑ پر محیط ہے۔ سب سے اہم یہ بات کہ ان کا مقصد پنٹاگان کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانا اور زیادہ سے زیادہ ملازمین کو ہلاک کرنا ہو سکتا تھا۔ اس مقصد کے لیے بھی چھت بہترین نشانہ ثابت ہو سکتی تھی۔ پھر انہوں نے "ویسٹ ونگ" (West Wing) کو ہی کیوں نشانہ بنایا جو کہ اس وقت زیر مرمت تھی؟

مؤقر اخبار لاس اینجلس ٹائمز" (Los Angeles Times) کی رپورٹ ہے۔

"یہ بلڈنگ کا وہ حصہ ہے جہاں آگ بجھانے کا خودکار نظام نصب کیا گیا ہے اس کی دیواروں میں سٹیل کے ستون اور سریئے استعمال کر کے اس کی کھڑکیوں کو دھماکہ کی مزاحمت کرنے والی چیزوں سے مضبوط بنایا گیا ہے تاکہ بم پھٹنے کی صورت میں بھی سلامت رہ سکیں۔ عام طور پر اس حصے میں 4500 افراد کام کیا کرتے ہیں لیکن زیر مرمت ہونے کی وجہ سے حادثے کے وقت صرف 800 مزدور کام کر رہے تھے"۔

یہ بھی فرض کیا جا سکتا ہے کہ دہشت گردوں کا مقصد اعلیٰ فوجی اور سول حکام کو نشانہ بنانا ہو سکتا ہے لیکن "ویسٹ ونگ" کی تباہی سے ایسا کوئی بھی فرد (اعلیٰ افسران) مارا نہیں گیا۔ زیادہ تر اموات ان سویلین ورکروں کی ہوئیں جو تعمیر و مرمت کے کام میں مصروف

Marfat.com

تھے۔ ملٹری سے صرف ایک جنرل مردہ پایا گیا۔ اگر دہشت گردوں نے بوئنگ 757 سے پنٹا گان کو نشانہ بنانا تھا تو انہوں نے "ویسٹ ونگ" کا انتخاب کیوں کیا۔ جہاں کہ زیادہ سے زیادہ نقصان کی بجائے سب سے کم نقصان ہو سکتا تھا؟ اس سوال کو اس حقیقت سے بھی تقویت ملتی ہے کہ راڈار کے ریکارڈ، جہاز کے سائز اور اس کے خط حرکت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ نہایت مشکل قلابازی کھا کر ویسٹ ونگ سے ٹکرایا۔ دوسرے الفاظ میں یہ ٹیکنیکلی ممکن ہی نہ تھا کہ پنٹا گان کو اس طرح زیادہ نقصان پہنچے اور ایسا ہی ہوا۔

کیا ایک ناتجربہ کار پائلٹ جہاز اڑا سکتا تھا؟

جہاز کا چکر کاٹتے ہوئے زمین کی طرف غوطہ لگانا انتہائی مشکل تھا اور یہ انتہائی عمدگی سے مکمل کیا گیا۔ اس سے حکومتی دعوے کے بارے میں اور بھی شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں۔ کوئی بھی ہائی جیکر جس کی کہ معمولی ٹریننگ ہوئی ہو بظاہر ایسا معرکہ سرانجام نہیں دے سکتا تھا۔ احمد نے ملٹری کے ایکسپرٹ "سٹان گوف" کے تجربے سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے۔ اس نے سرکاری کہانی کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔

"ہمیں ایک ایسے پائلٹ کے بارے میں یقین کرنے کو کہا جا رہا ہے جس نے فلوریڈا کے پڈل جمپر سکول میں "پائپر کبز" (Piper Cubs) اور "سیسنا" (Cessnas) جیسے چھوٹے اور معمولی جہازوں پر چند روز ٹریننگ لی اور اتنی مہارت، عمدگی سے بہترین فنی مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بوئنگ 757 جیسے دیوہیکل طیارے کو صرف اڑھائی منٹ میں 7000 ہزار فٹ کی بلندی سے غوطہ لگاتے ہوئے زمین سے اتنا نزدیک لے آیا کہ وہ پنٹا گان کے دوسری طرف کی سڑک پر لگی بجلی کی تاروں سے چھوتا ہوا، انتہائی درست اور صحیح نشانے پر پنٹا گان کی بلڈنگ سے 460 ناٹ کی رفتار سے ٹکرا دیا۔ حالانکہ ٹریننگ سکول میں اس نے بمشکل زمین سے اٹھنا ہی سیکھا تھا۔ بعد میں کہا گیا کہ اس نے نقلی فلائٹ پر بھی تربیت لی تھی۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ اپنے بچے کو ویڈیو گیم سے مصروف ترین اوقات میں شاہرہ 40-1 پر ڈرائیونگ کرنے کو کہیں"۔ (40-1 امریکہ کی طویل ترین موٹروے ہے)

جس پائلٹ (Hani Manjour) کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس نے

Marfat.com

بوئنگ 757 پنٹاگان سے ٹکرایا۔ وہ بعض اطلاعات کے مطابق نہ صرف ناتجربہ کار بلکہ نااہل بھی تھا۔ "نیویارک ٹائمز" میں چھپنے والی ایک سٹوری کے مطابق:

"سکول کے سٹاف ممبران نے مسٹر ہنجور کو بطور پائلٹ نہایت منکسر المزاج، بہت زیادہ خاموش طبع پایا۔ ایک سابق ملازم نے کہا کہ ہم اسے نہائت نکما پائلٹ سمجھتے تھے۔ میں اب تک حیران ہوں کہ اس نے بوئنگ 757 اڑایا اور پنٹاگان سے جا ٹکرایا۔ وہ تو جہاز اڑا سکتا ہی نہیں تھا" اور ٹی وی چینل CBS پر نشر ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق:

"ہانی ہنجور کے امریکن ایئر لائن کے جہاز کو پنٹاگان سے ٹکرانے سے کئی ماہ پہلے ایری زونا (Arizon) پائلٹ سکول کی انتظامیہ نے FAA کے پاس پانچ مرتبہ اس کی نااہلی کی شکایت کی تھی۔ انہوں نے کہیں نہیں لکھا تھا کہ وہ دہشت گرد ہے بلکہ یہ کہا تھا کہ اس کی انگریزی نہایت کمزور اور اس کی ٹریننگ حاصل کرنے کی صلاحیت بے حد خراب ہے۔ ان کے خیال میں وہ پائلٹ کا لائسنس حاصل کرنے کے قابل نہ تھا۔ ایری زونا فلائٹ سکول کی منیجر پیگی شیورٹے کے مطابق۔ "مجھے ہرگز یقین نہیں تھا کہ وہ کبھی بھی اور کسی بھی قسم کا کمرشل پائلٹ لائسنس حاصل کر سکے گا"۔

یہ کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ ایسا نکما پائلٹ اتنی مہارت سے جہاز کو اڑا کر انتہائی درست نشانہ لے کر پنٹاگان سے ٹکرا سکتا ہے۔

کیا فلائٹ 77 واقعی آدھ گھنٹے کے لیے غائب ہو گئی تھی؟

ایک پہلو جو سرکاری کہانی کو مشکوک بناتا ہے وہ یہ ہے کہ فلائٹ 77-29 منٹ تک واشنگٹن کی طرف محو پرواز رہی لیکن کسی راڈار سسٹم نے اسے نہیں دیکھا۔ پنٹاگان کے ایک ترجمان نے مبینہ طور پر صرف اتنا بیان دیا۔

"پنٹاگان کو بالکل یہ علم نہیں تھا کہ یہ فلائٹ ان کی طرف آ رہی ہے"۔ تھامپسن کا استفسار ہے۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی جہاز امریکہ کی فضائی حدود میں اتنی دیر تک گم رہ سکے؟" اگر فرض کر لیا جائے کہ ائیر کنٹرولرز کے پاس کوئی ایسا راڈار سسٹم نہیں تھا جو واشنگٹن کی طرف بڑھنے والے ایسے جہاز کا سراغ لگا سکے جس کا ریڈیائی رابطہ منقطع ہو۔ جیسا کہ سرکاری بیان

Marfat.com

میں دعویٰ کیا گیا ہے۔FAA کا سسٹم یقینی طور پر واشنگٹن کی طرف بڑھنے والے ایسے جہاز کا سراغ لگا سکتا تھا۔

میسان کا کہنا ہے۔''پنٹاگان کے پاس ایسے جدید اور حساس راڈار سسٹم موجود ہیں کہ سول سسٹم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مثلاً پیو (Pave) پاز (Paws) سسٹم، ایسے سسٹم ہیں جو شمالی امریکہ کی فضائی حدود میں پیش آنے والے کسی بھی واقعہ کا فوراً سراغ لگا سکتے ہیں اور کوئی بھی چیز ان کے راڈار کی آنکھ سے اوجھل نہیں رہ سکتی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ سسٹم واشنگٹن کی طرف تیزی سے بڑھنے والے دیوہیکل جہاز کا سراغ نہ لگا سکے؟

حملہ روکا کیوں نہیں جا سکا؟

اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ پنٹاگان پر حملے میں بوئنگ 757 کے اغواء کار ہی ذمہ دار ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حملے کو معمول کے طریق کار سے روکا کیوں نہیں جا سکا؟ خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ یہ حملہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر دوسرے حملے کے آدھ گھنٹہ بعد ہوا۔ اس وقت تک تو نیشنل ملٹری کمانڈ سنٹر انتہائی چوکسی (Alert) کی حالت میں ہونا چاہئے تھا۔ پھر پنٹاگان تو غالباً کرہ ارض پر دفاعی نقطۂ نظر سے دنیا کی محفوظ ترین بلڈنگ شمار ہوتی ہے۔ سرکار اس بات کا کیا جواز پیش کر سکتی ہے کہ اس وقت اس کا دفاع نہ کیا جا سکا؟

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، فائٹر جیٹ جہازوں کو پنٹاگان پر حملے کے بعد تک فضا میں جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اگرچہ حکومت نے بعدازاں اپنا مؤقف تبدیل کر لیا۔ ہم حکومت کے بیان کردہ دوسرے مؤقف کو لیتے ہیں کہ FAA نے نوراڈ (Norad) کو 9.24 بجے تک اطلاع ہی نہیں دی کہ فلائٹ 77 بھی اغواء ہو چکی ہے اور وہ واشنگٹن کی طرف بڑھ رہی ہے۔ سرکاری بیان کے مطابق یہ اطلاع جہاز کا کنٹرول ٹاور سے ریڈیائی رابطہ ختم ہونے کے 34 منٹ بعد اور راڈار سکرین سے غائب ہونے کے 28 منٹ بعد دی گئی اس وقت نوراڈ (Norad) نے لینگلے ایئر فورس بیس (Langley Airforce Base) سے جیٹ فائٹرز کو فضا میں بلند ہونے کا حکم دیا۔ یہ جیٹ فائٹرز پنٹاگان پر 9.38 بجے ہونے والے حملے کے 15 منٹ بعد واشنگٹن پہنچے۔ ناقدین کا پہلا

Marfat.com

سوال یہ ہے کہ اپنے دنیا کے بہترین راڈار سسٹم کے باوجود Nmcc اور Norad اس جہاز کا سراغ کیوں نہ لگا سکے؟ FAA نے اتنی سستی اور نا اہلی کا ثبوت کیوں دیا جبکہ قبل ازیں دو جہاز ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرا چکے تھے؟ کیا FAA کی طرف سے ملٹری کو اتنی تاخیر سے اطلاع دینے کا کوئی جواز ہے؟ یا جیٹ فائٹر کے بروقت حرکت میں نہ آنے کی پردہ پوشی کے لیے یہ ایک بہانہ گھڑا گیا ہے (کہ دیر سے اطلاع دی گئی)۔ پھر Norad نے اطلاع ملنے کے باوجود جیٹ فائٹرز کو فضا میں بلند کرنے میں 3 منٹ کی تاخیر کیوں کی؟ پھر جیٹ فائٹرز کو واشنگٹن 130 میل دور واقع لینگلے ایئر فورس بیس سے کیوں اڑایا گیا جبکہ انڈریو ائیر فورس بیس۔ جس کے ذمہ واشنگٹن کے دفاع کی ذمہ داری بھی ہے اور جو شہر سے صرف 10 میل کے فاصلے پر واقع ہے، سے جیٹ فائٹر کیوں نہیں اڑائے گئے؟

اس سوال کے جواب میں بھی متضاد بیانات سامنے آتے ہیں۔ مؤقر اخبار یو ایس اے ٹوڈے (USA TODAY) کی رپورٹ کے مطابق پنٹاگان کے اہلکاروں نے کہا۔ ''انڈریوز کے جیٹ فائٹر ہماری تحویل میں نہیں تھے''۔ اسی اخبار کی اسی روز کی ایک اور خبر کے مطابق ''انڈریوز جیٹ فائٹر موجود تو تھے لیکن فوری اڑنے کی تیاری کی حالت میں نہ تھے''۔ یہ دونوں مؤقف ہی ناقابل یقین ہیں۔ کیونکہ ملٹری کے شعبہ اطلاعات کی ویب سائٹ کے مطابق:

''انڈریوز پر 121 فائٹر سکوارڈرن کا 113 واں ونگ جس میں F16 فائٹر جیٹ شامل ہیں۔ ہر وقت تیاری کی حالت میں ڈسٹرکٹ آف کولمبیا (واشنگٹن ڈی سی) میں کسی بھی قدرتی آفت یا سول ایمرجنسی میں مدد کے لیے موجود ہے'' انڈریوز پر میرین فائٹر اٹیک سکوڈرن 321 بھی موجود ہے جس کے پاس انتہائی جدید قسم کے F/A-18 ہارنٹ تیاری کی حالت میں رہتے ہیں۔ انڈریوز پر ہی ڈسٹرکٹ آف کولمبیا ائیر نیشنل گارڈ (Dcang) کا ہیڈ کوارٹر بھی ہے۔ جس کا کام واشنگٹن ڈی سی کی فضائی حدود کی حفاظت کرنا ہے۔ یہ کہنا انتہائی مضحکہ خیز ہے کہ انڈریوز کے پاس تیاری کی حالت میں جیٹ فائٹر نہیں تھے۔ کیونکہ تمام اطلاعات کے مطابق ''پنٹاگان'' پر حملے کے فوراً بعد انڈریوز کے جیٹ فائٹر واشنگٹن کی فضا میں گشت کر رہے تھے۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''پنٹاگان'' نے اس بارے میں ڈس انفارمیشن کیوں پھیلائی؟

Marfat.com

بہر حال یہ ایک معمہ ہی ہے کہ نزدیک ایئر بیس انڈر یوز کو چھوڑ کر 130 میل دور لینگلے ایئر بیس سے جیٹ فائٹر اڑانے کی حکمت عملی کیا تھی؟ غالباً حکومت یہ ثابت کرنا چاہتی ہے چونکہ جیٹ فائٹر دور سے اڑ کر آئے اس لیے وہ پنٹا گان پر حملے کو نہ روک سکے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ جیٹ فائٹر لینگلے سے مبینہ طور پر 9.30 بجے اڑے تو وہ 700 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑ کر بھی فلائٹ 77 سے پہلے واشنگٹن پہنچ سکتے تھے حالانکہ F-16 کی نارمل سپیڈ 1500 میل فی گھنٹہ ہے۔ اگر وہ 1300 میل کی رفتار سے بھی اڑتے تو چھ منٹ میں واشنگٹن پہنچ سکتے تھے یعنی فلائٹ 77 کے پنٹا گان سے ٹکرانے سے بہت پہلے۔ یہ کہنا کہ جیٹ فائٹر فلائٹ 77 کے پنٹا گان سے ٹکرانے کے 15 منٹ بعد پہنچے انتہائی احمقانہ بات ہے۔

''اگر جیٹ فائٹر (F-16) کو 130 میل کا فاصلہ طے کرنے میں آدھا گھنٹہ لگ گیا تو یقیناً وہ 300 میل فی گھنٹہ سے زیادہ کی رفتار سے نہیں اڑ رہے ہوں گے۔ یعنی اصل رفتار کی نسبت پانچ گنا کم سپیڈ سے۔ بہر حال اگر انڈر یوز سے جیٹ اڑائے جاتے جو کہ اڑائے جانے چاہئیں تھے۔ تو شاید وہ اس تھیوری کے مطابق اس سے بھی زیادہ وقت لیتے''۔

سب سے پریشان کن یہ سوال ہے کہ واشنگٹن کی حفاظت کے پیش نظر جیٹ فائٹر پہلے سے ہی فضا میں کیوں نہیں تھے؟ نوراڈ (Norad) کے کمانڈ ڈائریکٹر کیپٹن مائیکل جیلی نیک کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر پہلے حملے کے بعد ٹیلیفون کانفرنس شروع ہو گئی تھی۔ جس میں نیشنل ملٹری کمانڈ سنٹر (Nmcc) کے سینئر کمانڈرز، پریذیڈنٹ، وائس پریذیڈنٹ ملٹری کے اعلیٰ کمانڈر، فیڈرل ایوی ایشن اتھارٹی کے حکا، نوراڈ (Norad)، وائٹ ہاؤس، ایئر فورس ون (صدر کا جہاز) سب ایک دوسرے کے رابطے میں تھے۔ Nmcc کے چیف بریگیڈیئر جنرل مونٹیگ ونفیلڈ کے مطابق ''حکومت کی تمام ایجنسیاں اس وقت امریکہ میں پیش آمدہ حالات کے بارے میں مصروف عمل تھیں اور کانفرنس ہو رہی تھی''۔ ان سب شخصیات اور ایجنسیوں کو یقیناً اس وقت تک پتہ چل چکا ہو گا کہ فلائٹ 77 بوقت 8.56 بجے غالباً اغوا ہو چکی تھی، کیونکہ واشنگٹن سے تمام فلائٹ کی ٹیک آف اس وقت سے معطل کر دی گئی تھی جب 9.03 بجے فلائٹ 175 ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرائی تھی۔ عجیب بات ہے کہ ایمرجنسی لگا کر واشنگٹن سے فلائٹوں کی ٹیک آف تو بند کر دی

Marfat.com

گئی لیکن واشنگٹن کی حفاظت کے لیے کوئی جیٹ فائٹر فضاء میں گشت کے لیے نہیں اڑا گئے؟

(نوٹ: مترجم بذات خود دو سال سے زائد عرصہ تک انڈریوز ائرفورس بیس" کے نواح میں مقیم رہا ہے اور جانتا ہے کہ اس بیس کے جیٹ ہمہ وقت واشنگٹن کی فضا میں حفاظتی گشت کرتے رہتے)

پنٹاگان کو خالی کیوں نہیں کرایا گیا؟

فلائٹ 175 کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے دوسرے ٹاور سے ٹکرانے کے بارے میں ایک نہایت تکلیف دہ یہ سوال ہے کہ وہاں بار بار یہ اعلان کیوں کیا جاتا رہا کہ بلڈنگ بالکل محفوظ ہے اور پہلے ٹاور سے جہاز کے ٹکرانے کے نتیجے میں جو دوسرے ٹاور میں کام کرنے والے لوگ خوفزدہ ہو کر دوسری بلڈنگ خالی کر گئے تھے۔ انہیں واپس آنے کا مشورہ دیا جاتا رہا۔ اسی طرح کا سوال پنٹاگان کے بارے میں بھی پیدا ہوتا ہے۔ اگر سرکاری کہانی کو درست بھی تسلیم کرلیا جائے تو جب فلائٹ 77 کا کنٹرول ٹاور سے 8.56 بجے رابطہ منقطع ہو گیا اور راڈار پر دیکھا گیا کہ جہاز یو(U) ٹرن لے کر واشنگٹن کی طرف واپس آرہا ہے تو پنٹاگان کے اہلکاروں نے یہ جاننے کے باوجود کہ ورلڈ سنٹر پر حملہ ہو چکا ہے۔ پنٹاگان کو فوری طور پر طور پر خالی کرنے کا حکم کیوں جاری نہیں کیا؟ اگر وہ 8.56 بجے کے فوراً بعد ایسا نہیں کر سکے تھے تو جب ایئر کنٹرولرز نے ایک تیز رفتار جہاز کو 9.25 بجے وائٹ ہاؤس اور پنٹاگان کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تھا تو اس وقت بھی پنٹاگان کو خالی کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا گیا؟ جبکہ اس وقت بھی جہاز کے پنٹاگان سے ٹکرانے میں 13 منٹ باقی تھے اور ہر شخص کو پنٹاگان سے نکال کر ان کی زندگیاں بچائی جاسکتی تھیں۔

بعد ازاں محکمہ دفاع نے وضاحت کی "ہمیں بالکل معلوم نہیں تھا کہ وہ جہاز ہماری طرف آرہا ہے"۔ کہا جاتا ہے کہ سیکرٹری دفاع رمسفلیڈ اور اس کے مددگار خطرے سے آگاہ تھے۔

"نیویارک ٹائمز" کا کہنا ہے۔"8.56 بجے جب پہلا جہاز ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرایا، نیشنل ملٹری کمانڈ سنٹر کے اہلکار پنٹاگان کے ایسٹ ونگ میں واقع اپنے دفاتر سے فوری طور پر لاء انفورسمنٹ کے اداروں اور ایئر ٹریفک کنٹرول کے اہلکاروں سے رابطے کر کے آئندہ

Marfat.com

اقدامات کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے۔ سرکاری بیانات کے مطابق فیڈرل ایوی ایشن اتھارٹی نے نارتھ امریکن ایروسپیس ڈیفنس کمانڈ (Norad) کو 9.24 بجے آگاہ کر دیا تھا کہ فلائٹ 77 واشنگٹن کی طرف واپس آ رہی ہے۔ اب کیا یہ بات ماننے کے قابل اور یقین کرنے والی ہے کہ کمانڈ سنٹر سے باہر ہر شخص حتیٰ کہ سیکرٹری ڈیفنس کو بھی کوئی اطلاع نہ تھی اور اگر یہ ناقابل یقین نہیں ہے تو ویسٹ ونگ میں کام کرنے والوں کی ہلاکت کا ذمہ دار کون ہے؟

میسان تھیوری پر سرکاری ردِعمل

جب اوپر بیان کردہ حقائق کے بارے میں فرانسیسی ایوارڈ یافتہ صحافی اور محقق میسان (Meyssan) کی کتاب شائع ہوئی تو سرکاری سطح پر شدید ردعمل دیکھنے میں آیا۔ میسان کے اٹھائے گئے سوالات کا جواب دینے کی بجائے امریکہ کے سرکاری ادارے فیڈرل بیورو آف انویسٹی گیشن (FBI) کی طرف سے 2 اپریل 2002ء کو یہ بیان جاری کیا گیا۔

''یہ خیال کرنا کہ 11 ستمبر کو فلائٹ 77 پنٹاگان سے نہیں ٹکرائی، جہاز پر سوار 59 مردوں عورتوں اور بچوں اور 125 ملٹری اور سول ورکروں، جو دہشت گردوں کے ہاتھوں 11 ستمبر کو بہیمانہ اور ظالمانہ طریقے سے قتل کیے گئے تھے، کی سراسر توہین ہے''۔

بعدازاں اسی ماہ محکمہ دفاع کی ترجمان وکٹوریا کلارک نے بھی ایسی نوعیت کا بیان جاری کیا تھا۔

''میرے خیال میں ایسا خیال کرنا بھی مضحکہ خیز ہے۔ آخر میں یہ انتہائی اہانت اور توہین آمیز ہے 200 مرنے والوں کے دوستوں، رشتہ داروں اور کنبے کے افراد کے لیے جو 11 ستمبر کو یہاں مارے گئے اور ہزاروں وہ جو نیویارک میں ہلاک ہوئے''۔

میسان کو اس بات کا اعتراف ہے کہ 125 پنٹاگان کے ورکرز بہیمانہ طریقے سے دہشت گردوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اسے اگر اختلاف ہے تو دہشت گردوں کی شناخت کے بارے میں حکومتی نقطۂ نظر سے ہے۔ اسے یہ بھی اعتراف ہے کہ غلط اور مجرمانہ طریقے سے کسی پر ذمہ داری ڈالنا مرنے والوں اور ان کے لواحقین کی توہین ہے۔ اگر وہ اختلاف کرتا ہے تو صرف اس بات سے کہ اصل میں اس حادثے کا ذمہ دار کون ہے؟ اس باہمی

Marfat.com

الزام تراشی سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پنٹاگان کے ساتھ ساتھ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملوں کی ہر طرح ہر پہلو سے تحقیقات کی جائے اور میسان اور دوسرے مخالفین کے اٹھائے گئے سوالوں کا تسلی بخش جواب دیا جائے۔

اب تک ہم اوپر جن تین اغوا شدہ جہازوں کے بارے میں بحث کر چکے ہیں اس سے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یا تو ہماری ملٹری کے اہلکار ناقابل یقین حد تک نااہل تھے جو ان حملوں کو نہ روک سکے۔ یا مجرمانہ طور پر خود ان میں ملوث تھے۔ دنیا میں مانا ہوا اصول ہے کہ نااہلی اور فرائض سے غفلت کی کم سے کم سزا تنزلی یا نوکری سے برخاستگی ہوتی ہے، لیکن یہ انتہائی تعجب خیز بات ہے کہ کسی کی نااہلی کا تعین نہیں کیا گیا۔ کسی کو معطل یا برخاست نہیں کیا گیا۔ بلکہ بعض صورتوں میں تو انہیں ترقیوں سے نوازا گیا۔ جس کا سیدھا مطلب یہ ہوا کہ جیٹ فائٹر کو "سٹینڈ ڈاؤن" (Stand Down) کا حکم دیا گیا تھا۔

"امریکہ کی فضائی حدود میں اس دو گھنٹے کے ڈرامے کے دوران کسی ایک جیٹ فائٹر کا پہیہ حرکت میں نہیں آیا تا وقت کہ بہت دیر ہو چکی تھی۔ کیوں؟ کیا یہ ایئر کرائیو کی سستی اور نااہلیت تھی جو بہترین ساز و سامان کے ساتھ ایک منٹ کے آرڈر پر فضاء میں بلند ہونے کی اہلیت رکھتے تھے؟ جیسے جیسے آپ تمام صورت حال پر بار بار غور کریں ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اعلیٰ سطح کی انٹیلی جنس ایجنسیاں اور سیاسی انتظامیہ کسی نہ کسی طرح اس میں ملوث ہیں"۔

فلائٹ UA93

پہلے بیان کردہ تین فلائٹوں کے بارے میں جو سوالات پیدا ہوئے، قطع نظر اس کے کو کہ کون سا جہاز (سویلین یا ملٹری) پنٹاگان سے ٹکرایا، حقیقت یہ ہے جن جہازوں کو مار گرایا جانا چاہئے تھا، وہ نہیں گرائے گئے۔ ناقدین کے مطابق فلائٹ نمبر UA93 ہمارے سامنے ایک بالکل نئی اور پہلی تینوں فلائٹوں سے مختلف صورتِ حال پیش کرتی ہے۔

فلائٹ نمبر 93 اپنے مقررہ وقت سے 41 منٹ لیٹ، نیو آرک (Newark) ایئر پورٹ سے 8.42 بجے روانہ ہوئی۔ 9 بج کر 27 منٹ پر جہاز کے ایک مسافر Tom Burnett نے اپنی اہلیہ کو فون کر کے بتایا کہ جہاز اغوا ہو چکا ہے لہٰذا وہ فوراً ایف بی آئی کو

Marfat.com

مطلع کردے۔ چنانچہ ٹام کی بیوی نے ایسا ہی کیا۔ 9.28 بجے گراؤنڈ فلائٹ کنٹرولرز نے جہاز کے اندر سے چیخنے چلانے، دھینگا مشتی اور ایک دوسرے سے ہاتھ پائی کی آوازیں سنیں۔ 9.34 بجے ٹام نے دوبارہ اپنی بیوی کو فون کیا۔ جس نے ٹام کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کی اطلاع دی اور ٹام نے محسوس کیا کہ وہ جس جہاز میں سوار ہے اسے بھی خودکش حملے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ 9.36 بجے جہاز نے چکر لگا کر واشنگٹن کی طرف پرواز شروع کر دی۔ 9.37 بجے ایک مسافر جیریمی گلک اور دو دوسرے مسافروں کو بھی ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کی اطلاع مل گئی۔ 9.45 بجے ٹام نے پھر اپنی بیوی سے بات کی اور اسے بتایا کہ اس کے خیال میں ہائی جیکروں کے پاس کوئی بم وغیرہ نہیں ہے اور وہ دوسرے مسافروں سے مل کر ہائی جیکروں پر قابو پانے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔

جہاز کے زمین پر کریش ہونے سے 19 منٹ قبل تک ایف بی آئی والے جہاز سے آنے والی ٹیلیفون کالوں کو سن رہے تھے۔ 9.45 بجے، جبکہ ایف بی آئی والے کالیں سن رہے تھے، ایک مسافر ٹوڈ بیمر نے ٹیلیفون کمپنی ویرائزون کے آپریٹر سے لمبی بات چیت شروع کر کے جہاز کے اندر کی صورتِ حال بتانا شروع کر دی۔ 9.47 بجے جیریمی گلک نے اپنی بیوی کو بتایا کہ تمام مرد مسافروں نے ہائی جیکروں پر حملہ کر کے ان پر قابو پانے کا منصوبہ بنایا ہے۔ کیونکہ ہائی جیکروں کے پاس صرف چاقو وغیرہ ہیں، کوئی گن یا پستول وغیرہ نہیں ہے، لہٰذا مسافروں کو اپنی کامیابی کا یقین ہے۔

9.54 بجے ٹام نے پھر اپنی بیوی سے فون پر رابطہ کیا اور کہا۔ ''ہم سب مرنے جا رہے ہیں ہم تین مسافر ایسے ہیں جنہوں نے کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میرے خیال میں ہم کامیاب رہیں گے۔ ہم شہری آبادی سے باہر نکل کر جہاز کا کنٹرول سنبھالنے کی کوشش کریں گے''۔ اس وقت جبکہ مسافروں کی جدوجہد کامیابی کے قریب تھی، کیونکہ مسافروں میں ایک تجربہ کار پائلٹ اور ایئر کنٹرولر بھی موجود تھا۔ جہاز کو مار گرایا گیا۔ 9.57 بجے ایک ہائی جیکر کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ کاک پٹ کے باہر لڑائی ہو رہی ہے۔ باہر سے ایک آواز سنائی دی۔ ''آؤ ان (ہائی جیکروں) پر حملہ کر دیں'' 9.58 بجے ٹوڈ نے اپنی بیوی سے فون پر یہ کہتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا کہ ''مسافروں نے جمپ لگانے کا فیصلہ کر لیا ہے''۔ پھر دوسرے مسافروں سے مخاطب ہوتے ہوئے اس کا مشہور فقرہ سنائی دیا۔ ''جوانو! کیا آپ

Marfat.com

تیار ہیں؟ آؤ ہائی جیکروں پر کود پڑیں"۔ عین اسی وقت 9.58 بجے ایک خاتون مسافر نے اپنے خاوند سے بات چیت کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے امید ہے مسافر ہائی جیکروں پر قابو پالیں گے۔ وہ کاک پٹ میں گھسنے کی کوشش کر رہے ہیں"۔ تھوڑی بعد وہ چلائی۔ "انہوں نے کر دکھایا ہے۔ انہوں نے کر دکھایا ہے۔ انہوں کر دکھایا ہے"۔

لیکن زمین پر موجود خاتون کے خاوند نے عین اسی وقت پس منظر میں چیخ و پکار اور ایک بہت تیز رفتار آندھی کی طرح کی آواز سنی۔ پھر مزید چیخنا چلانا......اور پھر اس کا رابطہ منقطع ہوگیا۔ ایک اور مسافر جو جہاز کے باتھ روم سے فون کر رہا تھا۔ اپنا رابطہ منقطع ہونے سے فوراً پہلے کہتا ہوا سنا گیا کہ "اس نے کسی قسم کے دھماکے کی آواز سنی ہے اور جہاز سے سفید دھواں نکل رہا ہے"۔

کئی ماہ بعد ایف بی آئی نے اس بات کی تردید کی اس شخص کی ٹیلیفون کال میں دھماکے یا دھوئیں کا ذکر ہے، لیکن جس شخص نے کال سنی تھی۔ اسے اخبارات یا میڈیا سے رابطے سے روک دیا۔

(اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب یہ بات عیاں ہوگئی کہ مسافر ہائی جیکروں پر قابو پا کر جہاز کا کنٹرول سنبھال لیں گے تو اسے ایک یا دو میزائلوں کا نشانہ بنا کر مار گرایا گیا تا کہ دنیا کبھی نہ جان سکے کہ جہاز کے اندر کیا کچھ ہوا۔ (مترجم)

بعض لوگوں کو کاک پٹ کی ریکارڈنگ اور سرکاری طور پر بیان کئے گئے کریش کے وقت کے بارے میں بھی شک وشبہ ہے۔ مسافروں کے عزیز و اقارب اور لواحقین کو بعد ازاں یہ ٹیپ سننے کی اجازت دی گئی تھی۔ یہ ٹیپ 9.31 بجے شروع ہو کر 10.02 بجے تک ختم ہوئی تھی۔ اس طرح اس کا دورانیہ 31 منٹ بنتا ہے۔ یہ کریش کے وقت سے قریب تر ہے، اگر واقعی کریش 10.03 بجے وقوع پذیر ہوا، جیسا کہ امریکن حکومت دعویٰ کرتی ہے، لیکن کریش کے نتیجے میں زمین میں پیدا شدہ ارتعاش کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاز 10.06 بجے کے چند ثانئے بعد کریش ہوا۔ اسی لئے اخبار "فلاڈالفیا ٹائمز" نے سرخی جمائی "ٹیپ میں تین منٹ کا فرق"۔ ٹیپ کے آخری تین منٹوں میں کیا ہوا؟ صرف فلائٹ کا ریکارڈ (3 منٹ) غائب نہیں تھا بلکہ 16 اکتوبر کو حکومت نے جب فلائٹ کنٹرول کے ریکارڈ کو جاری کیا تو اس میں فلائٹ 93 کا ٹیپ موجود ہی نہیں تھا۔

Marfat.com

اس جہاز کو شوٹ کر کے مار گرانے کے شبہ کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ 9.56 بجے جب بالآخر جیٹ فائٹرز کو فضاء میں بلند کیا گیا تو انہیں کسی بھی اغواء شدہ جہاز کو مار گرانے کا حکم دیا گیا تھا (اور اس وقت یہی ایک فلائٹ فضا میں تھی) جیٹ فائٹر کے فضاء میں بلند ہونے کے فوراً بعد مبینہ طور پر ایک ملٹری آفیسر نے وائس پریذیڈنٹ ڈک چینی کو بتایا۔ ''فضاء میں 80 میل کے فاصلے پر ایک جہاز موجود ہے۔ کیا ہم اسے مار گرائیں''۔ چینی نے جواب میں کہا۔ ''یس (YES) '' اسی لمحے ایک F16 جیٹ فائٹر فلائٹ 93 کی طرف لپکا۔ جب یہ فائٹر فلائٹ 93 کے قریب پہنچ گیا تو چینی سے دو دفعہ مزید یہی سوال پوچھا گیا تا کہ وائس پریذیڈنٹ کے آرڈر کی تصدیق ہو جائے اور چینی نے ہر دفعہ ''یس YES'' کہہ کر جیٹ کو فلائٹ کو مار گرانے کی اجازت دے دی۔

نیشنل ملٹری کمانڈ سنٹر (NMCC) کے بریگیڈیئر جنرل ونفیلڈ نے بعد ازاں بتایا۔ ''ایکشن لینے کا مقررہ وقت آیا اور گزر گیا، سو کچھ بھی نہ ہوا اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ملٹری کمانڈ سنٹر کس قدر تناؤ کی حالت میں تھا۔ علاوہ ازیں جب صدر بش کو 10.08 بجے فلائٹ 93 کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے استفسار کیا۔ ''کیا ہم نے جہاز کو مار گرایا یا خود ہی کریش ہو گیا؟'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فلائٹ 93 کو شوٹ ڈاؤن کا خیال بہت سے دماغوں میں تھا۔ عین اسی وقت علاقے میں جیٹ فائٹرز کی موجودگی بھی فلائٹ 93 کو مار گرانے کے شک کو تقویت پہنچاتی ہے۔ اس فلائٹ کے کریش ہونے سے چند منٹ پہلے سی بی ایس ٹیلیویژن نے خبر نشر کی تھی کہ دو جیٹ فائٹر F-16 اس فلائٹ کے تعاقب میں ہیں اور ایک فلائٹ کنٹرولر نے، اس کے باوجود کہ فلائٹ کنٹرولرز کو میڈیا سے بات چیت کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ مبینہ طور پر بتایا۔ ''ایک F-16 نہایت قریب سے فلائٹ 93 کے تعاقب میں تھا۔ F-16 نے 360 ڈگری کی ٹرن لی تا کہ کمرشل جہاز کے قریب رہ سکے''۔

زمین پر موجود بے شمار لوگوں نے بھی جیٹ فائٹر کو کمرشل جہاز کے تعاقب میں دیکھا۔ اخبار انڈی پینڈنٹ کے میٹر کے مطابق تقریباً آدھے درجن لوگوں نے جیٹ فائٹر کو فلائٹ 93 کے کریش ہونے کے فوراً بعد نہایت نیچی پرواز کرتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے جیٹ فائٹر کے بارے میں جو تفصیل بیان کی وہ کچھ اس طرح سے تھی۔ ''ایک چھوٹا جیٹ، رنگ سفید، انجن پچھلی طرف، کوئی شناختی علامت نہیں''۔ ایف بی آئی نے دعویٰ کیا

Marfat.com

2002 بالٹیمور مصنف اپنے سٹور میں امریکن دوست برائن کے ساتھ

Marfat.com

کہ ''یہ دوسرا دیکھا جانے والا جیٹ فیئر چائلڈ فالکن(Fairchild Falcon) بزنس جیٹ تھا''۔

لیکن ایک خاتون کا کہنا ہے۔''یہ سفید رنگ کا بغیر کسی نشانات (مارکنگ) کے یقیناً ملٹری جیٹ تھا۔اس کے پچھلے حصے میں دو انجن تھے۔پچھلی طرف ایک بڑا پنکھ (FIN) جو بڑا تباہ کن لگتا تھا یہ یقیناً ایگزیکٹو جیٹ نہ تھا۔ایف بی آئی والے میرے پاس گفتگو کے لیے آئے تھے اور کہتے تھے کہ اس وقت وہاں کوئی جہاز نہ تھا، لیکن میں نے کریش سے فوراً پہلے خود دیکھا تھا اور یہ جیٹ میرے سر سے صرف 40 فٹ کی بلندی پر تھا۔وہ (FBI) والے میری بات سننا ہی نہیں چاہتے تھے''۔ بہت سے دوسرے لوگوں نے بھی اسی قسم کے جہاز کے دیکھے جانے کی تصدیق کی تھی۔بعض گواہوں کے مطابق انہوں نے یکے بعد دیگرے دو میزائلوں کے داغے جانے کی آواز سنی تھی۔

سب سے مضبوط گواہی اس شخص کی تھی جو ویتنام کی جنگ کا ریٹائرڈ فوجی تھا اور میزائل ، فوجی جیٹ فائٹر اور سویلین جہاز کی آواز کے فرق کو خوب سمجھتا تھا۔شینکس ول(Shanksville) کے مطابق اس سابقہ فوجی نے میزائل کی آواز سنی تھی اور پھر سویلین جہاز اس طرح زمین پر آن گرا جس طرح کوئی پتھر گرتا ہے۔پھر جہاں جہاز کا ملبہ گرا، ایک آدھا ٹن وزنی انجن کا حصہ وہاں سے ایک میل کے فاصلے پر پایا گیا۔جس کا مطلب ہے کہ F-16 پر موجود گرمائش کے تعاقب میں جانے والا۔فضا سے فضا میں مار کرنے والا، سائیڈ وائنڈر (Sidewinder) میزائل نے پہلے دو میں سے بوئنگ 757 کے ایک انجن کو نشانہ بنایا۔پھر دوسرا میزائل مار کر دوسرے انجن کو تباہ کر دیا۔ کیونکہ نزدیکی کھیتوں اور مرینا لیرک جھیل کے قریب کام کرنے والے مزدوروں نے دھماکوں کے فوراً بعد جہاز کے جلتے ہوئے ملبے کو ٹکڑوں کی شکل میں گرتے ہوئے دیکھا۔ بعض رپورٹوں کے مطابق انسانی اعضاء آٹھ میل دور تک بکھرے ہوئے پائے گئے۔

جہاز کو شوٹ کر کے مار گرانے کی تصدیق بعض ملٹری اور حکومتی اہلکاروں کے بیانات سے بھی ہوتی ہے۔F.15 کے ایک پائلٹ نے جو نیویارک شہر کے اوپر حفاظتی چکر لگا کر واپس ایئر پورٹ بیس پر آیا تھا، کو بتایا گیا تھا کہ ایک F16 نے چوتھے اغواء شدہ سویلین جہاز کو پنسلوینیا میں مار گرایا ہے۔جب 13 ستمبر کو سینٹ کی آرمڈ سروسز کمیٹی کے رکن کارل

Marfat.com

لیون نے جنرل مائیر سے سوال کیا۔ ''کیا محکمہ دفاع نے کسی اغوا شدہ جہاز کے خلاف کوئی ایکشن بھی لیا تھا؟'' تو جنرل مائیر نے جواب دیا تھا۔ ''کچھ ایسے بیانات موجود ہیں کہ جو جہاز پنسلوینیا میں گرا تھا اسے شوٹ کیا گیا تھا اور اب تک ایسے بیانات سامنے آ رہے ہیں''۔ لیکن مائیر نے اعلان کیا۔ ''مسلح افواج نے کسی جہاز کو شوٹ ڈاون نہیں کیا''۔

ڈپٹی سیکرٹری محکمہ دفاع پال ولفوز نے کہا۔ ''ائیر فورس اس اغواء شدہ جہاز کے تعاقب میں تھی جو پنسلوینیا میں کریش ہوا اور ضرورت پڑنے پر اسے مار گرانے کی پوزیشن میں تھی''۔

تھامپسن کو یقین ہے کہ حکومت نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس جہاز کو مار گرانا ضروری ہے۔ اس لیے نہیں کہ ہائی جیکروں کا مشن کامیاب ہو جائے گا۔ بلکہ اس لیے کہ اگر مسافروں نے ہائی جیکروں پر قابو پا کر جہاز بحفاظت اتار لیا تو ہائی جیکروں سے تفتیش کی جائے گی اور اصل کہانی منظر عام پر آ جائے گی۔ جو حکومت کسی صورت نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے فلائٹ 93 کو شوٹ ڈاون کرنے کا آرڈر دیا گیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پہلے تین جہازوں کو اپنے ہدف پر پہنچنے سے پہلے مار گرانے میں محکمہ کی نااہلیت وجہ نہ تھی۔ بلکہ اپنے اصل مقاصد کا حصول تھا۔

اس فلائٹ کے انجام سے اعلیٰ ملٹری حکام کی اس تمام المیے میں ملوث ہونے کو ظاہر کرتی ہے کہ ان حملوں کی منصوبہ بندی میں وہ شریک تھے۔

فلائٹ 93 اپنے مقررہ ہدف تک کیوں نہ پہنچ سکی؟ اس کی وجہ اس کا ائیر پورٹ سے مقررہ وقت سے 41 منٹ لیٹ اڑنا تھا۔ اگر یہ لیٹ نہ ہوتی تو چاروں فلائٹوں کی روانگی اور اپنے اپنے مقررہ ہدف سے ٹکرانے کا وقت مقرر تھا۔ پہلی تینوں فلائٹیں 10 سے 16 منٹ کے وقفے سے روانہ ہوئیں اور اپنے اپنے ہدف سے ٹکرا گئیں۔ فلائٹ 93 کی 41 منٹ کی تاخیر سے روانگی سے پہلے ہی دو فلائٹیں ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرا چکی تھیں اور فلائٹ 93 کے مسافروں کو ٹیلیفون کالوں سے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے المیے کی خبر مل چکی تھی۔ اس لیے اس فلائٹ کے مسافروں کے ذہن میں یہ بات آ چکی تھی کہ ان کا جہاز بھی خودکش مشن پر ہے جس میں ان کی موت یقینی ہے۔ اس پر انہوں نے ہائی جیکروں پر قابو پانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اگر یہ جہاز اپنے مقررہ وقت پر روانہ ہوتا تو یقیناً اپنے مقررہ ہدف سے ٹکرا چکا ہوتا اور مسافروں کو

Marfat.com

کسی جدوجہد کا موقع نہ ملتا۔ یہ کس ہدف سے ٹکراتا؟ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

یو۔ ایس کیپٹیل بلڈنگ سے لوگوں کا انخلا، 9.48 بجے اسی وقت شروع ہوا جب 23 منٹ پہلے ایک ''نامعلوم'' جہاز کو تیزی سے واشنگٹن کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا گیا اور 10 منٹ پہلے پنٹاگان سے ٹکرا گیا۔ اگر فلائٹ 93 بروقت روانہ ہو چکی ہوتی تو بعض رپورٹوں کے مطابق اس کا ہدف یو۔ ایس کیپٹیل بلڈنگ تھا (جہاں کانگریس اور سینٹ کے دفاتر واقع ہیں) اگر یہ فلائٹ 41 منٹ لیٹ نہ ہوتی تو بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے مقررہ ہدف تک پہنچ جاتی اور اسی طرح زیادہ تر ممبران کانگریس اور سینٹ ہلاک ہو چکے ہوتے۔

بعض لوگوں کے خیال میں فلائٹ 93 کا ہدف ''وائٹ ہاؤس'' تھا، لیکن اسے لوگوں سے خالی نہیں کرایا گیا تھا۔ اگرچہ 9.03 بجے سیکرٹ سروس ایجنٹ وائس پریذیڈنٹ ڈک چینی اور نیشنل سیکورٹی ایڈوائزر کونڈالیزا رائس کو تہ خانوں میں بنے ہوئے بنکرز میں لے گئے تھے، لیکن دوسرے لوگوں کو 40 منٹ بعد 9.45 بجے خطرے سے آگاہ کیا گیا اور وائٹ ہاؤس خالی کرنے کا حکم دیا گیا۔ جب 9.03 بجے وائس پریذیڈنٹ اور رائس کے لیے خطرہ محسوس کیا گیا تھا تو دوسرے لوگون کو اسی وقت وائٹ ہاؤس سے نکلنے کا حکم کیوں نہیں دیا گیا؟ پھر جب 9.25 بجے ڈلاس ائیر پورٹ کے ائیر ٹریفک کنٹرولر نے ایک نامعلوم تیز رفتار جہاز کو واشنگٹن کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اسی وقت وائٹ ہاؤس کو خالی کرنے کا اعلان کس مصلحت کے تحت نہیں کیا گیا؟ یہ سوال اور بھی گھمبیر ہو جاتا ہے اگر فلائٹ 77 کے بارے میں حکومتی کہانی کو درست مان لیا جائے جس کے مطابق ہائی جیکروں نے مسافروں کو بتا دیا تھا کہ وہ سب موت کے منہ میں جا رہے ہیں کیونکہ یہ جہاز وائٹ ہاؤس سے ٹکرانے جا رہا ہے۔

اگر یہ سچ ہے تو پنٹاگان میں کام کرنے والوں کی جگہ وائٹ ہاؤس میں موجود لوگ مارے گئے ہوتے۔ کیونکہ پنٹاگان سے جہاز کے ٹکرانے کے سات منٹ بعد تک وائٹ ہاؤس سے ملازمین کا انخلا، شروع نہیں کیا گیا تھا۔ اب نہایت پریشان کن سوال یہ ہے کہ کیا کوئی ایسا منصوبہ ترتیب دیا گیا تھا کہ پنٹاگان اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے ساتھ ساتھ کیپٹیل بلڈنگ اور وائٹ ہاؤس کے لوگوں کو بھی مروا دیا جائے؟

Marfat.com

صدر کا طرزِ عمل

9/11 کو چار جہازوں کے اغواء اور کریش نے جہاں حکومت کے طرزِ عمل کے بارے میں بے شمار پریشانیاں اور الجھے ہوئے سوالات پیدا کئے ہیں وہاں صدر بش کا اس روز کا رویہ بھی زیر بحث آرہا ہے۔

صدر کے اس روز کے شیڈول کے مطابق اس نے سراسوٹا (Sarasota)، فلوریڈا کے ایلیمنٹری سکول کا دورہ کرنا تھا، جہاں اس نے بچوں سے کہانی اور نظم سنی اور ان کے ساتھ تصویریں بنوانی تھیں۔ وہ 9 بجے سے چند منٹ پہلے سکول پہنچے۔ ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت تک صدر کو آگاہ کر دیا گیا تھا کہ ایک جہاز ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرا گیا ہے۔ اس وقت یہ خبر عام ہو چکی تھی کہ اس جہاز کے علاوہ دو دوسرے جہاز بھی اغوا ہو چکے ہیں اور یہ بات پریذیڈنٹ کے بھی علم میں ہونا چاہئے تھی۔

میڈیا رپورٹ کے مطابق فلائٹ 11 کے ورلڈ سنٹر سے ٹکرانے کے دو منٹ بعد اس کی خبر نشر ہونا شروع ہو گئی تھی۔ یہ جہاز 8.18 بجے ٹکرایا تھا۔ CNN نے اسی وقت براہِ راست ٹی وی پر ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو دکھانا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ چند منٹ میں کروڑوں شہری اس حادثے کی خبر سے آگاہ ہو چکے تھے۔ بش کو اگلے دس منٹ تک اس کی خبر ہی نہیں ہوئی۔ ناقدین کا خیال ہے کہ صدر کے عملے اور سیکرٹ سروس کے ایجنٹوں کے پاس اطلاعات کا جدید ترین نظام موجود ہوتا ہے لہٰذا انہیں اور صدر کو ایک منٹ کے اندر خبر پہنچ جانی چاہئے تھی کہ کوئی جہاز ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرا گیا ہے۔ وائس پریذیڈنٹ ڈک چینی نے بلی تھیلے سے باہر نکال دی۔ انہوں نے 16 ستمبر کو "میٹ دی پریس" میں کہا۔

Marfat.com

''سیکرٹ سروس کا فیڈرل ایوی ایشن اتھارٹی سے، ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے جہاز کے ٹکرانے کے بعد اوپن لائن پر مکمل رابطہ تھا''۔

لہٰذا صدر کے موٹروں کے قافلے خصوصاً صدر کی اپنی کار میں موجود سیکرٹ سروس کے ایجنٹ کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے المیئے کی خبر صدر کے سکول پہنچنے سے پہلے مل چکی ہو گی۔ سرکاری بیان کے مطابق وائٹ ہاؤس کے پریس سیکرٹری ایری فلشر کو یہ خبر سکول کی طرف دوران سفر مل گئی تھی۔ لہٰذا ضروری تھا کہ بش کو اسی وقت یہ خبر پہنچائی جاتی اور ساتھ میں بش کے ہمسفر بھی آگاہ ہو جاتے، لیکن بش کا دعویٰ ہے کہ اسے سکول پہنچنے سے قبل کسی نے اطلاع نہیں دی۔ تھامپسن کا دعویٰ ہے کہ سکول پہنچنے سے قبل بش کو خبر مل چکی تھی، لیکن ان کا کہنا ہے کہ وہ اس سے لاعلم تھے۔

وائس پریذیڈنٹ ڈک چینی کا یہ انکشاف کہ سیکرٹ سروس اور FAA کے درمیان اوپن لائن پر رابطہ تھا۔ حکومتی کہانی کو غلط ثابت کرتا ہے۔ یہ جاننے کے بعد کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ایک جہاز ٹکرا گیا ہے۔ صدر نے صرف اتنا کہا۔ ''خوفناک حادثہ پیش آ گیا ہے''۔ کیا اس وقت تک صدر کو یہ اطلاع نہیں تھی کہ کئی دوسرے جہاز بھی اغوا ہو چکے ہیں اور وہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے جہاز کے ٹکرانے کو صرف ''حادثہ'' قرار دے رہے ہیں۔ کیا صدر کو معلوم نہیں تھا کہ نیشنل ایمرجنسی کی صورت حال پیدا ہو چکی ہے؟ صدر کا ردعمل ایسا کیوں تھا؟

اس دوران نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر کونڈالیزا رائس نے صدر کو فون کر کے تمام صورت حال سے آگاہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ سی۔ آئی۔ اے کے ڈائریکٹر جارج ٹینٹ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہوائی جہازوں کے اغواء کا منصوبہ اسامہ بن لادن نے بنایا ہے تاکہ امریکہ پر دہشت گردی کا حملہ کیا جائے، لیکن صدر نے سکول کی پرنسپل سے کہا۔ ایک کمرشل جہاز ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرا گیا ہے، تاہم ہم اپنا کام جاری رکھیں گے اور اور بچوں سے نظمیں اور کہانیاں سنیں گے''

ناقدین صدر کے اس طرز عمل کو ناقابل یقین مانتے ہیں۔ اگر جہازوں کے اغوا کا عمل غیر متوقع تھا اور ایک جہاز پہلے ہی اپنا دہشت گردی کا مشن مکمل کر چکا تھا تو اس کا مطلب تھا ملک تاریخ کی بدترین دہشت گردی کی گرفت میں تھا۔ ملک کی افواج کا کمانڈر انچیف یہ حکم دینے کی بجائے کہ باقی اغوا شدہ جہازوں کو شوٹ ڈاؤن کر دیا جائے،

Marfat.com

اپنے مقررہ شیڈول کے مطابق بچوں سے کہانیاں سننے میں مگن تھا۔ صدر کے اس رویئے کو ووڈ اور تھامپسن نے اس طرح بیان کیا ہے۔

''اندازاً 8.46 بجے ٹیلیویژن پر ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی آتشزدگی کی پہلی تصویر نشر ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اس وقت تک فیڈرل ایوی ایشن اتھارٹی (FAA) نارتھ امریکن ایروسپیس ڈیفنس کمانڈ (Norad) نیشنل ملٹری کی کمانڈ سنٹر (NMCC)، پنٹاگان، وائٹ ہاؤس، سیکرٹ سروس اور کینیڈا کی سٹریجیک کمانڈ، سب کو پتہ چل چکا تھا کہ کمرشل ایئر لائنز کے تین مزید جہاز اغوا ہو چکے ہیں۔ ان کو یہ بھی علم ہو چکا تھا کہ ایک اغوا شدہ جہاز کو جان بوجھ کر ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے شمالی ٹاور سے ٹکرا دیا گیا ہے اور دوسرے جہاز کا کنٹرول ٹاور سے ریڈیائی رابطہ کٹ چکا ہے اور وہ مین ہٹن کی طرف بڑھ رہا ہے۔ پندرہ منٹ بعد 9.03 بجے یہ بات عیاں تھی کہ یونائٹڈ سٹیٹ دہشت گردوں کے حملوں کی زد میں آچکا ہے۔ صدر امریکہ کیوں کلاس روم میں بیٹھ کر دوسری جماعت کے بچوں کے ساتھ تصویریں بنوانے میں مصروف تھا اور 20 منٹ کا یہ فوٹو سیشن پہلے سے طے شدہ تھا؟''

بش کا یہ طرزِ عمل اس وقت اور زیادہ حیران کن ہو جاتا ہے جبکہ اس کے سیکرٹ سروس والوں کو معلوم ہونا چاہئے تھا کہ دہشت گردوں کا اگلا نشانہ بش بھی ہو سکتا تھا۔ دوسرے جہاز کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکراتے ہوئے ٹی وی پر دیکھ کر مبینہ طور پر سچ مچ یہ کہا۔ ''ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے''۔ اگر حقیقتاً کسی ایجنٹ نے یہ کہا تھا تو یقیناً اس کی بات کو رد کر دیا گیا تھا۔ اس دوران وائٹ ہاؤس میں وائس پریذیڈنٹ ڈک چینی اور نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر کونڈی کو تہہ خانوں میں بنے ہوئے بنکروں میں دھکیلا جا رہا تھا۔ اس کے باوجود سیکرٹ سروس کے ایجنٹوں نے بش کو وہاں سے نکالنے میں کوئی تیزی نہیں دکھائی۔ اخبار گلوب اینڈ میل نے سوال کیا ہے۔

''بش کی حفاظت کے لیے وہی پھرتی کیوں نہیں دکھائی جو وائٹ ہاؤس میں دکھائی گئی تھی؟ سیکرٹ سروس نے بش کو اس جگہ سے اِدھر اُدھر کیوں نہیں کیا جو جگہ سب کو معلوم تھی۔ کیونکہ بش کے پروگرام کی تشہیر کی گئی تھی اور ہائی جیکر ایک جہاز کو وہاں بھی کریش کر سکتے تھے اور اس کے سکیورٹی والے ایسے کسی حملے کو روکنے میں قطعی بے بس ہو سکتے تھے''۔

Marfat.com

لاپرواہی اور لاتعلقی کا یہ رویہ تقریباً ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔ انٹیلی جنس کے ایک ماہر جیمز بمفورڈ نے لکھا ہے:

''صرف اتنا بتا دینے کے بعد کہ ملک پر حملہ ہو رہا ہے۔ کمانڈر انچیف نے مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ اس نے قطعاً یہ نہیں پوچھا کہ کوئی مزید خطرات تو نہیں ہیں؟ حملہ کہاں سے ہو رہا ہے؟ ملک کو مزید حملوں سے بچانے کی خاطر کیا کچھ کیا جانا چاہیے؟ اس کے برعکس دور جدید کی پرل ہاربر جیسی صورت حال میں صدر نے ادھر سے آنکھیں بند کر کے بچوں کے ساتھ تصویریں بنوانے کو ترجیح دی''۔

بچوں کے ساتھ تصویریں بنوانے کے ساتھ ساتھ صدر نے دوسری جماعت کے بچوں کی کتاب سے ''میری پالتو بکری'' نامی کہانی بھی سنی تھی۔ جب بش کو کلاس روم میں چند منٹ گزر گئے تو اس کے چیف آف سٹاف انڈریو کارڈ نے اندر آ کر صدر کے کان میں کچھ کہا۔ غالباً یہ دوسرے جہاز کے ٹون ٹاور سے ٹکرانے کی اطلاع تھی۔ صدر نے کچھ توقف کے بعد بچوں کو کہانی سنانا جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔ صدر کے اس عجیب و غریب طرز عمل کے بارے میں بمفورڈ نے یہ اضافہ کیا ہے۔

''جب صدر بچوں سے کہانی سن رہے تھے۔ جلتے ہوئے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے اندر موجود لوگوں کے زندہ بچنے کی امیدیں دم توڑ رہی تھیں۔ آگ سے جھلس کر یا دھوئیں سے دم گھٹ کر آہستہ آہستہ مرنے کی بجائے لوگوں نے موت کو جلد از جلد گلے لگانے کے لیے سو منزلہ بلڈنگوں سے کودنا شروع کر دیا تھا''۔

جب یہ قیامت صغریٰ بپا تھی۔ صدر صاحب بچوں سے (My Pet Goat) سننے میں مگن تھے۔ ''ایک لڑکی کی ایک پالتو بکری تھی۔ بکری نے کچھ ایسی بری حرکت کی جس نے لڑکی کے باپ کو غصے سے پاگل بنا دیا''۔ کئی منٹ تک یہ سنتے رہنے کے بعد صدر نے بچوں سے ہنسی مذاق شروع کر دیا۔ ''وو، کتنے اچھے کہانی کار ہیں، بہت اچھے داستان گو ہیں یہ تو چھٹے گریڈ میں ہونے چاہئیں''۔

ایک اور فرد، جس نے صدر کے طرز عمل اور نیویارک میں ہونے والی تباہی کے درمیان تضاد محسوس کیا، لوری وان اوکن ہیں جن کے خاوند ان ہزاروں لوگوں میں سے ایک تھے جو ٹون ٹاور کی تباہی میں لقمۂ اجل بنے۔ اس نے صدر امریکہ کی بچوں کے ساتھ اس روز

Marfat.com

ی مصروفیات کی ویڈیو حاصل کر کے اسے بار بار دیکھا۔ پھر بعد ازاں اس نے کہا۔ ''میں
پنے آپ کو بار بار یہ دیکھنے سے روک نہ سکی کہ صدر امریکہ دوسری جماعت کے بچوں سے
کہانی سن رہے ہیں جبکہ میرا خاوند جلتی ہوئی بلڈنگ میں بھن رہا تھا۔ میں حیران ہوں کہ
ب صدر کے ایک اور ایڈوائزر نے اسے نیویارک پر حملے کے بارے میں بتا دیا تھا تو وہ
بچوں سے ہنسی مذاق کرنے کا حوصلہ کیسے پیدا کر سکے؟''

صدر نہ صرف بچوں سے خوش گپیوں میں مصروف تھے بلکہ انہوں نے بطور کمانڈر انچیف، جس کے ملک میں ہنگامی صورتِ حال پیدا ہو چکی ہو، کسی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اخبار واشنگٹن ٹائمز کے وائٹ ہاؤس میں نمائندے بل سائمن نے ''جوابی حملہ'' (Fighting Back) کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں زیادہ تر صدر بش کے اقدامات کا دفاع کیا گیا ہے۔ وہ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ ''بش جان بوجھ کر وقت ضائع کر رہا تھا''۔ جب بچوں کا سبق سنانا ختم ہو گیا تو سائمن کے مطابق بش نے کہا۔

''ہو! یہ تو بہت عمدہ پڑھا کو ہیں! بڑے متاثر کن! آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے اپنی پڑھنے کی صلاحیت سے آگاہ کیا۔ میں شرطیہ کہتا ہوں کہ انہوں نے خوب مشق بھی کی ہو گی۔ کیا آپ نے مشق نہیں کی؟ انہوں نے ٹی وی کم دیکھا اور پڑھائی زیادہ کی ہو گی؟ زیادہ پڑھائی پر توجہ دو اور ٹی وی کم دیکھو کیا آپ ایسا کریں گے؟ (بچے ہاتھ کھڑے کرتے ہیں) اوہ! یہ بہت بڑی بات ہے! بہت خوب! مشق کرنا بہت ضروری ہے! مجھے موقع دینے کا شکریہ میں بہت متاثر ہوا ہوں''۔

بش نے بعد میں بھی بچوں سے اپنی گفتگو جاری رکھی اور ان کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی سکول کی تعلیمی سرگرمیوں کو جاری رکھیں۔ سکول چھوڑ کر نہ بھاگیں اور اچھے شہری بنیں۔
سائمن کے کہنے کے مطابق بش نے بچوں سے ہنسی مذاق جاری رکھا۔ ''گویا کہ اسے دنیا میں ہونے والے واقعات سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے'' بعد ازاں جب ایک اخباری نمائندے نے بش سے پوچھا کہ ''کیا اس نے نیویارک میں پیش آنے والے حادثے کے بارے میں سنا ہے؟'' بش نے جواب دیا۔ ''میں اس کے بارے میں بعد میں بات کروں گا''۔

سائمن کے مطابق پھر بش نے آگے بڑھ کر کلاس کے ٹیچروں سے ہاتھ ملانا شروع کر دیا۔ سکول ٹیچر ڈانیل نے اپنا بایاں ہاتھ پیچھے کی طرف لے کر بش کے ساتھ ایک

Marfat.com

اور تصویر بنوائی۔ بش بڑے پرسکون انداز میں وقت گزار رہا تھا اور اس وقت تک وہاں ٹھہرا رہا جب تک تمام اخباری نمائندے وہاں سے چلے نہیں گئے۔ اس موقع پر سائمن پریذیڈنٹ کو کمانڈر انچیف کی بجائے ڈاڈلر انچیف (سب سے زیادہ سُست الوجود) کہتا ہے۔

حیران کن طور پر، غالباً اس روز کے صدر کے طرز عمل کے بارے میں نکتہ چینی اور تنقید سے گھبرا کر ایک سال گذرنے کے بعد وائٹ ہاؤس نے ایک نئی کہانی گھڑلی، پریذیڈنٹ کے چیف آف سٹاف اینڈریو کارڈ نے مبینہ طور پر کہنا شروع کر دیا کہ جیسے ہی اس نے صدر کو دوسرے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کے بارے میں آگاہ کیا۔ صدر نے نہایت مؤدبانہ طریقے سے ٹیچر اور سٹوڈنٹس سے معذرت کی اور چند سیکنڈ میں ہی کلاس روم سے نکل گئے۔ پھر کچھ الفاظ کی ہیرا پھیری سے کارڈ نے کہا۔ ''پریذیڈنٹ نے چند سیکنڈ بعد ہی معذرت کرتے ہوئے کلاس چھوڑ دی۔ بش کے اس روز کے رویئے اور طرز عمل پر تنقید کرنے والوں کا کہنا ہے کہ وائٹ ہاؤس نے نئی کہانی گھڑ کر غالباً یہ سوچا ہوگا کہ میڈیا والے اس کی دروغ گوئی کو سچ تسلیم کریں گے، حالانکہ بش کی حمایت میں لکھی جانے والی سائمن کی کتاب خود اس کہانی کو رد کرتی ہے۔ پھر اس روز کی بش کی سکول میں مصروفیات کی ویڈیو ٹیپ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ نئی کہانی صرف جھوٹ کا پلندہ ہے۔ چند سیکنڈ کا مطلب 700 سیکنڈ بنتا ہے''۔

بہر حال ہم اپنی کہانی کی طرف واپس آتے ہیں۔ صدر نے کلاس روم 9.16 بجے چھوڑا اور اپنے مشیروں سے ملاقات کی تاکہ وہ اپنے قوم سے خطاب کے لیے تقریر تیار کر سکیں۔ یہ تقریر انہوں نے 9.29 بجے نشر کی۔

اس روز کا بش کا پروگرام پہلے سے مشتہر کیا جا چکا تھا اور دہشت گردوں کو معلوم تھا کہ اس روز بش کی کیا مصروفیات ہیں اور انہوں نے اس روز کہاں ہونا ہے۔ لہٰذا بش دہشت گردوں کا نشانہ بن سکتے تھے۔ ازیں بعد جب اینڈریو کارڈ اور کارل رور سے یہ پوچھا گیا کہ ''جب پریذیڈنٹ کو دوسرے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کی اطلاع دی گئی تھی تو انہوں نے فوراً کلاس روم کیوں نہیں چھوڑا؟''

ان کا جواب تھا۔ ''بش بچوں کو پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے''۔

Marfat.com

اب سوال یہ ہے کہ اگر دہشت گرد یہ جانتے ہوتے کہ بش اس وقت سکول میں موجود ہے۔ وہاں حملہ کردیتے تو نہ صرف پریذیڈنٹ بلکہ بچوں اور وہاں پر موجود دوصد دوسرے افراد کی زندگیاں بھی خطرے میں پڑسکتی تھیں۔ یقیناً اس سوال کا جواب تو یہی ہوسکتا ہے کہ بش کو پہلے سے ہی پتہ تھا کہ وہاں پر حملہ ہونے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔

حکومت کی 9/11 کے بارے میں بیان کردہ کہانی کے ناقدین اور اختلاف رائے رکھنے والوں کا کہنا ہے کہ اس روز صدر امریکہ کا رویہ اور طرز عمل ان کے اس خیال کو مزید تقویت دیتا ہے کہ اعلیٰ ترین سطح پر سول اور ملٹری حکام کو ان حملوں کا پہلے سے علم تھا لیکن انہوں نے ان کی روک تھام کے لیے کچھ نہیں کیا بلکہ ان اندوہناک حملوں کے وقوع پذیر ہونے کی سازش میں ملوث ہوئے۔ بلکہ صدر اور ان کی سیکرٹ سروس کے طرز عمل سے لگتا ہے کہ وائٹ ہاؤس کو اس قسم کے حملوں کی پہلے سے ہی توقع تھی۔ مزید براں اگر میسان کی اس قیاس آرائی کو تسلیم کرلیں جس میں بش سے یہ بات منسوب کی گئی کہ انہوں نے کلاس روم میں داخل ہونے سے قبل ٹیلیویژن پر پہلے جہاز کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حملوں کے ہدف اور وقت کے بارے میں وائٹ ہاؤس کو پہلے سے علم تھا اور صدر اور ان کی سیکورٹ سروس کو علم تھا کہ وہ حملے کا ہدف نہیں ہیں۔ اس لیے وہ بڑے پُرسکون تھے۔

کیا امریکن حکام کو 9/11 کے حملوں کی پہلے سے اطلاع تھی؟

9/11 کے واقعات کا جائزہ لیتے ہوئے ہم سرکاری نقطہ نظر کے مخالفین کے اعتراض کا جائزہ لیں گے کہ کیا واقعی اعلیٰ امریکی حکام کو ان واقعات کا پہلے سے ہی علم تھا؟

بش حکومت کے بہت سے اعلیٰ عہدیداروں کا دعویٰ ہے کہ یہ حملے بالکل غیر متوقع تھے۔ مثال کے طور پر بش کی نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر کونڈا لیزا رائس نے مئی 2002ء میں بیان دیا:

''میرا خیال نہیں کہ (امریکن انتظامیہ میں) کسی نے یہ پیش گوئی کی ہو کہ یہ لوگ (دہشت گرد) ایک جہاز کو پکڑیں گے اور اسے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے ساتھ ٹکرادیں گے۔ ایک

Marfat.com

دوسرا جہاز قابو کریں گے اور پنٹاگان سے جا ٹکرائیں گے۔ یا وہ ایک اغوا شدہ جہاز کو بطور میزائل استعمال کریں گے''۔

اگلے ماہ صدر بش نے اپنے قوم سے خطاب میں کہا۔''ان شہادتوں کی بنیاد پر، جواب تک میری نظروں سے گذری ہیں، میرا نہیں خیال کہ 11 ستمبر کے خوفناک حملوں کو کوئی روک سکتا تھا''۔ یو ایس سینٹ اور ہاؤس آف ریپریزنٹیٹو کی انٹیلی جنس کمیٹی کی مشترکہ انکوائری کی فائنل رپورٹ میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ اگرچہ اس قسم کی اطلاعات تھیں کہ یونائٹڈ سٹیٹس کے اندر حملہ ہوگا۔''ہمارا عمومی خیال یہ تھا کہ اسامہ بن لادن بیرون ملک امریکی مفادات کو نشانہ بنائے گا''۔اس سرکاری نقطۂ نظر کو ناقدین دو طرح سے چیلنج کرتے ہیں۔

کیا ان حملوں کا کسی نے پیشگی اندازہ نہیں لگایا تھا؟

حکومت کا پہلا دعویٰ یہ ہے کہ کسی کو یہ توقع نہ تھی کہ جہازوں کو بطور ہتھیار استعمال کیا جائے گا۔ محکمہ دفاع کے ایک افسر نے مبینہ طور پر کہا۔''میرا نہیں خیال کہ ہم میں سے کسی نے بھی یہ سوچا ہو کہ ایک بڑا جہاز بھی اندرونی خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے کبھی ایسا خیال کیا ہو''۔اس کے ایک سال بعد وائٹ ہاؤس کے پریس سیکرٹری ایری فلیشر نے بیان دیا۔''جب تک حملہ نہیں ہوا تھا۔ میرے خیال میں کسی نے بھی ایسا سوچا نہ تھا کہ ایسا (جہازوں سے) حملہ بھی ممکن ہو سکتا ہے''۔

ناقدین کے خیال میں حکومتی زاویہ نگاہ کے خلاف بہت سی شہادتیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر 1993ء میں پنٹاگان کے ماہرین کے ایک پینل نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ''طیاروں کو امریکہ کی قابل ذکر عمارتوں کو تباہ کرنے کے لیے بطور میزائل استعمال کیا جا سکتا ہے''۔لیکن اس خیال کو ٹیرر (Terror 2000) میں اس لیے شائع نہیں کیا گیا تھا کہ بقول رپورٹ کے ایک مرتب کے''ہمیں محکمہ دفاع نے اسے شائع کرنے سے روک دیا تھا''، لیکن بعد ازاں 1994ء میں ایک دفاعی ماہر نے اسے ایک میگزین''فیوچرسٹ'' میں ان الفاظ کے ساتھ چھاپ دیا تھا:

''ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی طرح کے ہدف نہ صرف مطلوبہ ہلاکتوں کا باعث ہو سکتے ہیں بلکہ

Marfat.com

اپنی ایک نمایاں اور مثالی حیثیت کی وجہ سے بہترین نشانہ ثابت ہو سکتے ہیں۔اپنے آپریشن کو زیادہ سے زیادہ کامیاب بنانے کے لیے دہشت گرد گروپ انہیں بیک وقت ایک سے زائد بار نشانہ بنا سکتے ہیں''۔

اسی سال چار جہاز بطور ہتھیار استعمال کرنے کے لیے اغوا کیے گئے تھے، القاعدہ سے منسلک ایک دہشت گرد گروپ کے اس منصوبے کی بڑی شہرت ہوئی تھی جس میں وہ ایک اغوا شدہ جہاز کو ایفل ٹاور (پیرس) سے ٹکرانے کا ارادہ رکھتے تھے۔1995ء میں سینٹر سام نون نے ٹائم میگزین میں چھپنے والی کور سٹوری میں ایک ایسا منظر نامہ پیش کیا تھا جس میں دہشت گرد، ریڈیو کنٹرول سے چلنے والے جہاز کو کیپٹل بلڈنگ سے ٹکراتے ہوئے دکھائے گئے تھے۔سال 1995ء ہی میں ایک بہت بڑا انکشاف ہوا تھا جس کی بہت زیادہ تشہیر بھی ہوئی تھی۔فلپائن کی پولیس نے القاعدہ کا ایک ایسا کمپیوٹر پلان پکڑا تھا، جس کو ''پراجیکٹ بوجنکا'' کا نام دیا گیا تھا اور جس کے اندر ہوائی جہازوں کو اغوا کر کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر، وائٹ ہاؤس، سی، آئی، اے ہیڈ کوارٹرز اور پنٹا گان جیسے اہداف سے ٹکرانا شامل تھا۔یہ منصوبہ جو خالد شیخ محمد کے ذہن رسا کی اختراع تھا، (جسے بعدازاں 9/11 کا ماسٹر مائنڈ قرار دیا اور جو 2003ء میں راولپنڈی سے پکڑا گیا تھا) اور اس کی معاونت رمزی یوسف نے کی تھی۔یہ منصوبہ 1996ء میں اس وقت منظر عام پر آیا تھا جب 1993ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کا مقدمہ زیر سماعت تھا۔جس کا منصوبہ ساز بھی خالد شیخ محمد ہی تھا۔رمزی یوسف کو 9/11 (1996ء) کو سزا سنائی گئی تھی۔اس طرح 9/11 (2001ء) اس واقعے کی پانچویں سالگرہ تھی۔9/11 کے تباہ کن حملوں کے بعد ایک فلپینی پولیس افسر نے کہا۔''یہ ''بوجنکا'' ہے۔ہم نے امریکنوں کو بوجنکا کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔انہوں نے ہماری باتوں پر کان کیوں نہیں دھرے؟''

سال 1999ء میں امریکہ کی نیشنل انٹیلی جنس کونسل جو صدر امریکہ اور خفیہ اداروں کو نئے خطرات کے بارے میں مشورہ دیتی ہے۔دہشت گردی کے بارے میں اپنی ایک سپیشل رپورٹ میں کہا:

''القاعدہ (1998ء) کے کروز میزائل حملوں کا ردعمل ضرور ظاہر کرے گی۔وہ قومی دارالخلافے پر کئی قسم کے دہشت گردی کے حملے کر سکتی ہے۔القاعدہ کے شہیدی دستے کے

Marfat.com

افراد دھماکہ خیز مواد سے بھرے ہوائی جہاز پنٹاگان، سی آئی، اے ہیڈکوارٹر یا وائٹ ہاؤس سے ٹکرا سکتے ہیں یا زمینی خودکش حملہ کرسکتے ہیں"۔

پنٹاگان کے بارے میں کہ اس سے کوئی اغوا شدہ جہاز ٹکرایا جاسکتا ہے۔ بچاؤ کے لیے اکتوبر 2000ء میں مشق بھی کی گئی تھی۔ لہٰذا سرکاری سطح پر یہ کہنا کہ ایسے ممکنہ حملوں کی توقع نہ تھی صریحاً جھوٹ اور غلط بیانی ہے۔

کیا حملوں کے بارے میں کوئی قطعی وارنگ موجود نہ تھی؟

حکومت کی طرف سے یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ اگرچہ ایسے حملوں کا امکان تو تھا لیکن 9/11 کے بارے میں کوئی پختہ اور قطعی وارننگ نہ تھی۔ مثلاً ایف بی آئی کے ڈائریکٹر رابرٹ ملر نے حملوں کے تین دن بعد بیان دیا۔ "میرے علم میں ایسی کوئی وارننگ نہیں تھی جو یہ ظاہر کرے کہ ہمارے ملک کے اندر ایسا آپریشن ہوسکتا ہے"۔ ایک سال کے بعد اس نے پھر دعویٰ کیا۔ "اب تک ہمیں امریکہ میں ایسا کوئی شخص نہیں ملا جس کو یہ علم ہو کہ ایسا حملہ ہوسکتا ہے ماسوائے ہائی جیکروں کے جنہوں نے یہ منصوبہ تیار کیا تھا"۔ ملر کے اس دعویٰ کی جھلک وائٹ ہاؤس اور سینٹ کی مشترکہ انٹیلی جنس کمیٹی کی اس رپورٹ میں بھی نظر آتی ہے جو اس حادثے کی تحقیقات کے لیے قائم کی گئی تھی۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے۔

"اگرچہ ہماری انٹیلی جنس نے اسامہ بن لادن اور اس کی دہشت گردانہ سرگرمیوں کے بارے میں خفیہ اطلاعات کے ڈھیر لگا رکھے تھے لیکن ان خفیہ اطلاعات میں کسی بھی معینہ طور پر حملے کی جگہ، وقت اور نوعیت کے بارے میں کوئی اطلاع موجود نہ تھی کہ انہوں نے 9/11 کے لیے کیا پلان بنا رکھا تھا"۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں خفیہ اداروں کا تمام تر زور اس بات پر تھا کہ امریکہ کے بیرونی ممالک میں مفادات پر حملوں کا امکان ہوسکتا ہے۔ یہی بات جائنٹ انکوائری کمیٹی کی رپورٹ میں کہی گئی ہے۔

لیکن حکومت کے ناقدین کا کہنا ہے کہ 11 ستمبر سے پہلے کے چند ماہ کے دوران ایسی باوثوق اطلاعات موجود تھیں جو 9/11 کے حملوں کی طرف اشارہ کرتی تھیں۔ حقیقتاً مئی

Marfat.com

واشنگٹن، اینڈریوز ایئرفورس بیس پر جدید ترین جنگی طیارے کے ساتھ

Marfat.com

2001ء میں ایسی وارننگ موجود تھیں کہ امریکہ کے اندر حملوں کا خطرہ پہلے سے کہیں زیادہ موجود ہے۔ لہٰذا خفیہ اداروں کو ان وارننگز کے بعد زیادہ چوکس اور الرٹ ہونا چاہئے تھا۔ بلکہ سی۔آئی۔اے کے ڈائریکٹر جارج ٹینٹ نے صدر کی نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر کونڈا لیزا رائس کو 28 جون کو جو رپورٹ پیش کی اس میں کہا گیا تھا۔ "یہ بہت ممکن ہے کہ القاعدہ مستقبل قریب میں کوئی تباہ کن حملہ کرے، چند ہفتوں کے اندر اندر"۔ اب اس کے علاوہ قطعی وارننگ اور کیا ہو سکتی تھی۔

مثال کے طور پر اسی سال جولائی میں طالبان حکومت کے وزیر خارجہ نے حکومت امریکہ کو انتباہ کیا تھا کہ اسامہ بن لادن امریکہ کے اندر تباہ کن حملے کرنے والا ہے جن میں ہزاروں لوگ ہلاک ہوں گے۔ اس اطلاع میں یہ اشارہ بھی کیا گیا تھا کہ شاید ان حملوں میں کمرشل ایئرلائن کے جہاز استعمال ہوں گے۔ ٹیلیویژن نیٹ ورک سی۔بی۔ایس (CBS) کی اطلاع کے مطابق اس وارننگ کے ملنے کے بعد اٹارنی جنرل جان ایشکرافٹ نے جہازوں سے سفر کرنا بند کر دیا تھا۔ اس کے باوجود "نہ تو ایف۔بی۔آئی (FBI) اور نہ ہی جسٹس ڈیپارٹمنٹ نے خطرے کے بارے میں لب کشائی کی کہ خطرہ کس کی طرف سے اور کہاں سے آ رہا ہے"۔ مئی 2002ء میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ یہ خطرہ القاعدہ کی طرف سے نہیں تھا۔ جب مزید سوالات کیے گئے تو "ایشکرافٹ، جواب دینے کے بجائے پریس کانفرنس سے واک آؤٹ کر گیا" (ایسوسی ایٹڈ پریس)

موقر اخبار "سان فرانسسکو کرانیکل" نے شکایت کی۔ "الف۔بی۔آئی نے ہوا میں خطرے کی بو سونگھ کر ایشکرافٹ کو تو ہوائی جہاز سے سفر نہ کرنے کا مشورہ دے دیا اور ہمیں حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا"۔ ٹیلیویژن CBS کے ڈان راتھر نے اس وارننگ کے بارے میں بعد ازاں سوال اٹھایا۔ "عوام کو اس سے مطلع کیوں نہیں کیا گیا؟"

اگست اور ستمبر میں مزید وارننگز آئیں۔ مراکش کا ایک ایجنٹ جس نے القاعدہ کے اندر تک رسائی حاصل کر لی تھی، اپنی رپورٹ لے کر بات چیت کے لیے خود امریکہ آیا کہ اسامہ بن لادن اس بات سے مایوس ہو کر کہ 1993 کے بم دھماکے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو زمین بوس نہیں کر سکے۔ نیویارک میں ایک بہت بڑے آپریشن کی منصوبہ بندی کر رہا ہے اور یہ آپریشن گرمیوں یا خزاں 2001ء میں کیا جائے گا۔" سی۔آئی۔اے کے ایک سابقہ ایجنٹ

Marfat.com

نے سی۔آئی۔اے کے کاؤنٹر ٹیررازم سنٹر کو مبینہ طور پر بتایا کہ اسے مشرق وسطے کے ایک شہزادے کے ملٹری ساتھی سے پتہ چلا ہے کہ ایک خصوصی نوعیت کا آپریشن امریکہ کے اندر ہونے والا ہے''۔ بہت سی وارننگز مختلف ممالک کے خفیہ اداروں کی طرف سے بھی آئی تھیں۔

مثال کے طور پر روس کے صدر پوٹن نے بعدازاں بیان دیا۔''میں نے اپنی انٹیلی جنس کو اگست میں کہا تھا کہ صدر بش کو سخت ترین الفاظ میں خبردار کر دیں کہ 25 دہشت گرد امریکہ کو حملے کا نشانہ بنانے والے ہیں۔ جس میں نہایت اہم بلڈنگیں۔ جیسے پنٹاگان بھی شامل ہیں''۔

روس کی انٹیلی جنس کے چیف نے بھی کہا۔''ہم نے پہلے ہی انہیں (امریکہ کو) صاف الفاظ میں انتباہ کر دیا تھا ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ، لیکن انہوں نے کوئی ضروری توجہ ہی نہیں دی''۔

ایسی ہی وارننگ اردن، مصر اور اسرائیل کی طرف سے بھی آئی تھیں۔ بلکہ اسرائیل کی طرف سے 9/11 سے چند روز پہلے انتباہ کیا گیا تھا کہ''اسامہ بن لادن سے تعلق رکھنے والے غالباً دو صد دہشت گرد ایک بڑے آپریشن کی تیاری کر رہے ہیں''۔

اسی عرصے میں ایک وارننگ بہت قابل ذکر تھی جو انگلینڈ کے خفیہ اداروں کی طرف سے تھی اور جو صدر کی 6 اگست کی انٹیلی جنس بریفنگ میں شامل تھی۔ اس وارننگ میں صاف طور پر کہا گیا تھا کہ''القاعدہ نے متعدد جہازوں کو اغوا کر کے امریکہ پر حملہ کا منصوبہ بنایا ہے''۔ وائٹ ہاؤس نے اس انتباہ کو خفیہ رکھا اور صدر امریکہ نے 9/11 کے بعد بار بار دعویٰ کیا کہ اسے اس قسم کی کوئی وارننگ نہیں ملی تھی، لیکن ٹی وی نیٹ ورک CBS نیوز نے برٹش انٹیلی جنس کے حوالے سے اس میمو کا انکشاف کر دیا۔ صدر کی نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر کونڈا لیزا رائس نے یہ کہہ کر اس کی اہمیت کو جھٹلانے کی کوشش کی''یہ ایک غیر واضح اور سرسری نوعیت کی رپورٹ تھی جو صرف ڈیڑھ صفحے پر مشتمل تھی''۔

اخبارات نے بتایا کہ یہ وارننگ گیارہ صفحات پر مشتمل تھی۔ صدر کے پریس سیکرٹری ایری فلیشر نے واضح الفاظ میں کہا۔''صدر کو ایسی کوئی اطلاع قطعاً نہیں ملی کہ ہائی جیکر جہازوں کو میزائل کے طور پر استعمال کریں گے''۔ چند روز بعد انگلینڈ کے مؤقر اخبار ''گارڈین'' نے رپورٹ شائع کی۔''6 اگست کی میمو نے اس بات میں شک وشبہ کی کوئی

Marfat.com

گنجائش نہیں چھوڑی تھی کہ ہائی جیکر اغوا شدہ جہازوں کو بطور میزائل استعمال کرنے کا عزم کئے ہوئے تھے اور ان کے متعین کردہ اہداف بھی امریکہ کے اندر ہی تھے"۔ امریکن انتظامیہ کی سچائی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے 6 اگست کی میمو پریس کو جاری کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس میں کوئی قابل ذکر بات ہے ہی نہیں۔ مائیکل مور نے سوال اٹھایا ہے۔ ''اگر اس میں کوئی چیز قابل ذکر ہے ہی نہیں تو اسے پریس کو جاری کرنے میں رکاوٹ کیا ہے؟'' (خیال رہے مائیکل مور۔ وہ شخص ہے جس نے اپنی حقیقت پسندانہ فلموں کی ڈائریکشن اور بہترین تصنیفات سے بین الاقوامی شہرت حاصل کی ہے)۔

بہر حال اگر یہ اطلاعات اتنی غیر اہم اور عام نوعیت کی تھیں کہ ان کی بنیاد پر ان حملوں کو روکنے کی کوشش نہیں کی جاسکتی تھی تو نہایت کار آمد اطلاعات سٹاک مارکیٹ سے بھی مل رہی تھیں۔ انٹیلی جنس ایجنسیاں سٹاک مارکیٹ پر نظر رکھتی ہیں تا کہ کسی بڑی تباہی سے بچنے کے سراغ تلاش کئے جاسکیں۔ 11 ستمبر سے صرف ایک روز پہلے ''مارگن سٹینلے ڈین وٹر'' جو ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی 22 منزلوں کی مالک کمپنی تھی، یونائٹڈ اور امریکن ایئر لائنز جن دو کمپنیوں کے جہاز اغوا اور حملوں میں استعمال ہوئے کے حصص کے بہت بھاری تعداد میں سودے ہوئے۔ ان دو ہوائی کمپنیوں کے اور صرف انہی دو کمپنیوں کے سودوں کا حجم 1200 فیصد عام دنوں سے زیادہ تھا اور یہ سب کچھ 9/11 سے پہلے تین دنوں میں ہوا۔ پٹ آپشن (Put Option) کی خرید گویا اس بات کی بیٹ BET (شرط) ہوتی ہے کہ اس کمپنی کے شیرز کی قیمتیں گرنے والی ہیں لہٰذا یہ بیٹ نہایت منافع بخش تھی۔

اخبار ''سان فرانسسکو کرانیکل'' کا کہنا ہے جب دہشت گردی کے حملوں کے نتیجے میں ان کمپنیوں کے حصص کی قیمتیں زمین بوس ہو گئیں۔ آپشن کی ویلیو کئی سو گنا بڑھ گئی۔ اس طرح کئی ملین ڈالر کا منافع کما لیا گیا۔ اگر ایک ہی گروپ نے تینوں کمپنیوں کی آپشن کی خریداری کی تھی تو اس گروپ نے یقیناً 10 ملین (ایک کروڑ ڈالر) کما لئے۔ شیرز کے یہ غیر معمولی سودے یہ شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں کہ کچھ سرمایہ کاروں کو ان حملوں کی پہلے سے ہی خبر تھی۔

ان سب پہلی وارننگز کی روشنی میں کوئی بھی انٹیلی جنس آفیسر ان غیر معمولی سودوں سے آسانی سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتا تھا کہ مستقبل قریب میں دونوں کمپنیوں امریکن اور یونائٹڈ ایئر

Marfat.com

لائنز کے جہاز امریکہ، خصوصاً ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملوں میں استعمال ہوں گے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ انٹیلی جنس آفیسرز سٹاک ایکسچینج کے ایسے سودوں پر نظر رکھتے ہیں جن میں غیر معمولی بے قاعدگی پائی جائے۔ نیوز ایجنسی یو۔ پی۔ آئی نے بھی کہا ہے کہ حکومت امریکہ کے سرمائے سے قائم شدہ ادارہ Echelon انٹیلی جنس نیٹ وارک، شیئرز کے کاروبار پر خصوصی نظر رکھتا ہے۔

اس تمام کہانی میں حیرت زدہ کرنے والی یہ بات ہے کہ یونائٹڈ ایئر لائنز کے شیئرز کی ''پٹ آپشن'' خریداری ڈوئچے بنک کے ذریعے ہوئی جس کا 1998ء تک منیجر اے بی بزی کرونگارڈ تھا جسے صدر بش نے مارچ 2001ء میں CIA کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر کے عہدے پر تعینات کر دیا تھا، جو اس طرف اشارہ ہے کہ اندرون خانہ کچھ ''باخبر'' لوگ ٹریڈنگ میں مصروف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹھگنی مارتھا سٹورٹ اپنے قد کاٹھ اور اہمیت میں بہت اونچی نکل گئی۔

ناقدین کے کہنے کے مطابق مزید قطعی یقینی اطلاعات برقی آلات کے ذریعے پکڑے جانے والے پیغامات سے مل رہی تھیں۔ 9/11 سے فوراً پہلے مبینہ طور پر ایف۔ بی۔ آئی نے ایک پیغام پکڑا تھا۔ ''ایک عظیم الشان واقعہ ہونے والا ہے۔ اس کی قیمت چکانا پڑے گی''۔

9 ستمبر کو مبینہ طور پر ایک غیر ملکی خفیہ ادارے نے اسامہ بن لادن کا اپنی والدہ کے نام پیغام پکڑا اور امریکن خفیہ اداروں کو اس پیغام سے آگاہ کیا۔ اسامہ نے اپنی والدہ سے کہا۔ ''دو دن کے اندر آپ ایک بہت بڑی خبر سنیں گی، لیکن چند روز تک میری آپ سے بات نہیں ہو سکے گی' اور اگلے روز 10 ستمبر کو یو۔ ایس۔ انٹیلی جنس نے القاعدہ کے ممبران کی آپس کی گفتگو برقی آلات کے ذریعے پکڑی۔

''کل کا دن ہمارے لیے بڑا عظیم دن ہوگا''۔ اسی طرح ایک پیغام ''نیشنل سکیورٹی ایجنسی'' (NSA) نے موسم گرما کے دوران محمد عطا اور خالد شیخ محمد کے درمیان، جو ''پراجیکٹ بوجنکا'' کا اصل معمار خیال کیا جاتا ہے، پکڑا تھا۔ یہی خالد شیخ محمد 1993ء کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے اور امریکہ کے تباہ کن جہاز یو۔ ایس۔ ایس کول کی تباہی کا ماسٹر مائنڈ مانا جاتا ہے۔ 10 ستمبر کو پکڑے جانے والے پیغام کے مطابق عطا نے محمد سے 9/11 کے حملے

Marfat.com

کی آخری منظوری حاصل کی اخبار ''انڈیپنڈنٹ'' میں 15 ستمبر 2002ء کو چھپنے والی ایک سٹوری کے مطابق اس آخری پیغام کا ترجمہ کب کیا گیا؟ کچھ نہیں بتایا گیا۔ جب یو۔ ایس۔ انٹیلی جنس کو جون 2001ء میں پتہ چل گیا تھا کہ خالد شیخ محمد دہشت گردوں کو امریکہ بھیجنے میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اس کے پکڑے گئے پیغام کے ترجمے کو بہت زیادہ ترجیح دی جانی چاہیے تھی۔

یو۔ ایس انٹیلی جنس ایجنسیوں نے بعد میں دعویٰ کیا کہ 9/11 سے دو روز پہلے پکڑے جانے والے پیغامات کا حملے کے بعد ترجمہ کیا گیا تھا۔ اس دعویٰ کے بارے میں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ بقول سینٹر اورن ہیچ یو۔ ایس انٹیلی جنس نے اسامہ کے دو پیروکاروں کو کامیاب حملوں پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے سنا تھا۔ 12 ستمبر کو سیکرٹری دفاع رمزفیلڈ نے ہیچ کے بیان پر، پریس بریفنگ میں نہایت برہمی اور ناراضگی کا اظہار کیا کہ ہیچ نے خفیہ راز فاش کر کے خیانت مجرمانہ کا رتکاب کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی انکشاف کیا کہ پیغامات کو برقی آلات کے ذریعے مانیٹر کیا جاتا رہا ہے۔ یہ خیال کہ اہم اطلاع نہ صرف 10 ستمبر کو مل گئی تھی بلکہ اسی روز اس کا ترجمہ بھی کر لیا گیا تھا کیونکہ ''نیوز ویک'' کی رپورٹ کے مطابق اسی روز (10 ستمبر) کو پنٹاگان کے اعلیٰ افسران کے ایک گروپ نے اپنے اگلے روز کے تمام سفری پلان منسوخ کر دیئے تھے۔ جو غالباً سکیورٹی کے خطرات کی بنا پر ہی کئے گئے تھے۔

اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جائنٹ انکوائری کمیٹی کی فائنل رپورٹ جس میں کہا گیا تھا کہ ''انٹیلی جنس کمیونٹی کے پاس ستمبر 11 کے بارے میں کوئی ایسی پختہ اطلاع نہیں تھی کہ کس وقت کس جگہ اور کس نوعیت کے حملے کا 9/11 کو دہشت گردوں کی طرف سے منصوبہ بنایا گیا ہے''۔ بظاہر جائنٹ انکوائری کمیٹی نے اپنے اخذ کردہ نتائج کو اس اطلاع سے مماثل بنانے کی کوشش کی ہے جس میں کہا گیا تھا کہ '' 8 ستمبر اور 10 ستمبر کے عرصے کے دوران نیشنل سکیورٹی ایجنسی (NSA) نے جتنے پیغامات پکڑے تھے۔ 9/11 تک نہ تو ان کا ترجمہ کیا گیا تھا نہ تجزیہ اور تشہیر۔ حالانکہ ان اطلاعات اور پیغامات سے دہشت گردوں کی سرگرمیوں کے کچھ اشارے ملتے تھے'' یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ سب کچھ صرف NSA کے ملازمین کے بیانات حلفی پر درست تسلیم کر لیا گیا اور جائنٹ انکوائری کمیٹی نے یہ

Marfat.com

جاننے کی قطعاً کوشش نہیں کہ 10 ستمبر کو "پنٹاگان کے اعلیٰ افسران کے گروپ نے اچانک اپنی اگلی صبح کے ٹریول پلان کیوں کینسل کر دیئے تھے؟" اور نہ یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس کی NSA نے 8 اور 10 ستمبر کے درمیان جو اہم نوعیت کے پیغامات پکڑے، ان کا ترجمہ اور تجزیہ فوراً کیوں نہیں کیا گیا؟ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو یہ بات قابل یقین نہیں لگتی۔

کونڈا لیزا رائس کا یہ کہنا کہ امریکن حکام کے پاس کوئی پختہ اطلاع نہیں تھی۔ "بالکل غلط ہے"۔ مائیکل چوسودوسکی کا اس سوال پر کہ آیا بش انتظامیہ کے کچھ اعلیٰ حکام کو ان حملوں کی پہلے سے خبر تھی؟ جواب ہے "یقیناً تھی" پھر وہ اضافہ کرتا ہے۔ "امریکہ کے لوگوں کو جان بوجھ کر اصل حقائق سے اندھیرے میں رکھ کر اور جھوٹ بول کر دھوکا دیا جا رہا ہے"۔

حکومتی نقطہ نظر کے مخالفین اور ناقدین نے یقیناً اوپر بیان کردہ نتائج کی تائید کر دی ہے اور اپنے دلائل کے ثبوت پیش کر دیئے ہیں۔

اعلیٰ سرکاری حکام کے اس سازش میں ملوث ہونے کا معاملہ اور بھی خصوصی اہمیت اختیار کر لیتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے جان بوجھ کر تحقیقات کی راہ میں روڑے اٹکائے تاکہ سازش کے اصل حقائق منظر عام پر نہ آ سکیں۔

Marfat.com

کیا امریکن حکام نے 9/11 سے پہلے تحقیقات میں روڑے اٹکائے؟

جب کچھ ایسی وارننگز جن کا پچھلے باب میں تذکرہ کیا گیا ہے، منظر عام پر آ گئیں (اور پریس میں شائع ہو گئیں) تو یو ایس حکام نے ان کی اہمیت کو اس دعویٰ کے ساتھ کم کرنے کی کوشش کی کہ ہر وقت اتنی زیادہ خفیہ اطلاعات موصول ہوتی رہتی ہیں کہ یہ تعین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ درست اور حقیقی نوعیت کی ''انٹیلی جنس'' کون سی ہیں اور محض افواہوں پر مبنی کون سی ہیں سچی کون سی ہیں غیر اہم کون سی۔ 9/11 کی عظیم تباہی کے بعد، ان کے نقطۂ نظر کے مطابق، ان چند اطلاعات کو لے کر یہ دعویٰ کرنا کہ امریکن حکام کو اس تباہی کو روکنے کے قابل ہونا چاہئے تھے، بڑی زیادتی کی بات ہے اگر ہم گذشتہ باب میں زیر بحث آمدہ اطلاعات کو نظر انداز بھی کر دیں، ناقدین کے خیال میں گورنمنٹ کے خفیہ اداروں نے جان بوجھ کر القاعدہ اور اس سے جڑے ہوئے افراد کے بارے میں کھوج لگانے کی کوشش نہیں کی، اور ان کا دعویٰ ہے کہ ایسی کوئی اطلاعات موجود ہی نہیں تھیں۔

اسامہ اور القاعدہ کے تعاقب میں عدم دلچسپی

ناقدین کے کہنے کے مطابق 9/11 کے بارے میں سرکاری کہانی میں اس وجہ سے بھی شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں کہ اسامہ بن لادن کو قتل کرنے یا زندہ پکڑنے کے بارے میں مواقع ملنے کے باوجود حکومت نے کوئی کوشش نہیں کی۔ اگر کوئی نیم دلانہ کوشش کی

Marfat.com

بھی تو ناکامی سے دوچار ہوئے۔ ہم یہاں مختصراً ان چند ضمنی واقعات کا ذکر کریں گے جن کی کھوج احمد اور تھامپسن نے لگائی ہے۔

دسمبر 1998ء میں سی۔آئی۔اے کے ڈائریکٹر جارج ٹینٹ نے اپنے خفیہ اداروں کو ایک مختصر نامہ جاری کیا جس میں کہا گیا تھا۔ ''ہم حالت جنگ میں ہیں''۔ مزید کہا۔ ''میں چاہتا ہوں اس سلسلے میں تمام وسائل اور شخصیات اپنی بہترین صلاحیتیں بروئے کار لائیں، خواہ ان کا تعلق سی۔آئی۔اے سے ہو یا دوسرے خفیہ اداروں سے''۔ بعد میں کانگریس کی جائنٹ انکوائری کمیٹی کو معلوم ہوا کہ اس کام کے لیے نہ تو کوئی بجٹ مختص کیا گیا تھا نہ افراد اور کچھ ایف۔بی۔آئی ایجنٹوں کو تو اس سرکلر کا علم تک نہ تھا۔

اکتوبر 2000ء میں امریکی تباہ کن جہاز ''یو۔ایس۔ایس کول'' کی عدن کی بندرگاہ پر تباہی کے بعد، دسمبر 2000ء میں کاؤنٹر ٹیررازم کے ماہر رچرڈ کلارک نے القاعدہ کو ختم کرنے کے بارے میں اپنا ایک منصوبہ پیش کیا۔ کلارک کے منصوبے کی سب سے اہم بات ایک ڈرامائی خفیہ کارروائی کے ذریعے افغانستان کے اندر اسامہ کی جائے پناہ کو تباہ کرنا تھا۔ کلنٹن انتظامیہ نے اس خیال سے کہ چند ہفتوں میں اقتدار بش انتظامیہ کو منتقل ہونے والا ہے۔ یہ منصوبہ بھی نئی گورنمنٹ کے لیے چھوڑ دیا۔ تاہم جنوری میں بش انتظامیہ نے یہ منصوبہ رد کر دیا اور اس پر کوئی کارروائی نہیں کی۔

ٹیلیویژن نیٹ ورک اے۔بی۔سی نیوز کی نشر کردہ ایک کہانی کے مطابق ڈیفنس انٹیلی جنس ایجنسی (DIA) کی ایک ایجنٹ جولی سرز نے اس مقصد کے لیے 2001 میں دو دفعہ افغانستان کا (خفیہ) سفر کیا۔ پہلی دفعہ اس نے شمالی اتحاد کے لیڈر احمد شاہ مسعود سے ملاقات کی۔ دوسری دفعہ جب وہ افغانستان سے لوٹی تو بقول اس کے وہ معلومات کا خزانہ ہمراہ لے کر آئی، جس میں یہ اطلاع بھی شامل تھی کہ بن لادن، مسعود کے قتل کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ (مسعود کو واقعی 9 ستمبر 2001ء کو ہلاک کر دیا گیا) لیکن افغانستان سے امریکہ واپسی پر جولی کی ملاقات ائیر پورٹ پر ایک سکیورٹی آفیسر سے ہوئی جس نے اس کا تمام میٹریل ضبط کر لیا۔ بعد میں DIA اور FBI نے اس کے خلاف تحقیقات شروع کر دی۔ اس کے کہنے مطابق افغانستان سے حاصل کردہ معلومات کے بارے میں اعلیٰ حکام کوئی بات سننے کے لیے تیار ہی نہ تھے۔ آخر میں اس کی سکیورٹی کلیرنس واپس لے لی گئی اور اس نے

Marfat.com

DIA سے استعفیٰ دے دیا۔

مارچ 2001ء میں اقوام متحدہ میں روس کے مستقل مشن نے خفیہ طور پر غیر معمولی تفصیلی رپورٹ یو۔این سکیورٹی کونسل میں پیش کی جس میں بن لادن کی سرگرمیوں، ٹھکانوں، اڈوں، اس کے حکومتی رابطوں، غیر ممالک میں اس کے معاونین کی تفصیل۔ غرضیکہ ایسی مصدمہ اطلاعات کہ اسے بآسانی ہلاک کیا جاسکے، لیکن بش انتظامیہ نے کوئی کارروائی نہیں کی۔

جین کے انٹیلی جنس ریویو کے ایڈیٹر ایلس سٹینڈش نے بعدازاں یہ نتیجہ اخذ کیا کہ 9/11 کے حملے انٹیلی جنس کی ناکامی کا نتیجہ نہ تھے۔ بلکہ سیاسی مفادات کا نتیجہ تھے کہ بن لادن کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے (تاکہ حملوں کے نتیجے میں سیاسی مفادات حاصل کئے جاسکیں: مترجم)

2001ء کے موسم گرما تک امریکہ کے لیے اسامہ بن لادن (Most Wanted Criminal) سب سے بڑا اشتہاری مجرم تھا۔ جس کو پکڑنے کے لیے 50 لاکھ ڈالر کا انعام مقرر تھا۔ امریکن حکومت نے غالباً اسے ہلاک کرنے کی کوشش بھی کی۔ اس کے باوجود یورپ کے باوقار اور موقر اخبارات کے مطابق اسامہ نے دو ہفتے دوبئی کے امریکن ہسپتال میں زیر علاج رہ کر گزارے۔ امریکن سرجن ڈاکٹر ٹیری کال اوے نے نہ صرف اُس کا علاج معالجہ کیا بلکہ سعودی عرب کی انٹیلی جنس ایجنسی کے سربراہ نے اس کی تیمارداری کی بلکہ 12 جولائی کو سی۔آئی۔اے کے مقامی ایجنٹ لیری مچل نے بھی اس سے ملاقات کی۔ اگرچہ ان رپورٹوں کی سی۔آئی۔اے ہسپتال اور خود بن لادن نے تردید کردی تھی، لیکن ڈاکٹر کال اوے نے کسی قسم کے تبصرے سے انکار کردیا، لیکن جن نیوز ایجنسیوں نے یہ رپورٹیں جاری کی تھیں۔ وہ اپنے اپنے مؤقف پر قائم رہیں۔

تھامپسن کے مطابق "یہ دھماکہ خیز کہانی" یورپ میں بہت زیادہ رپورٹ ہوتی رہی، لیکن امریکہ میں شاذونادر ہی کہیں شائع ہوئی۔ جب یہ کہانی جو جونومبر میں بہت زیادہ پھیل گئی تو سیکرٹری ڈیفنس رمسفیلڈ کے یہ ریمارکس بیان کئے گئے ہیں۔

"بن لادن کی تلاش کا کام ایسے ہی ہے جیسے گھاس کے ڈھیر میں سوئی تلاش کرنا"۔

جو سودوسکی کا کہنا ہے۔" لیکن امریکہ جولائی میں اس کی گرفتاری اور دوبئی سے ملک بدری

Marfat.com

کر کے امریکہ لانے کا حکم دے سکتا تھا، لیکن پھر ان کو جنگ شروع کرنے کے لیے بہانہ کیسے ہاتھ آتا؟

بش، بن لادن اور سعودی شاہی خاندان کے خفیہ تعلقات

سرکاری کہانی کے خلاف ناقدین نے جو ایک تکلیف دہ اور چبھتا ہوا سوال اٹھایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بش انتظامیہ اسامہ بن لادن اور سعودی شاہی خاندان کے درمیان تعلقات کی نوعیت وہ نہیں ہے، جو بظاہر عوام کو دکھائی جاتی ہے۔ اس شک وشبہ کے لیے کئی بنیادیں موجود ہیں۔ اول، بن لادن فیملی، جو سعودیہ کی امیر ترین اور نہایت بااثر فیملی ہے اور بش فیملی کے درمیان 20 سال پرانے کاروباری تعلقات ہیں۔ دوم، اگرچہ اسامہ بن لادن کو اس کی فیملی نے اس کی دہشت گردانہ سرگرمیوں کی بناء پر عاق کردیا ہوا ہے تاکہ ''برے بن لادن'' اور ''اچھے بن لادن'' میں تمیز پیدا کی جاسکے، لیکن اس بات کے ٹھوس ثبوت موجود ہیں کہ اسامہ کے اپنے خاندان سے قریبی تعلقات ہیں۔ سوئم، اس بات کے ثبوت موجود ہیں کہ اسامہ کو امریکہ کے قریبی حلیف اور دوست سعودی عرب سے خفیہ امداد پہنچ رہی ہے۔ شک وشبہ کی چوتھی بنیاد یہ ثبوت ہے کہ حکومت امریکہ نے سعودی حکومت کے تعاون سے 9/11 کے فوراً بعد بن لادن فیملی کو امریکہ سے نکلنے میں امداد ومعاونت کی۔ حتیٰ کہ امریکی فضائی حدود میں جہازوں کے اڑنے پر لگی پابندی کے باوجود بن لادن فیملی کے جیٹ جہازوں کو اڑنے کی اجازت دی گئی۔ شکوک وشبہات کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ جب جائنٹ انکوائری کمیٹی کی فائنل رپورٹ 9/11 کے بارے میں 2003 میں جاری کی گئی تو بش انتظامیہ نے، ہاؤس اینڈ انٹیلی جنس کمیٹی کی رپورٹ کے 28 صفحات، جن میں صرف سعودی عرب کے کردار کا ذکر تھا، کی اشاعت روکنے کا حکم دیا۔ (اور وہ صفحات رپورٹ میں سے حذف کردیئے گئے) اور آخری یہ کہ زیادہ تر ہائی جیکر سعودی باشندے تھے۔

سعودی حکومت، اسامہ بن لادن اور القاعدہ کے خفیہ گٹھ جوڑ کی تائید بعض دیگر ذرائع سے بھی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر 22 اگست 2002 میں جان اونیل نے جو امریکن حکومت کا انتہائی تجربہ کار کونٹر ٹیررزم ایکسپرٹ اور اسامہ بن لادن اور القاعدہ کے دہشت

Marfat.com

گردی کے منصوبوں کے سراغ لگانے میں ماہر تھا، نے ایف۔ بی۔ آئی سے اس بنیاد پر استعفیٰ دے دیا کہ القاعدہ کے متعلق اس کی تحقیقات کے راستے میں مسلسل روڑے اٹکائے جا رہے تھے۔ اونیل۔ جو ایف۔ بی۔ آئی کا اعلیٰ پائے کا افسر تھا، گذشتہ ماہ پھٹ پڑا کہ وائٹ ہاؤس کی طرف سے اس کی تحقیقات کے راستے میں مسلسل رکاوٹیں کھڑی کی جا رہی تھیں۔ اس نے کہا۔ ''القاعدہ کے بارے میں میری تحقیقات کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ امریکہ کے آئل کے اداروں کے بزنس کے مفادات اور اس سلسلے میں سعودیوں کا کردار تھا۔ اس نے مزید کہا۔ ''تمام سوالات کے جواب اور اسامہ بن لادن کی تنظیم کو زک پہنچانے کی بنیاد سعودی عرب میں ہے''۔ اونیل کی تحقیقات کا نچوڑ، احمد کا تبصرہ اور (پاکستانی نژاد) طارق علی جس نے لکھا۔ ''اسامہ اور اس کا گروہ اس اوکٹوپس کی مونچھیں ہیں جس کا سر سعودی عرب میں امریکن افواج کی حفاظت میں ہے''۔

سعودیوں کے خلاف سنجیدگی سے تحقیقات پر زور گیرالڈ پوسنر نے بھی دیا ہے۔ جو اکثر 9/11 حکومتی نقطۂ نظر کا حامی ہے۔ ان اطلاعات کی بنیاد پر جو بیک وقت دو مختلف لیکن آزاد حکومتی ذرائع سے حاصل ہوئی ہیں اور جو معلومات سعودی شہری ابوزبیدہ، جو القاعدہ کا اعلیٰ عہدہ دار ہے اور جو پاکستان میں مارچ 2002 میں پکڑا گیا تھا، سے ملی ہیں، سعودی عرب کے خلاف تحقیقات کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہیں۔ ابوزبیدہ سے پوچھ گچھ دو ایسے امریکن عرب ایجنٹوں نے جنہوں نے اپنے آپ کو سعودی باشندے ظاہر کیا تھا، ملزم کو تھیو پینٹل سوڈیم نشے کے زیر اثر لا کر کی تھی۔ کیونکہ اس نشے کے زیر اثر ابوزبیدہ کھل کر بات کرنے لگا تھا۔

اپنے آپ کو بچانے کی خاطر ابوزبیدہ نے دعویٰ کیا تھا کہ القاعدہ کے سینئر رکن کی حیثیت سے وہ اعلیٰ سعودی حکام کے زیر ہدایت کام کرتا تھا۔ اپنے دعویٰ کی تائید میں ابوزبیدہ نے پوچھ گچھ کرنے والوں سے کہا تھا کہ وہ شاہ فہد کے چچازاد بھائی پرنس احمد بن سلطان بن عبدالعزیز سے رابطہ کر کے تصدیق کر سکتے ہیں (احمد بن سلطان ایک بہت بڑے اشاعتی ادارے کا چیئرمین اور تھروگ بریڈ نامی ادارے کا بانی ہے جس نے کینٹکی ڈربی جیتنے والا وار ایمبلم جیسا گھوڑا پیدا کیا تھا۔) زبیدہ نے تحقیقات کنندگان کو پرنس احمد کا فون نمبر تک دیا تھا۔ جب تفتیشیوں نے خیال ظاہر کیا کہ 9/11 نے حالات تبدیل کر دیے ہیں اور اب

Marfat.com

پرنس احمد، زبیدہ کی بات کو درست تسلیم نہیں کرے گا، جواب میں زبیدہ نے کہا۔ ''کچھ بھی تبدیل نہیں ہوا''۔ کیونکہ پرنس احمد کو پیشگی علم تھا کہ امریکہ پر 9/11 کو حملہ ہوگا''۔ زبیدہ نے اپنی یادداشت سے شاہ فہد کے دو مزید رشتہ داروں کے فون نمبر بھی تفتیشیوں کو دیئے جن میں سے ایک پرنس سلطان بن فیصل بن ترکی السعود اور دوسرے پرنس فہد بن ترکی بن سعود الکبیر شامل ہیں۔

چار مہینے کے اندر پوسنر کو یقین ہوگیا کہ ابوزبیدہ کا بیان درست تھا۔ صرف آٹھ دن کے وقفے سے وہ تینوں شہزادے جن کا زبیدہ نے ذکر کیا تھا، ہلاک ہوگئے۔ 22 جولائی کو پرنس احمد، جس کی عمر صرف 47 سال تھی۔ دل کے دورے سے وفات پا گیا۔ اگلے روز پرنس سلطان بن فیصل جس کی عمر 41 سال تھی، کار کے حادثے میں مارا گیا اور ایک ہفتہ بعد پرنس فہد بن ترکی، جس کی عمر 21 سال تھی۔ ''پیاس سے مر گیا''۔

زبیدہ نے یہ بھی بتایا کہ وہ ایسے بہت سے اجلاسوں کا عینی شاہد ہے جو اسامہ بن لادن اور سعودی حکومت کے انٹیلی جنس چیف پرنس ترکی بن فیصل کے درمیان ہوئے۔ ایسی ایک میٹنگ متذکرہ دونوں افراد کے درمیان 1998ء میں قندھار میں ہوئی تھی، جس میں پرنس ترکی نے وعدہ کیا تھا کہ سعودی حکومت، طالبان کی امداد جاری رکھے گی اور طالبان حکومت سے اسامہ کو ملک بدر کرنے کا مطالبہ نہیں کرے گی، جب تک کہ القاعدہ، سعودی حکومت کے خلاف حملہ نہ کرنے کے وعدے پر قائم رہے گی، لیکن پرنس ترکی، جنہیں 9/11 سے دس روز پہلے سعودی انٹیلی جنس چیف کے عہدے سے الگ کر دیا گیا تھا اور جسے بعدازاں انگلینڈ میں سعودی حکومت کا سفیر مقرر کر دیا گیا تھا، ابوزبیدہ کے بیان سے پہنچنے والے نقصان سے محفوظ رہا۔

مندرجہ بالا حقائق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اسامہ بن لادن کو پکڑنے میں ناکامی سے سعودی شاہی خاندان، بن لادن فیملی اور بش انتظامیہ کے آپس کے گہرے (تجارتی) روابط نہایت اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ دو امریکی انٹیلی جنس ایجنٹوں جارج پلاسٹ اور ڈیوڈ پلسٹر کی ایک کہانی کے مطابق۔ ''ہمیں سیاسی وجودہ کی بنا، پر بن لادن فیملی کے معاملات کی تحقیقات سے روکا جاتا رہا''۔ انہوں نے شکایت کی کہ بش ایڈمنسٹریشن کے برسر اقتدار آنے کے بعد تو ہمیں صاف طور پر کہہ دیا گیا۔

Marfat.com

"بن لادن فیملی اور سعودی شاہی خاندان کے بارے میں تحقیقات سے ہاتھ کھینچ لیا جائے"۔ بعد میں اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے پلاسٹ نے کہا۔ "بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ ہماری انٹیلی جنس پرل ہاربر کے حادثے کے بعد سب سے زیادہ ناکامی سے دو چار ہوئی، لیکن اب ہمیں پتہ چل رہا ہے کہ یہ انٹیلی جنس کی ناکامی نہ تھی، بلکہ ناکامی کا حکم تھا۔ ایک اور انٹیلی جنس ایجنٹ نے تبصرہ کیا۔ "بن لادن فیملی کے بارے میں بہت زیادہ تحقیقاتی مواد موجود تھا۔ جسے نہایت "احسن" طریقے سے ختم کر دیا گیا"۔

یہ صرف بن لادن اور اس کے خاندان کے بارے میں تحقیقات نہ تھی، جس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ احمد اور تھامپسن نے ایسی بہت سی مثالیں دی ہیں کہ جن میں تحقیقات میں یا تو رکاوٹیں کھڑی کی گئیں یا سرے سے تحقیقات شروع ہی نہ کی گئیں انہی تحقیقات کی مناسبت سے جائنٹ تحقیقاتی کمیٹی نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ 9/11 کے حملے انٹیلی جنس کی ناکامی کا نتیجہ تھے جو ایک نہایت قابل افسوس مگر سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ جائنٹ انکوائری کمیٹی نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کے پاس اس سے بہت زیادہ اطلاعات اور تنبیہات موجود تھیں، جن کا وہ اقرار کرتی ہیں، لیکن کمیٹی نے انٹیلی جنس ایجنسیوں کو محض اس بات پر بری الذمہ قرار دے دیا کہ ان لوگوں پر کام کا بہت زیادہ بوجھ تھا۔ آئندہ بیان کئے جانے والے کیسوں میں فیلڈ ایجنٹس پر کام کا اتنا بوجھ نہ تھا۔ جتنا کہ ان کی رپورٹوں کو درخور اعتنا، نہ سمجھا گیا یا عموماً نظر انداز کر دیا گیا۔

ایف، بی، آئی ایجنٹ کی رپورٹ سے اغماض

10 جولائی 2001 کو فونیکس میں موجود ایف۔ بی۔ آئی کے ایجنٹ کین ولیم نے اپنے ہیڈ کوارٹر میں واقع کونٹر ٹیررزم ڈویژن کو ایک ایسی اطلاع بھیجی، جس کی اب کافی شہرت ہو چکی ہے، جس میں مڈل ایسٹ سے متعلقہ افراد کے ایک گروہ کی مشتبہ حرکات و سکنات کی اطلاع دی گئی تھی، جو جہاز اڑانے کی ٹریننگ لے رہے تھے۔ ولیم نے ان کے خلاف اپنی تحقیقات کا آغاز 2000ء میں کیا تھا، لیکن 2001ء کے شروع میں اسے آتشزنی کے کیس کی تحقیقات پر لگا دیا گیا تھا۔ 9/11 کے حادثے کے بعد فونیکس کے ایک ریٹائرڈ

Marfat.com

ایف۔بی۔آئی ایجنٹ نے ڈائریکٹر جنرل کو لکھا تھا۔ "تم نے دہشت گردی کے ایک ماہر ایجنٹ کو اٹھا کر آتشزدگی کی تحقیقات پر کیوں مامور کر دیا؟" چنانچہ ولیم کو واپس اس کے دہشت گردی کے شعبے میں بھیج دیا گیا تھا اور اسے فلائٹ سکول میں واپس آئے ہوئے ابھی ایک ماہ ہی گذرا تھا جبکہ اس نے متذکرہ اطلاع بھیجی تھی۔ اس نے شبہ کا اظہار کیا تھا کہ بن لادن کے پیروکار دہشت گردی کے مقصد کے لیے ٹریننگ لے رہے ہیں اور سفارش کی تھی فلائٹ سکول کے سٹوڈنٹس پر نظر رکھنے کے لیے قومی سطح پر ایف۔بی۔آئی کے ہیڈکوارٹر میں ایک پروگرام ترتیب دیا جائے لیکن اس کی تجویز کو ہیڈکوارٹر میں درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا تھا اور ایسا کوئی پروگرام ترتیب نہیں دیا گیا تھا۔

برمنگھم یو کے۔ سعید کے گھر کے سامنے

Marfat.com

ایف۔بی۔آئی منی پولس کے
راستے میں روڑے اٹکانا

اگست 2001 کے وسط میں منی پولس کے ایک فلائٹ سکول کے سٹاف نے وہاں واقع ایف۔بی۔آئی کے مقامی دفتر کو اطلاع دی اور شبہ ظاہر کیا کہ ذکریا موسوی، جس نے بوئنگ 747 نقلی ماڈل پر ٹریننگ کے لیے ادائیگی کی تھی، وہ اصلی بوئنگ 747 کو بطور ہتھیار استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ جب منی پولس کے ایف۔بی۔آئی ایجنٹس نے موسوی کو گرفتار کر لیا اور اس کے بارے میں کئی مشتبہ چیزیں برآمد کر لیں تو انہوں نے اپنے ہیڈ کوارٹر کو موسوی کے "لیپ ٹاپ کمپیوٹر" اور دوسرے ساز وسامان کی تلاشی لینے کے لیے تلاشی کا وارنٹ جاری کرنے کی درخواست کی، لیکن ہیڈ کوارٹر نے اس امر کے باوجود کہ انہیں فرانس سے موسوی کے بارے میں اضافی اطلاعات موصول ہو چکی تھیں جن سے فرانسیسی حکام کے مطابق، موسوی ایک خطرہ تھا، ایف۔بی۔آئی حکام نے یہ کہہ کر منی پولس ایجنٹس کی درخواست برائے کمپیوٹر سرچ وارنٹ رد کر دی کہ ان کی مہیا کردہ اطلاعات ناکافی اور مشکوک ہیں، لیکن منی پولس کے ایجنٹ، جو فرانسیسی حکام کی بھیجی ہوئی رپورٹیں دیکھ چکے تھے، اپنے ہیڈ کوارٹر کے رویئے پر پاگل ہو رہے تھے۔ ایک ایجنٹ نے تو صاف طور پر اس شبہ کا اظہار کر دیا تھا کہ موسوی کوئی "چیز" اڑا کر ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرا دے گا"۔

اپنے ہیڈ کوارٹر کے رویئے سے مایوس ہو کر منی پولس کے ایجنٹس نے موسوی کے کمپیوٹر کی تلاشی لینے کے لیے فارن انٹیلی جنس سرویلنس ایکٹ کے تحت درخواست بھیجی۔ ان کی اس ایکٹ کے تحت ماضی میں تمام درخواستیں منظور ہوتی رہی تھیں لہٰذا انہیں یقین تھا

Marfat.com

برمنگھم یو کے۔مصنف اپنی اہلیہ مرحومہ کے ساتھ

برمنگھم یو کے۔سعید، ولید، دانیال اور انیلا

Marfat.com

کہ ان کی یہ درخواست بھی منظور ہو جائے گی۔

ہیڈ کوارٹر میں منی پولس ایجنٹس کی درخواست ریڈیکل فنڈ امینٹلسٹ یونٹ کے حوالے کر دی گئی۔ اس یونٹ کے ایک ایجنٹ نے منی پولس ایف۔ بی۔ آئی کے سپروائزر پر اس بات پر لعن طعن کی کہ وہ موسوی کے معاملے کو بہت بڑھا چڑھا کر اور سنسنی خیز انداز میں پیش کر رہا ہے، لیکن منی پولس کے سپروائزر کے علم میں فونیکس سے آنے والی کین ولیم کی رپورٹ کا کوئی ذکر نہیں کیا جو اس یونٹ میں پہلے سے آ چکی تھی۔ پھر منی پولس کی درخواست (RFU) کے ایجنٹ مارین ''سپائیک'' بومین کے سپرد کر دی گئی (سپائیک، تیز نوک والی میخ یا کیل) جس نے اپنے عرفی نام کی لاج رکھی اور کھوج لگا لیا کہ موسوی کا ایک چیچن باغی گروپ کے ذریعے ''القاعدہ'' سے تعلق ہے۔ اس شہادت کے باوجود ایف۔ بی۔ آئی کے ڈپٹی جنرل کونسل نے یہ کہہ کر درخواست رد کر دی کہ موسوی کے ''القاعدہ'' سے تعلق کے بارے میں شہادت، تلاشی کا وارنٹ جاری کرنے کے لیے ناکافی ہے۔ لہٰذا اس نے یہ درخواست حکومت کو بھیجنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔ منی پولس دفتر کے افسرِ قانون کو لین رولی نے پوچھا۔ ''ایف۔ بی۔ آئی کا ایک ایجنٹ کیس کا ستیاناس کیوں مار رہا ہے؟'' منی پولس کے دوسرے ایجنٹوں نے مذاق میں کہنا شروع کر دیا۔ ''ہیڈ کوارٹر میں بیٹھ کر جو ایجنٹ اس کیس کے راستے میں روڑے اٹکا رہا ہے۔ وہ یا تو جاسوس ہے یا فوجی چھچھوندر یا اسامہ بن لادن کے لیے کام کر رہے ہیں''۔ تاہم ایک ایجنٹ نے یہ نتیجہ اخذ کیا۔ ''ہیڈ کوارٹر ہماری ناکامی کے لیے راستہ ہموار کر رہا ہے''۔

یہ بات دلچسپی کا باعث ہے کہ جائنٹ انکوائری کمیٹی نے اپنی فائنل رپورٹ میں کیا نتیجہ اخذ کیا۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے۔ ''ایف۔ بی۔ آئی ہیڈ کوارٹر کے حکام بشمول ''ریڈیکل فنڈا امینٹلسٹ یونٹ'' اور ''نیشنل سیکیورٹی لاء یونٹ'' منی پولس کے ایجنٹوں نے فیسا قانون کے تحت احکام جاری کرانے کے طریق کار کو غلط سمجھا اور خیال کیا کہ فیسا قانون سرچ وارنٹ جاری کرانے کا کام صبر آزما، طویل اور ٹیڑھا عمل ہے لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام عمل میں کہیں بھی کوئی سازش کارفرما نہیں تھی، صرف غلط فہمیاں ہی غلط فہمیاں تھیں۔ یہ رپورٹ کو لین رولی کی چشم کشا میمو کے کئی ماہ بعد منظر عام پر آئی تھی۔ لہٰذا یہ بات حیران کن ہے کہ جائنٹ انکوائری کمیٹی نے یہ نتیجہ کیسے نکالا کہ منی پولس کے ایجنٹ بھی

Marfat.com

شش و پنج میں مبتلا تھے۔

تاہم منی پولس میں ایف۔ بی۔ آئی کے ایجنٹ موسوی کے کمپیوٹر اور دیگر اشیاء کو 9/11 حملوں سے پہلے چیک کرنے کے قابل نہ ہو سکے۔ موسوی کی تلاشی کے بعد ایف۔ بی۔ آئی کے سابق ڈپٹی ڈائریکٹر نے بیان دیا۔ ''موسوی کے کمپیوٹر میں 9/11 کے بارے میں کوئی اہم اطلاع دستیاب نہ تھی'' لیکن مؤقر اخبار ''واشنگٹن پوسٹ'' نے کانگرس کے تحقیقات کنندگان کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا۔ ''زکریا موسوی کے قبضے سے ملنے والی شہادتیں ان معلومات سے بہت زیادہ اہم تھیں، جنہیں کمپیوٹر اور دیگر ریکارڈ کے معائنے سے پہلے غیر اہم خیال کیا جا رہا تھا کیونکہ یہی شہادتیں زکریا موسوی کا تعلق ہمبرگ (جرمنی) میں موجود ''القاعدہ'' کے اس گروپ سے جوڑتی تھیں۔ جو جہازوں کے اغوا کا براہ راست ذمہ دار تھا۔ نیز اس کا تعلق ملائشیا میں موجود ''القاعدہ'' کی ایک ذیلی تنظیم سے بھی تھا۔ جس کا ذکر سی۔ آئی۔ اے نے اپنی رپورٹوں میں کیا تھا۔ اس ساری صورت حال سے مشہور اخبار ''نیویارک ٹائمز'' نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ''موسوی کے کیس سے ایسے بے شمار شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں کہ ایف۔ بی۔ آئی اور دیگر انٹیلی جنس ایجنسیاں جہازوں کے اغوا کو روکنے میں کیوں ناکام رہیں''۔

9/11 کے تین روز بعد فیڈرل بیورو آف انویسٹی گیشن (FBI) کے ڈائریکٹر موکر نے جن کی حال ہی میں اس عہدے پر تقرری ہوئی تھی یہ بیان داغا۔ ''میرے علم میں ایسی کوئی اطلاع یا شواہد نہیں جن سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ملک کے اندر ایسے کسی آپریشن کی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے''۔

کولین رولی اور منی پولس کے دوسرے ایجنٹوں نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنے ڈائریکٹر سے رابطہ کر کے ان کو موسوی کے کیس کے بارے میں آگاہ کر سکیں تاکہ ڈائریکٹر صاحب اپنے سرکاری بیانات میں تبدیلی کر سکیں لیکن ان بے چاروں کی کوششیں بار آور نہ ہو سکیں اور ڈائریکٹر صاحب اپنے بیانات کی صحت پر بدستور جمے رہے حتیٰ کہ انہوں نے سینٹ میں اپنے بیان حلفی میں 8 مئی 2002ء کو پھر دہرایا۔ ''ایجنسی کے علم میں ایسی کوئی خبر یا اطلاع نہ تھی جس کی بنیاد پر 9/11 کے حملوں کو روکا جا سکتا یا ان کی پیش بندی کی جا سکتی''۔ سینٹ میں سماعت کی رپورٹوں کے مطابق سینٹرز کی طرف سے ڈائریکٹر پر تابڑ توڑ سوالات کئے گئے اور آخر کار اسے تسلیم کرنا پڑا

Marfat.com

کہ 9/11 سے ایک مہینہ پہلے ایف۔ بی۔ آئی کے ایک ایجنٹ نے اعلیٰ سطح کی ایک میٹنگ میں اس شک وشبہ کا اظہار کیا تھا کہ ''موسوی صرف اس لیے ہوائی جہاز اڑانے کی تربیت لے رہا ہے تاکہ وہ کسی ہوائی جہاز کو اڑا کر نیویارک میں واقع ''ورلڈ ٹریڈ سنٹر'' کی بلڈنگ سے کریش کر سکے''۔ دو ہفتے بعد رولی نے اپنی وہ طویل رپورٹ جاری کی جس میں اس نے ایف۔ بی۔ آئی کی طرف سے موسوی کے کیس کو ہینڈل کرنے کے بارے میں اپنے غم وغصے کا اظہار کیا تھا اور جسے ''ٹائم میگزین نے قانون کا نفاذ کرنے والی ایجنسی کی طرف سے اس لاپرواہی کو ایک سنگین جرم قرار دیا تھا۔ جب رولی کی یہ میمو منظر عام پر آ گئی تو ڈائریکٹر موکر نے اپنے بیان کو تھوڑا بدل لیا۔ ''میں یقینی طور پر یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اس رپورٹ میں کوئی ایسا امکان نہیں تھا۔ جس کی تحقیق سے ہم ہائی جیکروں تک پہنچ سکتے''۔

شکاگو میں ایف، بی، آئی
کے راستے میں رکاوٹیں

1998ء میں شکاگو میں متعین ایف۔ بی۔ آئی کے ایجنٹ رابرٹ رائٹ نے شکاگو میں مقیم ایک ارب پتی سعودی باشندے کے خلاف تحقیقات کا آغاز کیا تھا کہ افریقی ممالک میں واقع یو۔ ایس سفارتخانوں کی تباہی کے لیے استعمال ہونے والا پیسہ اس سعودی باشندے کی طرف سے فراہم کیا گیا تھا۔ سال 2001ء میں اس یقین کے باوجود کہ اس ایجنٹ کی تحقیقات مضبوط شواہد کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھیں، اسے حکم دیا گیا کہ وہ اپنی تحقیق بند کر دے۔ جون میں اس نے اپنی ایک میمو میں لکھا۔ ''بجائے اس کے کہ ایف۔ بی آئی۔ حملوں کو روکنے کی منصوبہ بندی کرے، وہ صرف ایسی خفیہ اطلاعات جمع کر رہی ہے کہ حملہ ہو چکنے کی صورت میں کن کن لوگوں کو حراست میں لیا جائے''۔ مئی 2002ء میں رائٹ نے اعلان کیا کہ ''وہ ایف۔ بی۔ آئی کے خلاف مقدمہ ڈائر کر رہا ہے کیونکہ ایف۔ بی۔ آئی نے اسے اپنی تحقیقات کے بارے میں کتاب شائع کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا ہے''۔ اس کی تحقیقات کے راستے میں جس طرح روڑے اٹکائے گئے، اس نے انہیں ان الفاظ میں بیان کیا تھا۔ ''رکاوٹیں ڈالی گئیں''۔ ''راستے میں روڑے اٹکائے گئے''۔ ''راستہ روکا گیا''۔ ''دھمکایا گیا''۔ ''ڈرایا اور خوفزدہ کیا گیا''۔ اور ''انتقام کا نشانہ بنایا گیا''۔ بعد

Marfat.com

ازاں ایک انٹرویو میں اس نے کہا اسے بتایا گیا تھا کہ تمہاری تحقیقات اس لیے ختم کی جا رہی ہے کیونکہ بہتری اسی میں ہے کہ ''سوئے ہوئے کتوں کو سوتا رہنے دیا جائے''۔ اس نے کہا۔'' یہ کتے سوئے ہوئے نہیں تھے۔ وہ تربیت حاصل کر رہے تھے۔ وہ حملوں کی تیاری کر رہے تھے۔ 11 ستمبر کی تباہی ایف۔ بی۔ آئی کے بین الاقوامی دہشت گردی یونٹ کی مکمل ناکامی کا ثبوت ہے''۔ شکاگو میں مقیم وفاقی حکومت کے وکیل مارک فلیسٹر جو اس کیس پر بھی کام کر رہا تھا۔ اس نے بھی یہ نتیجہ اخذ کیا کہ صرف محکمے کی نااہلی ہی اس میں شامل نہ تھی بلکہ کچھ اور بڑی وجہ بھی تھی۔ اس نے بتایا۔ ''مجھ سے اوپر بھی کچھ بااثر لوگ اور بڑے آدمی جسٹس ڈیپارٹمنٹ اور ایف۔ بی۔ آئی میں موجود تھے جو نہیں چاہتے تھے کہ کوئی کریمنل کیس (موسوی کے خلاف) تیار کیا جائے''۔

ایف، بی، آئی نیویارک کی راہ میں رکاوٹیں

28 اگست 2001ء کو نیویارک میں واقع ایف۔ بی۔ آئی کے آفس نے یہ یقین کرتے ہوئے کہ خالد الحضر جسے بعدازاں ہائی جیکروں میں سے ایک ہائی جیکر کے طور پر نامزد کیا گیا امریکن بحری جہاز ''کول'' پر عدن کی بندرگاہ میں حملے میں ملوث تھا۔ ایف۔ بی۔ آئی ہیڈ کوارٹر کو باور کرانے کی کوشش کی کہ اس کے خلاف کریمنل انوسٹی گیشن کا آغاز کیا جائے، لیکن ہیڈ کوارٹر نے نیویارک آفس کی یہ درخواست اس بنیاد پر رد کر دی کہ نہایت حساس قسم کی انٹیلی جنس معلومات کے بغیر خالد کو اس کیس میں ملوث نہیں کیا جا سکتا۔ نیویارک کے ایک ایجنٹ نے اس پر اپنی جھنجلاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ای میل پیغام میں لکھا۔'' اب جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں کچھ لوگ مارے جائیں گے اور پبلک یہ سمجھنے میں ناکام رہے گی کہ ہم تباہی کو روکنے میں غیر مؤثر کیوں رہے۔ ہمیں امید کرنی چاہئے کہ ایف۔ بی۔ آئی کا ''نیشنل سیکورٹی لاء یونٹ'' ہماری پشت پناہی کرے گا، خصوصاً ایسے حالات میں کہ اسامہ بن لادن محفوظ ہے اور دن بدن ہمارے لیے مہیب خطرہ بن رہا ہے''۔

ایک جاسوس کے لیے انصاف

ایف۔ بی۔ آئی نے 9/11 کے حملوں کے بعد سائبل ایڈمنڈ اور کین ڈکرسن کی

Marfat.com

خدمات بطور ٹرانسلیٹر (عربی سے انگریزی میں ترجمہ کرنے والے) حاصل کی تھیں۔ ایڈمنڈ نے جلد ہی اپنے سپروائزز کو آگاہ کیا کہ ڈکرسن قبل ازیں ایک ایسی غیر ملکی تنظیم کے لیے کام کرتا رہا ہے۔ جس کی مشکوک سرگرمیوں کے بارے میں ایف۔ بی۔ آئی تحقیقات کر رہا ہے اور یہ کہ ڈکرسن خفیہ اطلاعات کا غلط ترجمہ کر رہا ہے یا بالکل ہی نہیں کر رہا اور اس تنظیم کے بارے میں حساس قسم کی اطلاعات کو بالکل ہی نظر انداز کر رہا ہے۔

ایڈمنڈ نے اپنے افسران بالا کو مزید بتایا کہ ڈکرسن نے اسے اس غیر ملکی تنظیم کے لیے جاسوسی نہ کرنے پر دھمکیاں دی ہیں، لیکن ایڈمنڈ نے اس بات پر افسوس اور مایوسی کا اظہار کیا کہ اس کے افسران بالا نے اس کی شکایات پر کوئی کارروائی کرنے یا اسے جواب دینے کی زحمت تک گوارا نہیں کی چنانچہ اس نے اپنے محکمے (ایف۔ بی۔ آئی) سے مایوس ہو کر محکمہ انصاف کے انسپکٹر جنرل کو مارچ کے مہینے میں ایک خط لکھا تھا جس کے فوراً بعد اسے محکمے سے نکال دیا گیا۔ اس نے بعد ازاں اپنے محکمے کے خلاف اس بنیاد پر ہرجانے کا دعویٰ دائر کر دیا کہ اسے "خطرے کی گھنٹی" بجانے کی وجہ سے محکمہ سے برطرف کر دیا گیا ہے۔

ماہ اکتوبر میں ایف۔ بی۔ آئی کے ڈائریکٹر جنرل موکرز کی درخواست پر اٹارنی جنرل ایشکرافٹ نے جواب دعویٰ میں متعلقہ جج سے اپیل کی کہ "ایڈمنڈ کی درخواست کو اس بنیاد پر خارج کر دیا جائے کہ حکومت کو حق حاصل ہے کہ ریاستی رازوں کی حفاظت اور خارجہ پالیسی اور قومی سلامتی کا تحفظ حکومت ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ذمہ داری ہے"۔ حکومت کے مخالفین اس بات پر حیران ہیں کہ قومی سلامتی کا تحفظ اس طریقے سے کیسے ہو سکتا ہے جبکہ ایڈمنڈ کا دعویٰ ہے کہ غیر ملکی تنظیم کے لیے جاسوسی کرنے والا شخص جس کے بارے میں پہلے ہی تحقیقات چل رہی ہے، خود ایف۔ بی آئی میں نہایت حساس قسم کی اطلاعات کا ترجمہ کرنے پر مامور ہے۔ لہٰذا یہ شخص غیر ملکی تنظیم کے خلاف ہونے والی انکوائری کو برباد کر کے رکھ دے گا۔

شپرز، ایف، بی، آئی بنام یو، ایس گورنمنٹ

13 ستمبر 2001ء کو اٹارنی ڈیوڈ شپرز نے، جو صدر بل کلنٹن کے خلاف 1998ء میں ایوان نمائندگان کی طرف سے چیف تحقیقاتی وکیل اور صدر کے خلاف مواخدے کی

Marfat.com

کارروائی میں 1999ء میں جوڈیشری کمیٹی کی طرف سے چیف پراسیکیوٹر تھا۔ کھلے عام اس بات کا اعتراف کیا کہ اس نے اٹارنی جنرل ایشکرافٹ کو حملوں سے چھ ہفتے پہلے انتباہ کیا تھا کہ ''لوئر مین ہٹین'' پر حملہ ہونے والا ہے اور اس کی اطلاعات کے ماخذ کی بنیاد ایف۔بی۔آئی ایجنٹوں کی طرف سے دی جانے والی اطلاعات پر مبنی ہے۔اپنے اس بیان اور بعد میں دیئے جانے والی سٹیٹ منٹ میں شپرز نے بتایا کہ ایجنٹوں کی مہیا کردہ اطلاعات میں تاریخ اور حملوں کے ہدف اور ہائی جیکروں کے مالی وسائل کے ذرائع کی کئی مہینوں پہلے نشاندہی کر دی گئی تھی۔شپرز نے مزید دعویٰ کیا کہ ایجنٹوں کی مہیا کردہ خفیہ معلومات کو ایف۔بی۔آئی نے دبا دیا اور ایجنٹوں کو دھمکی دی گئی کہ اگر انہوں نے عوام کے سامنے ان اطلاعات کا انکشاف کرنے کی جرأت کی تو ان کے خلاف مقدمات قائم کر دیئے جائیں گے۔

اس موقع پر ایجنٹوں نے شپرز سے رابطہ کر کے اس پر زور دیا کہ وہ اپنا ذاتی اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے حکومت کو ان متوقع حملوں کی روک تھام کی منصوبہ بندی پر آمادہ کرے۔اپنی کوششوں میں ناکام ہونے کے بعد شپرز نے چند ایجنٹوں کی طرف سے مرکزی حکومت کے خلاف دعوے میں ان کا وکیل بننا منظور کر لیا، تاکہ اگر عدالت ان کے نقطۂ نظر کو منظور کر لے تو وہ عوام کے سامنے اصل حقائق پیش کرنے میں، اپنے خلاف حکومت کی کسی کارروائی کے خوف کے بغیر کامیاب ہو سکیں۔

اس کیس کی بنیاد پر پبلک کے حقوق کی علمبردار لاء فرم ''جوڈیشل واچ'' نے بھی شپرز کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا۔میگزین ''نیو امریکہ'' میں صحافی ولیم نارمن گرگ نے ایف۔بی۔آئی کے متعلقہ ایجنٹوں کے انٹرویو کر کے لکھا کہ ایجنٹوں نے شپرز کو جو اطلاعات مہیا کی تھیں وہ تقریباً ایف۔بی۔آئی کے حلقوں میں سب کے علم میں تھیں اور ستمبر 11 سے قبل بیورو کے تمام متعلقہ عہدیداران سے آگاہ تھے ان میں ایک ایجنٹ نے بتایا کہ فیلڈ ایجنٹس جن میں سے کچھ اپنے میدان کے انتہائی تجربہ کار ایجنٹ تھے۔انہوں نے نہایت وثوق سے 11 ستمبر کو پیش آنے والے حالات و واقعات کی پیشگوئی کر دی تھی۔اس نے یہ بھی کہا کہ یہ بات بھی تمام ایجنٹوں کے علم میں تھی کہ ان کی مہیا کردہ خفیہ اطلاعات کو بیورو میں کس طرح نظرانداز کیا جا رہا ہے اور واشنگٹن ان سے اغماض برت رہا ہے۔

ان بیانات اور اطلاعات کے بعد یہ بات بھی نہایت حیران کن ہے کہ جائنٹ

Marfat.com

انکوائری کمیٹی کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ "انٹیلی جنس ایجنسیوں کے پاس ایسی کوئی اطلاعات ومعلومات نہ تھیں جن سے 11 ستمبر کے حملوں کے وقت، جگہ اور حملوں کی نوعیت کے بارے میں اندازہ لگایا جاسکتا"۔ اب یہ بات تو عیاں ہے کہ ایک ایسی انٹیلی جنس ایجنسی ضرور تھی (FBI) جس کے پاس حملوں کے بارے میں پورا پورا علم موجود تھا۔

ویزہ قوانین کی خلاف ورزی

9/11 کے حملوں کے فوراً بعد ہائی جیکروں کے بارے میں بعض ویزہ قوانین کی خلاف ورزیوں کا انکشاف ہوا۔ مثال کے طور پر یہ پتہ چلا کہ محمد عطا جسے ہائی جیکروں کا رنگ لیڈر خیال کیا جاتا ہے کو سال 2001ء میں تین مرتبہ یونائیٹڈ سٹیٹس میں داخلے کی اجازت دی گئی حالانکہ اس کا ویزہ سال 2000ء میں ختم ہو چکا تھا۔ اس نے نہ صرف ویزہ کی خلاف کرتے ہوئے جہاز اڑانے کی تربیت حاصل کی بلکہ اس کے بارے میں یہ بھی شبہ تھا کہ "اس کا تعلق دہشت گردوں سے ہے اور وہ ایف۔ بی۔ آئی کی خفیہ نگرانی میں تھا۔ یہ تمام حقائق "اکوریسی ان میڈیا" میں تنقید واعتراضات کا باعث بنے۔

"ان تمام حقائق کے باوجود سازشی عناصر بلا کسی رکاوٹ کے اپنے مقاصد میں کامیاب رہے۔ تعجب انگیز تو یہ حقیقت ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو کس قدر محفوظ خیال کرتے تھے۔ انہیں قانون قافذ کرنے والے اداروں کا ذرا بھی خوف نہ تھا۔ وہ ملک سے باہر اور اندر آتے جاتے رہے لیکن انہیں کسی نے چیک کرنے کی زحمت نہیں کی حالانکہ ان میں سے چند ایک خفیہ اداروں کی زیرنگرانی تھے (واچ لسٹ پر تھے) اس کے باوجود ان کے لیے اپنے مقصد کے حصول میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی"۔

ناقدین کو شک ہے کہ خفیہ اداروں کی نااہلی سے زیادہ کوئی دوسری وجہ تھی جس کی وجہ سے ہائی جیکروں کو کھلی چھٹی ملی رہی۔

ہائی جیکروں کی درست شناخت کا سوال

اگر چہ یہ موضوع اس باب میں زیر بحث نہیں ہے لیکن میں وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں "ہائی جیکروں" کو "مبینہ ہائی جیکر" کیوں کہتا ہوں۔ 9/11 کے بارے میں ایک سوال جس کا تاحال کوئی جواب نہیں مل سکا، یہ ہے کہ جہازوں کو اغوا کرنے والے

Marfat.com

کیا واقعی وہی لوگ تھے جن کے نام بعدازاں شائع اور نشر کیے جاتے رہے۔

حملوں کے فوری بعد ایف۔بی۔آئی نے ہائی جیکروں کے ناموں کی جو فہرست اخبارات کو جاری کی، ان میں سے پانچ ایسے افراد کے نام بھی شامل تھے جو زندہ سلامت اپنے اپنے ممالک میں موجود تھے، حالانکہ اخبارات کے مطابق تمام ہائی جیکر ہلاک ہو چکے تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ان زندہ سلامت افراد کی شناخت چرالی گئی تھی۔ (یعنی ان کے شناختی کاغذات ہائی جیکروں نے استعمال کیے تھے) واشنگٹن میں موجود سعودی ایمبیسی نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ عبدالعزیز العوماری (جسے ایف۔بی۔آئی نے فلائٹ نمبر 11 کا پائلٹ نامزد کیا تھا جو ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے شمالی ٹاور سے ٹکرائی تھی) محمد الشہری، سلیم الحزی اور سعید الحامدی سب زندہ سلامت سعودی عرب میں رہائش پذیر تھے۔ ایک پانچویں ''مبینہ ہائی جیکر'' ولید محمد الشہری نے لندن سے شائع ہونے والے کثیرالاشاعت عربی زبان کے اخبار ''القدس العربی'' کو ایک انٹرویو دیا کہ وہ زندہ سلامت ہے اور ہائی جیکروں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعد کی ایک رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ تمام ہائی جیکر جعلی دستاویزات پر سفر کر رہے تھے اور ایف۔بی۔آئی اس بارے میں تحقیقات کر رہی ہے، لیکن ایف۔بی۔آئی کے ڈائریکٹر مولر نے اپنا اصرار جاری رکھا اور ایک بیان میں کہا۔

''ہم حتمی طور پر ان 19 ہائی جیکروں کو شناخت کر چکے ہیں جو جہازوں کے اغوا کے ذمہ دار تھے''۔ حالانکہ ایف۔بی۔آئی کی طرف سے مہیا کردہ ناموں کی فہرست اور ان کی تصاویر میں سے بہت سی غلط ثابت ہو چکی تھیں۔

ایک اور پورٹ جو سرکار کہانی کو مشتبہ بناتی ہے یہ ہے کہ سرکار کے مطابق ہائی جیکر رجعت پسند، فنڈامینٹلسٹ مسلم نوجوان تھے، حالانکہ ان میں سے اکثر نے مئی اور اگست 2001ء کے دوران کم از کم چھ مرتبہ لاس ویگاس کی سیاحت کی اور ان میں محمد عطا بھی شامل تھا۔ لاس ویگاس امریکہ میں جوئے اور عیاشی کا سب سے بڑا اڈہ ہے۔ وہاں انہوں نے نہ صرف شراب پی، جوا کھیلا اور عریاں ڈانس کا لطف اٹھایا اور ننگی عورتوں کو اپنی گودوں میں بٹھا کر دادِ عیش دی۔

کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ ایک صاحب ایمان اور سچا مسلمان، جسے جلد ہی خودکش مشن کے بعد اپنے خالق و مالک سے ملنے کا یقین کامل ہو، ایسی حرکات کا مرتکب ہو سکتا ہے؟

Marfat.com

اس بات کے شواہد بھی موجود ہیں کہ کچھ لوگوں کو ہائی جیکر ثابت کرنے کے لیے ایف۔بی۔آئی نے بھی جھوٹی کہانی سنائی اور شہادتیں گھڑ لیں۔ مثلاً 9/11 کو ہائی جیکروں کے مبینہ رِنگ لیڈر محمد عطا کے دو ایسے بیگ ائیر پورٹ پر پڑے ہوئے ملے جو فلائٹ 11 پر لوڈ ہونے سے رہ گئے تھے۔ ان بیگوں میں مختلف اشیاء تھیں، جن میں بوئنگ جہاز اڑانے کی ہدایات کی کتاب، قرآن مجید کا نسخہ، قرآنی آیات کی ریکارڈ شدہ ٹیپ، دوسرے ہائی جیکروں کے نام تحریری ہدایت نامہ کہ وہ ذہنی طور پر تیار رہیں، عطا کی وصیت، پاسپورٹ اور انٹرنیشنل ڈرائیونگ لائسنس۔

اخبار ''نیو یارکر'' کے ایک رپورٹر نے بعد ازاں لکھا۔

''بہت سے تفتیش کندگان کو یقین ہے کہ ابتداء میں ہائی جیکروں کی شناخت کے بارے میں جو سراغ ملے تھے۔ جیسے کہ فلائٹ مینوئل وغیرہ وہ جان بوجھ کر چھوڑے گئے تھے۔ مجھے ایک سابق اعلیٰ افسر نے جو خفیہ ادارے میں کام کر چکا تھا۔ بتایا کہ جو سراغ چھوڑے گئے، جان بوجھ کر چھوڑے گئے تھے تا کہ ایف۔بی۔آئی ان کے پیچھے بھاگتی پھرے''۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ محمد عطا اپنی وصیت کو جہاز پر کیوں لائے گا جبکہ اسے علم ہے کہ جہاز کے ساتھ ہی ہر چیز تباہ ہو جائے گی۔ 9/11 کے اگلے روز ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے چند بلاک کے فاصلے پر واقع ایک ہوٹل کے کمرے سے مبینہ ہائی جیکر ستام الصوقامی کے پاسپورٹ کی برآمدگی کو بھی مشکوک خیال کیا جا رہا ہے۔

9/11 کو حقیقت میں کیا ہوا تھا، سرکاری مؤقف کے برعکس یہ تا حال ایک سربستہ راز ہے۔ ایف۔بی۔آئی نے مغرب کے دشمنوں کی ایک خود ساختہ فہرست تیار کر لی اور انہیں ہائی جیکر مشہور کر دیا۔

Marfat.com

کیا 9/11 کے حملوں میں امریکن انتظامیہ ملوث ہے؟

امریکن حکومت کی طرف سے افغانستان اور عراق کے خلاف شروع کی گئی جنگ کو ''دہشت گردی'' کے خلاف جنگ کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ان جنگوں کو 9/11 کے حملوں کا جواب بتایا گیا ہے۔ سرکاری طور پر حکومت امریکہ کے نقطۂ نظر کے مخالفین کہتے ہیں کہ یہ جنگیں 9/11 کے حملوں سے بہت پہلے سے بش انتظامیہ کے ایجنڈے پر موجود تھیں۔ بلکہ ان کا تو یہاں تک دعویٰ ہے کہ یہ جنگیں ایک بہت بڑے ایجنڈے کا حصہ تھیں۔

9/11 سے پہلے افغانستان پر حملے کا منصوبہ

جہاں تک افغانستان پر حملے کا تعلق ہے، احمد نے عوام الناس کے علم میں اضافے کے لیے بہت سے ایسے شواہد جمع کیے ہیں جن سے طالبان کے خلاف امریکن پالیسیوں میں تبدیلیوں کے واضح اشارے ملتے ہیں اور افغانستان پر حملوں کی منصوبہ بندی 9/11 سے بہت پہلے کرلی گئی تھی۔ احمد اور تھامپسن نے ثابت کیا ہے کہ افغانستان پر حملوں کا بنیادی مقصد امریکہ کی چند بڑی بڑی تیل کمپنیوں کے ایک گروپ کو، جو سنٹرل ایشیا سے تیل اور گیس کی بڑی پائپ لائن کو جسے سینٹ گیٹ (سنٹرل ایشیاء گیس پائپ لائن) کا نام دیا گیا تھا۔ افغانستان کے راستے بحیرہ ہند تک لانا اور وہاں سے دنیا بھر کو تیل اور گیس سپلائی کرنا تھا۔ تیل کمپنیوں کے اس گروپ میں سعودی عرب کی ڈیلٹا آئل اور امریکہ کی سب سے بڑی آئل کمپنی یونوکول جیسی دنیا کی عظیم ترین آئل کمپنیاں شامل تھیں، جو افغانستان اور

Marfat.com

پاکستان کے راستے پائپ لائن گذارنا چاہتی تھیں تاکہ ترکمانستان کے تیل کے ذخائر کو پوری دنیا کو سپلائی کر کے اربوں ڈالر کمائے جاسکیں۔ ستمبر 2000ء میں امریکہ حکومت کی طرف سے اس پائپ لائن کے بارے میں ایک منصوبہ شائع کیا گیا تھا (یعنی 9/11 کے حملوں سے پورا ایک سال پہلے) جسے انرجی انفارمیشن فیکٹ شیٹ کا نام دیا گیا تھا۔ اس میں کہا گیا تھا۔

''توانائی کے حصول کے نقطۂ نگاہ سے افغانستان کی جغرافیائی حیثیت واہمیت سنٹرل ایشیاء سے گیس اور آئل کی ایکسپورٹ اور بحیرہ عرب تک رسائی کے لیے بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ افغانستان کے راستے کئی بلین ڈالر کی گیس پائپ لائن کی تعمیر اور بحفاظت ترسیل اس ملک کی اہمیت کو کئی گنا بڑھا دیتی ہے''۔

گیس پائپ لائن کا یہ منصوبہ بناتے وقت حکومت امریکہ کو یقین تھا کہ طالبان ان کے منصوبے کے سلسلے میں تمام سہولیات مہیا کرنے پر خوشدلی سے آمادہ ہو جائیں گے، لیکن افغانستان میں طالبان کی حکومت کے مستحکم ہونے کے ساتھ ساتھ امریکن امیدوں نے دم توڑنا شروع کر دیا۔ کیونکہ طالبان نے امریکی منصوبے میں کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔

(نوٹ: خیال رہے کہ امریکی صدر بش کا خاندان، نائب صدر ڈک چینی اور وزیر خارجہ کونڈ لیزا رائس، سب کے سب آئل کے کاروبار سے منسلک ہیں۔ مترجم)

طالبان کے پس منظر کا ذکر کرتے ہوئے احمد اور تھامپسن نے وضاحت کی ہے کہ طالبان کو امریکن سی۔ آئی۔ اے نے پاکستان کی خفیہ تنظیم ISI آئی۔ ایس۔ آئی (انٹر سروسز انٹیلی جنس) کے تعاون اور سعودی عرب کے سرمائے سے پیدا کیا تھا اور اس کا سب سے بڑا مقصد طالبان کے ذریعے افغانستان کے راستے گیس پائپ لائن گزارنا تھا۔

''طالبان کی بے پناہ قوت اور ان کی پائپ لائن منصوبے کی بظاہر حمایت کی بنا پر امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اور پاکستان کی انٹر سروسز انٹیلی جنس دل کھول کر اسلحے اور پیسے سے طالبان کی مدد اور حمایت پر راضی ہو گئے''۔

جب طالبان نے 1996ء میں سعودی سرمائے، سی آئی اے کی طرف سے آئی۔ ایس۔ آئی کے ذریعے اسلحے کی ترسیل کے زور پر کابل فتح کر لیا تو ''یونوکول'' کو بڑی امید پیدا ہو گئی کہ اب افغانستان کے راستے گیس پائپ کی تعمیر اور اس کی حفاظت کے لیے کابل حکومت (طالبان) ان کی مدد کرے گی، حقیقتاً کابل کی فتح سے بہت پہلے ہی طالبان

Marfat.com

اور ''یونوکول'' کے درمیان پائپ لائن منصوبے پر اتفاق ہو چکا تھا۔ایک رپورٹ کے مطابق ''یونوکول'' نے طالبان کی مالی مدد بھی کی تھی۔حقیقت یہ ہے کہ طالبان، آئی۔ایس۔آئی کے مقاصد کی تکمیل کے لیے پوری طرح تعاون کر رہے تھے۔تھامپسن کا کہنا ہے کہ جب 1998ء میں طالبان شمالی افغانستان کے بڑے بڑے شہروں کو فتح کرتے چلے جارہے تھے۔آئی۔ایس۔آئی کے ایک افسر نے ان الفاظ میں پیغام اپنے ہیڈکوارٹر کو بھیجا تھا۔

''میرے نوجوان اور میں مزار شریف میں داخل ہو رہے ہیں''۔۔ بہر حال جب طالبان نے مزار شریف کو فتح کر لیا تو وہ تقریباً تمام افغانستان پر قابض ہو چکے تھے اور اس فتح کیے ہوئے علاقوں میں وہ علاقہ بھی شامل تھا جہاں سے امریکن منصوبے کے مطابق گیس پائپ لائن گزرنا تھی۔''سینٹ گیس'' نے اس وقت اعلان کر دیا۔''ہم اپنا کام (پائپ بچھانے کا) شروع کرنے کے لیے تیار ہیں''۔

اسی سال کے آخر میں اس شک وشبہ کی بنیاد پر کہ طالبان گیس پائپ لائن کی کما حقہ حفاظت اور نگرانی کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔تو نوکال ''سینٹ گیس'' منصوبے سے الگ ہو گئی۔احمد کے کہنے کے مطابق اسی وقت سے امریکن حکومت نے طالبان کے خلاف جارحانہ رویہ اپنانا شروع کر دیا اور علاقے میں اپنے مفادات اور قوت کے اظہار کے لیے دوسرے ذرائع اختیار کرنے کے لیے غور شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ طالبان حکومت کے ساتھ ''ملٹری ایکشن کے بغیر'' مسائل کے حل کے لیے مذاکرات کا ڈرامہ بھی جاری رکھا۔

کہا جاتا ہے کہ امریکن حکومت کا طالبان حکومت کے ساتھ مسائل کے پُرامن حل کے لیے آخری چار روزہ مذاکرات کا دور جرمنی کے شہر برلن میں جولائی 2001ء میں منعقد ہوا۔بش کی امریکن حکومت نے طالبان پر دباؤ ڈالا کہ وہ کثیر الجماعتی متحدہ قومی حکومت قائم کریں (یعنی امریکہ کے پسندیدہ افراد کو بھی حکومت میں حصہ دیں) اس میٹنگ میں حکومت پاکستان کی نمائندگی نیاز نائیک نے کی، جن کے بیان کے مطابق امریکنوں نے طالبان کو دھمکی دی کہ یا تو وہ اپنا رویہ درست کر لیں ورنہ امریکہ دوسرے ذرائع ملٹری آپریشن، اختیار کرے گا۔ایک دوسری رپورٹ کے مطابق ایک امریکن اہلکار نے طالبان سے کہا۔

''تم یا تو ہماری طرف سے سنہری قالین (مالی امداد) قبول کرلو، ورنہ ہم (امریکن) تمہیں بموں کے قالین کے نیچے دفن کر دیں گے''۔

Marfat.com

اگرچہ بعدازاں ایک امریکن افسر نے اس بات کی تردید کی کہ ایسی کوئی دھمکی دی گئی تھی لیکن ایک دوسرے افسر نے اس بات کی تصدیق کی اور بتایا۔ ''یونائیٹڈ سٹیٹس اس وقت طالبان کے خلاف اس قدر غصے اور نفرت سے بھرا ہوا تھا کہ ملٹری ایکشن کے بارے میں سوچا جا رہا تھا''۔

بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق امریکنوں نے نیاز نائیک کو بتایا تھا کہ ''افغانستان کے خلاف ملٹری ایکشن اکتوبر تک شروع ہو جائے گا یعنی افغانستان میں برفباری کا موسم شروع ہونے سے پہلے اس کا آغاز کر دیا جائے گا اور یہ اکتوبر کے مہینے کے وسط سے ممکن تھا''۔ چنانچہ امریکہ نے 7 اکتوبر سے افغانستان پر بمباری شروع کر دی تھی۔ تھامپسن نے یہ سوال اٹھایا تھا کہ کیا یہ اتفاق ہی تھا کہ امریکنوں نے افغانستان پر حملہ عین اپنی پیشگوئی کے مطابق شروع کر دیا، حالانکہ یہ پیشگوئی امریکنوں نے 9/11 سے کئی ماہ پہلے ہی کر دی تھی۔ یہ اتفاق نہیں تھا بلکہ امریکہ کی پہلے سے طے شدہ پالیسی کے عین مطابق تھا، خواہ 9/11 کا واقعہ پیش آیا ہوتا یا نہ آیا ہوتا۔ شمالی کیرولینا کے ایک سابق نیشنل گارڈ کے الفاظ ہیں۔

''میرے یونٹ نے جولائی 2001ء میں ڈرل کے لیے رپورٹ دی۔ اچانک ہمیں حکم ملا کہ تمام سرگرمیاں ختم کر کے جنگی مشقوں کی تیاری کی جائے جو 14 ستمبر 2001ء کو شروع ہونا ہیں۔ ہم نے دو ہفتے تک بہت زیادہ محنت کی اور اگست میں ہمیں غیر متوقع اور بغیر کسی پیشگی منصوبہ بندی کے جنگی مشقوں کا حکم مل گیا۔ اگست کے آخر میں ہمیں صرف ایک فون کال کا انتظار تھا اور ہم لوگ اپنے بیگ اور اوزاروں سمیت ہر لمحہ کوچ کے لیے تیار بیٹھے تھے''۔

اگر یہ رپورٹ درست ہے تو جولائی میں ہی پتہ چل گیا تھا کہ افغانستان پر حملہ 14 ستمبر 2001 کے کچھ عرصہ بعد ہی متوقع تھا۔ نیاز نائیک کا بھی خیال ہے کہ یہ صرف اتفاق نہ تھا۔ (بلکہ پلاننگ تھی) بی بی سی نے نیاز نائیک کے حوالے سے کہا ہے کہ 11 ستمبر کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کے بعد ان کے اندازے کے مطابق پہلے سے طے شدہ پلاننگ کے حساب سے افغانستان پر حملہ دو تین ہفتے کے اندر متوقع تھا۔

نائیک کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر طالبان فوری طور پر اسامہ بن لادن کو پکڑ کر امریکہ کے

Marfat.com

حوالے بھی کر دیتے تو بھی افغانستان پر امریکن حملہ کے رکنے کی امید نہ تھی کیونکہ امریکہ کا مقصد تو طالبان کی حکومت کو گرا کر اپنی پسند کی حکومت قائم کرنا تھا۔ جو احمد اور تھامپسن کے خیال میں۔ پائپ لائن کے مقاصد کی تکمیل میں معاون ثابت ہو سکے۔ بعد کے واقعات سے یہ بات درست بھی ثابت ہوتی ہے اور اس کی تصدیق ایک اسرائیلی اخبار میں چھپنے والی اس رپورٹ سے بھی ہوتی ہے، جس کے الفاظ ہیں:

''اگر کوئی شخص امریکن اڈوں کے نقشہ کو دیکھے تو وہ دنگ رہ جائے گا کہ سب اڈے اسی روٹ پر قائم کئے گئے ہیں جہاں سے آئل پائپ لائن نے گزر کر بحر ہند تک پہنچنا ہے۔ اگر میرا کسی سازش کی تھیوری پر یقین ہوتا تو میں کہہ سکتا تھا کہ بن لادن امریکن ایجنٹ ہے''۔

تھامپسن اور احمد نے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ افغانستان کے نئے لیڈر حامد کرزئی اور صدر بش کے افغانستان کے لیے سپیشل ایلچی زلمے خلیل زاد، دونوں ہی آئل کمپنی ''یونوکول'' کے تنخواہ دار تھے۔ ان دونوں کی تعیناتی سے امریکہ کے افغانستان میں بنیادی مفادات کی جھلک نمایاں ہو جاتی ہے۔

احمد نے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ 10 اکتوبر (2001) کو امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے پاکستان کے آئل منسٹر کو بتایا تھا۔ ''گزشتہ دنوں کی جغرافیائی اور سیاسی تبدیلیوں کے تناظر میں 'یونوکول' پائپ لائن منصوبے پر عمل کرنے کے لیے تیار ہے''۔

احمد نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ 9/11 کا واقعہ تو صرف جلتی پر تیل ڈالنے کا بہانہ بنا ہے ورنہ افغانستان پر ہر حال میں حملے کا منصوبہ تو پہلے سے تیار تھا''۔

9/11 سے پہلے عراق پر حملے کا پلان

مارچ 2002ء کے شروع میں صدر بش نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ ''وہ اسامہ بن لادن کے بارے میں زیادہ فکر مند نہیں ہیں۔ انہیں سب سے زیادہ فکر ''عراق'' کی ہے۔ احمد اور تھامپسن کے خیال میں صدر بش کی عراق کے بارے میں یہ فکرمندی کسی فوری واقعے یا حادثے کے نتیجہ میں پیدا نہیں ہوگئی تھی بلکہ افغانستان کی طرح عراق پر بھی حملے کی منصوبہ بندی، امریکہ انتظامیہ کی طرف سے 9/11 کے واقعہ سے بہت پہلے سے کرلی گئی

Marfat.com

تھی۔ اس کا ثبوت وہ دستاویز ہے جسے Rebuilding Americas Defence:Strategy Forces And Resources For A New Century کا نام دیا گیا تھا۔ یہ دستاویز ستمبر 2000ء میں شائع کی گئی تھی اور یہ دستاویز ''پراجیکٹ فار دی نیو امریکن سنچری'' نامی ادارے نے شائع کی تھی اور یہ ادارہ ایسے رجعت و انتہا پسند دانشوروں اور بش انتظامیہ کے مشیروں پر مشتمل تھا جو امریکہ کو دنیا کے سامنے سپر پاور کے طور پر پیش کرنے اور منوانے پر یقین رکھتے تھے۔ اس تھنک ٹینک ادارے میں جو افراد شامل تھے ان میں نائب صدر ڈک چینی، وزیر دفاع ڈونلڈ رمسفیلڈ (یہودی انتہا پسند) پال ولف اووٹز (جو وزارت دفاع میں رمسفیلڈ کا نائب تھا) اور لوئیس سکوٹر بسٹی (چینی کا چیف آف سٹاف) شامل تھے۔ اس سوال کے بارے میں کہ کیا یہ لوگ 2003ء کی جنگ کے ذریعے واقعی صدام کا خاتمہ چاہتے تھے (یا ان کے مقاصد عراق کے تیل کے ذخائر پر قبضہ جمانا تھا) جیسا کہ جنگ شروع کرتے وقت انہوں نے بہانہ بنایا تھا، دستاویز کا پیراگراف دلچسپی کا باعث ہوگا۔

> ''یونائٹڈ سٹیٹ خلیج کی سلامتی اور سکیورٹی میں کئی دہائیوں سے ایک اہم کردار ادا کرتا رہا ہے۔ چونکہ عراق کے ساتھ نہ طے ہونے والا تنازعہ ایک سنہری موقع فراہم کر رہا ہے۔ لہٰذا یہ بات صداقت پر مبنی ہوگی کہ امریکہ کی ایک بھاری قوت گلف میں موجود ہوتا کہ صدام حسین کا قصہ پاک کیا جاسکے''۔

لہٰذا دوسرے الفاظ میں بنیادی بات خلیج کے علاقے میں امریکہ کی بھاری فوجی قوت کا ارتکاز تھا۔ جس کے لیے صدام حسین سے امریکہ کا خود ساختہ تنازعہ فوری جواز کا باعث بن گیا۔ حالانکہ سال 2000ء میں ہی اوپر بیان کردہ دستاویز میں صدام حسین کی حکومت کے خاتمے کا واضح منصوبہ موجود تھا۔

بلکہ اس گروپ نے بہت پہلے، جنوری 1998ء میں ایک بیان میں اس وقت کے صدر بل کلنٹن پر زور دیا تھا کہ وہ (صدر) صدام حسین حکومت کے خاتمے کے لیے کوئی لائحہ عمل اختیار کریں۔ ایک خط میں جس پر رمسفیلڈ، وولف اووٹز، رچرڈ پرل کے علاوہ بعض دوسرے قدامت پسندوں نے دستخط کیے تھے، صدر کلنٹن پر زور دیا تھا کہ خلیج میں امریکی

Marfat.com

برمنگھم یو کے۔ مصنف کا پوتا ولید طاہر

Marfat.com

مفادات کی حفاظت کے لیے دوسرے اقدامات کے علاوہ ملٹری ایکشن کا بھی جائزہ لیں۔
''امریکی پالیسی محض یو۔این سکیورٹی کونسل میں عدم اتفاق رائے کی بنیاد پر ناکام اور اپاہج نہیں ہو جانی چاہیے''۔

لہٰذا 9/11 عراق پر حملے کا جواز نہیں بلکہ محض ایک بہانا تھا۔ تھامپسن نے ایک رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ ''پنٹاگان'' پر حملے کے چند گھنٹے بعد سیکرٹری دفاع رمسفیلڈ نے ایک میمو لکھا جس میں کہا۔ ''مجھے فوری طور پر خفیہ اطلاعات چاہئیں جس میں صدام حسین (S.H) پر فوراً حملے کا جواز بھی موجود ہو، نہ صرف (UBL) اسامہ بن لادن پر۔ فوراً جت جایئے اور ایسی اطلاعات ڈھونڈ نکالئے۔ خواہ یہ اطلاعات ان سے متعلقہ ہوں یا نہیں''۔ تھامپسن کے نقطہ نظر کی جان پلگر نے بھی تائید کی ہے جس نے باب ووڈوارڈ (''واشنگٹن پوسٹ'' کا سینئر رپورٹر) کی ایک رپورٹ کے حوالے سے لکھا ہے کہ پنٹاگان پر حملے کے اگلے روز ''نیشنل سکیورٹی کونسل'' کی میٹنگ میں رمسفیلڈ نے کہا۔ ''دہشت گردی کے خلاف سب سے پہلے ہمیں صدام کے عراق کو نشانہ بنانا چاہیے''۔

جنگ کے مخالفین حکومت امریکہ کے بیان اور عملی اقدامات سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ عراق کے خلاف کارروائی کے مقاصد وہ نہیں تھے جو عوام کو بیوقوف بنانے کے لیے بیان کئے جاتے رہے ہیں بلکہ اس کا مقصد عراق کے تیل پر قبضہ اور علاقے میں اپنا کنٹرول قائم کرنا تھا۔ بش اور بلیئر انتظامیہ کا سارا زور اس بات پر رہا ہے کہ عراق جنگ کا مقصد تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کا خاتمہ تھا۔ کیونکہ ان تباہ کن ہتھیاروں کی وجہ سے صدام اپنے ہمسایوں کے لیے مستقل خطرہ بنا ہوا تھا، بلکہ وہ حکومت برطانیہ اور متحدہ ریاست ہائے امریکہ کے لیے بھی خطرہ تھا۔ اس حملے کے جواز کے لیے جن خفیہ اطلاعات کو جواز بنایا گیا وہ سب غلط، خود ساختہ اور جھوٹی تھیں۔

سر جوناتھن پورٹ جو سٹین ایبل ڈویلمنٹ کمیشن کے سربراہ تھے، جو بلیئر حکومت کو اہم قومی و بین الاقوامی امور پر مشورہ دیتا تھا۔ عوام کے سامنے کھلے الفاظ میں بیان دیا کہ اتحادی اقوام کے عراق پر حملے کے فیصلے کے پیچھے سب سے بڑا فیکٹر عراقی آئل پر قبضہ تھا۔ انہوں نے کہا۔ ''میرا خیال نہیں کہ مارچ میں عراق پر حملہ کیا جاتا، اگر عراق کے پاس تیل کے دنیا میں دوسرے نمبر پر سب سے بڑے ذخائر نہ ہوتے''۔ بش حکومت کے سابق

Marfat.com

سیکرٹری خزانہ پال اونیل نے کہا کہ ''بش حکومت نے برسر اقتدار آتے ہی عراقی تیل پر قبضے کے لیے پلان بنالیا تھا اور یہ جنگ صرف تیل کے لیے ہی لڑی جا رہی ہے''۔

اس جنگ کا بنیادی مقصد صرف تیل پر قبضہ ہی تھا۔ سٹیفن گوونز نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''پنٹاگان نے جب اپنی افواج کو بغداد کی طرف مارچ کا حکم دیا تو ان کے ایجنڈے پر سب سے اہم نکتہ جنوبی عراق کے تیل کے کنوؤں کی حفاظت تھا۔ جب بغداد میں حملے کے نتیجے میں افراتفری مچی اور لوٹ مار شروع ہوگئی تو امریکی افواج نے لیٹروں کو کھلی چھٹی دے دی کہ وزارت منصوبہ بندی، وزارت تعلیم، وزارت آبپاشی وزراعت، وزارت خارجہ، وزارت تجارت وانڈسٹری، وزارت ثقافت وکلچر اور وزارت اطلاعات کے دفاتر کو جی بھر کر لوٹیں لیکن وزارت آئل کی حفاظت جان پر کھیل کر کی گئی۔ اس وزارت کا تمام ریکارڈ محفوظ رکھ کر آئل کی دولت بچائی گئی تاکہ واشنگٹن جس کے عرصے سے خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ پورا ہو سکے۔ اس وزارت کے دفاتر کی حفاظت کے لئے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں اسے گھیرے میں لئے ہوئے تھیں''۔

اس شک وشبہے کی کہ عراق پر حملہ دہشت گردی کے خلاف جنگ یا وہ وجوہات جو عام طور پر حکومت کی طرف سے پیش کی جارہی تھیں، نہ تھیں، اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ بش انتظامیہ نے 9/11 کے بعد کی ہنگامی صورتِ حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسرے ملکوں پر بھی حملے کی منصوبہ بندی کی تھی۔ ''نیوز ویک'' کی اس ایک رپورٹ کے مطابق بش کے کچھ طاقتور مشیروں نے اس بات پر زور دیا تھا کہ لگے ہاتھوں سعودعربیہ، ایران، شمالی کوریا شام اور مصر پر بھی حملہ کر دیا جائے۔ برطانوی حکومت کے ایک سینئر افسر کو یہ کہتے ہوئے پایا گیا تھا۔ ''ہر شخص کی خواہش ہے کہ بغداد کی طرف کوچ کیا جائے لیکن ''بڑے لوگ'' تہران کی طرح مارچ کرنا چاہتے ہیں''۔

ان ''بڑے لوگوں'' میں سے ایک یہودی رچرڈ پرل تھا جو پی۔ این۔ اے۔ سی کا فونڈنگ ممبر تھا۔ ''دہشت گردی کے خلاف جنگ کے بارے میں اس کے الفاظ یہ تھے:

''یہ ایک مکمل جنگ ہے۔ ہم کئی قسم کے دشمنوں کے خلاف برسر پیکار ہیں۔ بہت سارے دشمن اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہیں۔ حکومت کہتی ہے پہلے

Marfat.com

افغانستان کا بندوبست کریں گے پھر عراق ی طرف توجہ دیں گے۔ یہ غلط طریق کار ہے۔ ہمیں چاروں طرف ایک ہی وقت میں حملہ آور ہو جانا چاہئے۔ ہماری آنے والی نسلیں سالوں بعد ہمارے بارے میں خوشیوں کے گیت الاپ رہی ہوں گی"۔

ایسا متعصبانہ اور پُر تشدد نظریہ باعثِ ندامت ہے۔

اب ایک بات تو عام طور پر کھلے عام تسلیم کی جانے لگی ہے کہ امریکہ نے "دہشت گردی" کے نام پر جو جنگ شروع کر رکھی ہے وہ دراصل امریکہ کے اپنے مفادات کی جنگ ہے اور "دہشت گردی" کی تعریف بھی خود ہی اپنے مقاصد کے حصول کے لیے گھڑ رکھی ہے۔ میسان کے بیان کے مطابق۔ "بش کے لیے، امریکن لیڈر شپ کی مخالفت ہی دہشت گردی ہے"۔ اسی طرح رچرڈ فاک کے بقول ہر وہ آزادی کی تحریک جو امریکہ کے بین الاقوامی مفادات کے خلاف جاری ہے۔ "دہشت گردی" ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک نئی سامراجی طاقت، دہشت گردی کے خلاف جنگ کی آڑ میں، تعمیر کی جا رہی ہے"۔ فلس بینس کو یقین ہے کہ "دہشت گردی کے خلاف جنگ" کا کبھی یہ مقصد نہیں رہا کہ دہشت گردوں کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے بلکہ اس جنگ کا اصل مقصد دنیا پر امریکی طاقت وغرور کی دھاک بٹھانا ہے اور یہ جنگ "انصاف کا انتقام" کے نام سے شروع کی گئی ہے۔

بہر حال اب ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ بش انتظامیہ اور بلیئر حکومت نے عراق پر حملہ کرنے کے لیے دروغ گوئی اور جھوٹ کا سہارا لیا تھا۔ کیا اب یہ وقت موزوں نہیں ہے کہ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ 9/11 کے بارے میں بھی جھوٹ اور دروغ گوئی سے کام لیا گیا ہوگا؟ 9/11 جسے افغان اور عراق پر حملے کا جواز بنایا گیا اور بش انتظامیہ کے توسیع پسندانہ ایجنڈے کے لیے استعمال کیا گیا۔

نیا پرل ہاربر

اس توسیع پسندانہ ایجنڈے کے سلسلے میں احمد اور تھامپسن نے سابق نیشنل سیکورٹی ایڈوائزر ریگنیو برزنسکی (Zbig.niew Brzezinbki) کی 1997ء میں شائع ہونے

Marfat.com

والی کتاب (The Grand Chessborad:American Primacy And Its Geostrategic Impera Tives) کا حوالہ دیتے ہیں۔ برززنسکی نے یورپ اور ایشیا کو مستقبل کی طاقت کی کنجی قرار دیا تھا بلکہ اس طاقت کی کنجی کے حصول کے لیے سنٹرل ایشیاء کے تیل کے ذخائر پر قبضے کو انتہائی ضروری قرار دیا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے امریکن رائے عامہ کی حمایت اور تائید کو امریکن خارجہ پالیسی کے لیے اہم اور لازمی گردانا تھا۔ اس پبلک حمایت وتائید کا حصول بڑا مشکل کام تھا، کیونکہ امریکہ جو دوسروں کے لیے مطلق العنان اور اپنی مرضی کا مالک نظر آتا ہے۔ اپنے عوام کے لیے اتنا ہی جمہوری ہے۔ اس لیے کسی بڑے کام کے لیے پبلک کی تائید وحمایت حاصل کرنا، جس کے مقاصد بھی ڈھکے چھپے، خفیہ اور جارحانہ ہوں، بڑا مشکل کام ہے۔ خصوصاً طاقت کے ذریعے کسی واضح جواز کے بغیر کسی علاقے پر تسلط قائم کرنا۔ امریکن عوام میں یہ خرابی ہے کہ جب تک انہیں ملک کے اندر کسی فوری خطرے یا حملے کا خوف نہ ہو، وہ حکومت کو طاقت کے استعمال کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ دوسری جنگ عظیم میں بھی امریکن عوام نے حکومت کو اس وقت جنگ میں کودنے کی اجازت دی تھی جبکہ جاپانیوں نے حملہ کر کے پرل ہاربر کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی اور امریکن عوام پر خوف و ہراس طاری ہو گیا تھا"۔

اگر برززنسکی کی تحریر کے ان دو پیراگراف کو ملا کر پڑھا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امریکن حکومت کو اپنی پبلک کو جنگ کے لیے قائل کرنے کے لیے "پرل ہاربر" جیسے کسی بڑے واقعے یا حادثے کی ضرورت تھی۔ برززنسکی کی کتاب کو ایک سابق سکیورٹی ایڈوائزر کی محض ایک کتاب کے طور پر نہیں لینا چاہئے۔ اگرچہ برززنسکی ڈیموکریٹ صدر جمی کارٹر کا ایڈوائزر تھا لیکن بش انتظامیہ اس کے خیالات اور مشوروں کو بہت اہمیت دیتی اور قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

یہ کوئی محض اتفاق یا حادثہ نہیں ہے کہ "نیو امریکن سنچری" کے متن میں بھی بالکل برززنسکی کی تین سال پہلے شائع ہونے والی کتاب جیسا متن پایا جاتا ہے۔ اگرچہ مصنف کی طرف سے "نیو پرل ہاربر" جیسے کسی واقع سے ظہور پذیر ہونے کو ملٹری کی جدید خطوط پر تنظیم کرنے کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ روائتی طور طریقوں سے ملٹری کی تنظیم نو کا کام بڑی سست روی سے انجام پائے گا اور کانگریس سے فنڈ حاصل کرنے میں بے شمار

Marfat.com

رکاوٹیں کھڑی کر جائیں گی لیکن "پرل ہاربر" جیسا کوئی تباہ کن اور ہیجان انگیز واقعہ پیش آنے کی ہنگامی صورت حال میں حکومت کانگریس سے فوری طور پر منہ مانگے فنڈز حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی اور عوام کی ہمدردیاں بھی حاصل کر لے گی۔ چنانچہ 9/11 کے حملوں نے حکومت کو "نیا پرل ہاربر" مہیا کر دیا اور امریکن انتظامیہ کے لیے اپنے ایجنڈے پر عمل درآمد کا جواز مل گیا۔

بالٹی مور میں مصنف اپنے گھر میں

Marfat.com

میزائل ڈیفنس اور خلائی پرل ہاربر

اس بات کا احساس کرنا ضروری ہے کہ ملٹری کے معاملات میں انقلاب کا مقصد خلاء میں ہتھیاروں کا ذخیرہ جمع کر کے اپنا غلبہ حاصل کرنا ہے۔اس مقصد کے لیے بے حد وحساب رقم کی ضرورت ہے جس کے لیے برززنسکی اور ''پروجیکٹ برائے نیو امریکن سنچری'' وکالت کرتے رہے ہیں۔ اس پروگرام کی مزید تفصیل ایک دستاویز جسے ''ویژن برائے 2020'' کا نام دیا گیا ہے۔ بیان کی گئی ہے جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

> ''یو۔ایس سپیس کمانڈ خلاء پر تسلط قائم کر کے ملٹری آپریشن کے ذریعے امریکی مفادات اور سرمایہ کاری کا تحفظ کرے گی''۔

دوسرے الفاظ میں اس کا بنیادی مقصد امریکن سرزمین کا تحفظ نہیں ہے بلکہ دنیا بھر میں امریکن سرمایہ کاری کو محفوظ بنانا ہے۔اس سے یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آج کی سپیس کمانڈ امریکی مفادات کی حفاظت کے لیے وہی کام سرانجام دے گی جو اب تک امریکن بحریہ انجام دیتی رہی ہے، یعنی سپیس کمانڈ امریکن سرمایہ داروں اور بالائی طبقوں کے تجارتی مفادات کے حفاظت کے فرائض انجام دے گی اور امریکی عوام اور ٹیکس دہندگان اس مقصد کے لیے ایک ٹریلین ڈالر ادا کرنے پر مجبور ہوں گے۔

''دستاویز ویژن 2020'' میں جو مقاصد بیان کیے گئے ہیں ان میں دنیا میں جمہوریت کا فروغ یا انسانیت کی فلاح و بہبود جیسے جذباتی نعرے بالکل نہیں ہیں۔ بلکہ بڑی وضاحت، صاف گوئی اور کسی لگی لپٹی کے بغیر کہا گیا ہے۔''دنیا کی اقتصادیات پر قبضہ جما کر امارت اور غربت کی تفریق کو بڑھایا جائے گا''۔ بالفاظ دیگر جیسے جیسے بین الاقوامی اقتصادیات پر امریکہ

Marfat.com

کی گرفت مضبوط ہو گی۔ غریب مزید غریب اور امیر مزید امیر ہوتا جائے گا۔ اس کے نتیجے میں دنیا بھر میں امریکہ کے خلاف نفرت پھیلے گی اور ہم اپنی خلائی قوت سے اسے کنٹرول کر سکیں گے۔ اس پروگرام کے وکیل اور مصنفین اسے گلوبل بیٹل سپیس"۔

ڈامیننس (Global Battlespace Dominance) کا نام دیتے ہیں۔ چونکہ یہ ٹرم امریکن عزائم کو بالکل ننگا کرتی تھی لہٰذا اب اسے بدل کر "فل سپیکٹرم ڈامیننس" (Full Spectrum Dominance) کا نام دے دیا گیا ہے۔ مقاصد اور عزائم وہی ہیں۔ اس نئی ٹرم کا مطلب زمین، سمندر اور فضا پر غلبہ حاصل کرنا ہے جو کہ امریکن ملٹری پہلے ہی حاصل کر چکی ہے، لیکن اب خلاء پر تسلط قائم کرنا بھی ہے۔ امریکہ کے اس جنونانہ اور وحشیانہ پروگرام پر بات کرتے ہوئے رچرڈ فاک کا کہنا ہے۔ "دنیا پر غلبے اور تسلط کا یہ جنون اور کوشش و جستجو سیاسی اور جغرافیائی طمع و لالچ کی انتہا ہے۔ اس کے خلاف آواز بلند کی جانی چاہئے اور اس پروگرام کو ختم ہونا چاہئے۔ اس سے پہلے کہ بہت زیادہ دیر ہو جائے"۔

اس پروگرام کے جس حصے پر بہت زیادہ بحث مباحثہ اور تبصرے ہوئے ہیں اس کا تعلق دفاعی معاملات سے پہلے صدر ریگن کے دورِ حکومت میں اسے "دفاعی حکمت عملی" کا نام دیا گیا تھا اور آج کل اس کو "میزائل ڈیفنس شیلڈ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان ناموں سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ صرف دفاعی نوعیت کا پروگرام ہے، لیکن یہ نام نہاد "شیلڈ" تین حصوں پر مشتمل پروگرام کا صرف ایک حصہ ہے، ایک دوسرے حصے کا تعلق خلاء میں جاسوسی کے آلات کی تنصیب سے ہے۔ جس کا مقصد کرۂ ارض کے کسی بھی حصہ پر موجود امریکہ کے دشمن کی نقل و حمل اور حرکات و سکنات کو بے اثر بنانا، نشاندہی کر کے تباہ کرنا ہے۔ یہ پروگرام پہلے ہی عملی صورت اختیار کر چکا ہے۔ تیسرے حصے کو "سٹار وار" کا نام دیا گیا ہے، جو اپنے تکنیکی نام کی نسبت زیادہ درست نام ہے۔ اس کا مقصد خلاء میں حقیقی اسلحہ کے انبار جمع کرنا ہے جس میں "لیزر گنیں" بھی شامل ہیں۔ یہ "لیزر گنیں" جارحانہ مقاصد کی حامل ہیں جیسا کہ تبصرے لکھا ہے۔ ان سے چلنے والا کروز میزائل صرف ایک پٹاخہ سا لگے گا۔ مصنوعی سیاروں کو لیزر اسلحہ سے لیس کرنے کا مقصد امریکہ کی کسی بھی مخالف یا ناپسندیدہ طاقت کے مصنوعی سیاروں کو خلاء میں داخل ہونے سے پہلے نیست و نابود کر دینا

Marfat.com

ہے۔ دوسرے لفظوں میں خلاء میں اپنی اجارہ داری قائم کر کے دیگر ممالک کو خلاء کے استعمال سے زبردستی روکنا ہے۔ یو۔ ایس۔ سپیس کمانڈ کے ایک "لوگو" میں اسے "خلاء سے تمہارے منہ پر طمانچہ" کا جارحانہ نام دیا گیا ہے۔

اس دستاویز میں نہایت ڈھٹائی سے نہ صرف ان جارحانہ عزائم کا برملا اظہار کیا گیا ہے۔ بلکہ ان میں یہ بھی کہا گیا ہے۔

"سرد جنگ کے خاتمے کے بعد کچھ ممالک امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے لیے خطرات کا باعث بنتے جا رہے ہیں، جیسے عراق، ایران اور شمالی کوریا، جو تباہ کن ہتھیار تیار کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ وہ روایتی ہتھیاروں کے علاوہ کیمیاوی اور ایٹمی ہتھیار تیار کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں اگر ایسی کسی کمزور بدمعاش ریاست کی طرف سے امریکہ پر حملہ کر دیا جائے تو بڑی گمبھیر صورت حال پیدا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اپنے بچاؤ کے لیے امریکہ کے لیے پیش بندی کے طور پر دفاعی میزائل سسٹم قائم کرنا ضروری ہے"۔

دوسرے الفاظ میں "میزائل ڈیفنس شیلڈ" کا بظاہر مقصد امریکہ کو بیرونی حملے سے محفوظ رکھنا ہے لیکن حقیقت میں اس کا مقصد ان کمزور ممالک کو امریکی حملے کے وقت اپنی دفاعی قوت سے محروم کرنا ہے۔ اسی لیے بعد ازاں صدر بش نے ایران، عراق اور شمالی کوریا کو اپنے ایک بیان میں "برائی کی محوری طاقتیں" کے لقب سے یاد کیا تھا تا کہ وہ امریکہ پر حملے کے خلاف مزاحمتی طاقت حاصل نہ کر سکیں اور اپنے دفاع کے لیے جدید ہتھیار تیار کرنے سے باز رہیں۔

اس پروجیکٹ میں امریکن ملٹری کے جارحانہ عزائم کی جو تفصیل درج ہے، وہ بش انتظامیہ کی طرف سے سال 2002ء میں "نیشنل سیکورٹی سٹریٹجی" کے نام سے شائع کردہ پلان کے عین مطابق ہے۔ جس میں امریکی دفاع کی تعمیر نو کے زیر عنوان کہا گیا ہے۔

"ہمارا بہترین دفاع، بہترین جارحانہ کارروائی ہے"۔

اس جارحانہ پالیسی کا سب سے اہم حصہ بری، بحری، ہوائی حملے کے علاوہ پوری قوت سے سپیس فورس حملہ سے خلاؤں سے تباہی پھیلانا ہے۔

Marfat.com

جنوری 2001ء میں سیکرٹری دفاع بننے سے تھوڑا عرصہ پہلے ہی ڈونلڈ رمسفیلڈ نے کمیشن کے چیئرمین کی حیثیت سے "یو۔ایس نیشنل سکیورٹی اور سپیس مینجمنٹ آرگنائزیشن" تکمیل کا کام مکمل کیا تھا۔ اس کمیشن نے، جسے "رمسفیلڈ کمیشن" کا نام دیا گیا تھا، جنوری کے دوسرے ہفتے میں اپنی رپورٹ شائع کی تھی۔ اس رپورٹ میں پیش کردہ سفارشات کا بنیادی مقصد "دوسری قوتوں کے مقابلے میں اپنی قوت کو مناسب حد تک بڑھانا" تھا۔ اس کے علاوہ اے۔بی۔ایم (A.B.M) معاہدے کی تنسیخ کی بھی وکالت کی گئی تھی چنانچہ بش انتظامیہ نے بلاتاخیر اس سفارش کو منظور کرتے ہوئے یکطرفہ طور پر "اینٹی بلاسٹک میزائل" معاہدے کو منسوخ کر دیا۔ رمسفیلڈ کی اس رپورٹ میں اور بھی بہت سی سفارشات کی گئی تھیں جن میں دفاعی امور کے بارے میں بہت سی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ دوسری دفاع افواج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کو سپیس کمانڈ کے ماتحت لانا تھا۔ ایسی اہم اور بنیادی تبدیلیوں سے دوسری مسلح افواج میں ناراضگی، مزاحمت اور بے چینی پیدا ہو سکتی تھی۔ رپورٹ میں کہا گیا تھا۔

> "تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ وارننگ سائن کو قابل توجہ نہ سمجھا گیا اور تبدیلیوں کی مزاحمت کی گئی تاوقتیکہ کوئی "بعید از قیاس" قسم کا واقعہ پیش آ گیا اور بروکریسی کی مزاحمت دم توڑ گئی اور تبدیلی عمل میں آ گئی۔ سوال یہ ہے کہ آیا یو۔ایس خلائی خطرات کی پیش بندی کے لیے کوئی فوری اور دانشمندانہ اقدام کرے گا۔ یا۔ ماضی کی طرح ہمیں اپاہج اور لاچار کر دینے والے "سپیس پرل ہاربر" جیسے حملے کا انتظار کیا جائے گا جس سے ہمارے ملک اور عوام کی تباہی ہو اور لوگوں میں ہیجان پیدا ہو تو تب ہی امریکن حکومت کوئی اقدام کرے گی"۔

ہمیں بش انتظامیہ میں موجود ایک اور مرکزی اہمیت کی شخصیت کا خیال آتا ہے جس نے کہا تھا کہ عوام میں جوش و جذبہ بیدار کرنے کے لیے "پرل ہاربر" جیسے کسی بڑے سانحے کی ضرورت ہے۔

یہ رپورٹ 11 جنوری 2001ء کو یعنی ٹھیک نو ماہ قبل جاری کی گئی تھی جب یو۔ایس پر فضاء سے حملہ ہوا جسے یو۔ایس کی دفاعی قوت روکنے میں بری طرح ناکام رہی اور اس حملے کے نتیجے میں امریکہ میں "عدم تحفظ" کا احساس بیدار ہو گیا۔ اس کمیشن کا وہ چیئرمین جس

Marfat.com

نے یہ رپورٹ تیار اور جاری کی تھی، اس وقت ایسی پوزیشن (سیکرٹری ڈیفنس) میں تھا کہ ان حملوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے خلائی خطرات کے تحفظ کے لیے اقدامات کر سکے اور اپنے خیالات اور ارادوں کو عملی جامہ پہنا سکے۔ رمسفیلڈ نے اپنی پریس کانفرنس میں، جو 9/11 کو 6:42 بجے شروع ہوئی ڈیموکریٹک سینٹر کارل لیوین، جو اس وقت سینٹ کی آرمڈ سروسز کمیٹی کے چیئرمین تھے، کے خلاف خوب دھمکی آمیز زبان استعمال کی (بش انتظامیہ کے شروع کے مختصر دور میں سینٹ میں ڈیموکریٹ ممبران دفاعی امور پر حاوی تھے) ۔ رمسفیلڈ نے براہ راست نشر ہونے والی پریس کانفرنس میں کہا۔

> "سینٹر لیوین! آپ اور دوسرے ڈیموکریٹ ممبران اس بات پر شور وغوغا کرتے ہیں کہ تمہارے پاس پنٹاگان کے بڑھتے ہوئے اخراجات اور خلائی دفاع کے لیے پیسہ نہیں ہے۔ خلائی دفاع کے میزائل پروگرام کے لیے آپ سوشل سکیورٹی کے فنڈ میں رقم مہیا کریں (خیال رہے سوشل سکیورٹی کی رقم ضعیف العمر لوگوں کی امانت ہوتی ہے) کیا اب بھی آپ کو یقین نہیں ہے ملک میں ہنگامی حالات پیدا ہو چکے ہیں۔ کیا اب بھی آپ دفاعی بجٹ میں اضافہ کرنے سے انکاری ہیں۔ میں آپ سے کہتا ہوں دفاعی بجٹ میں فوراً اضافہ کریں اور سوشل سکیورٹی سے ملک کے دفاع کے لیے رقم مہیا کریں اور دفاعی اخراجات میں اضافہ کریں"۔

اس سے یہ ظاہر تو نہیں ہوتا کہ 9/11 کے حملوں نے رمسفیلڈ کو وہ سب کچھ مہیا کر دیا جس کی اسے "سپیس پرل ہاربر" کے لیے ضرورت تھی لیکن اس نے اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے اس موقع سے بھرپور طریقے سے فائدہ اٹھانے کی تیاری کر لی۔

مزید براں اگر یو۔ ایس اہلکار 9/11 کے حملوں کو کامیاب اور مکمل کرانے کے لیے ہر ممکن سہولیات مہیا کرنے میں ملوث تھے، اس لیے نہ صرف رمسفیلڈ اکیلا ہی "سپیس کمانڈ" کے منصوبے میں بہت زیادہ دلچسپی رکھتا تھا بلکہ اس کا بنیادی وکیل موجودہ کمانڈر جنرل رالف، ای اے برہارٹ، جو 9/11 کو "نوراڈ" کا کمانڈر تھا جو اس روز ایئر کمانڈ کا انچارج تھا (جس کی ذمہ داری اغوا شدہ جہازوں کو راستے میں روکنا اور ناگزیر حالات میں تباہ کرنا شامل تھا لیکن اس نے بوجوہ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی) تیسرا شخص جو "سپیس

Marfat.com

کمانڈ'' منصوبے کا زبردست حامی تھا وہ جنرل رچرڈ مائر تھا جو عنقریب چیئرمین آف جائنٹ چیفس آف سٹاف بننے والا تھا اور جو 9/11 کو قائمقام چیئرمین کے طور پر کام کر رہا تھا اور پہلے یہی جنرل ''سپیس کمانڈ'' منصوبے کا سربراہ تھا اور اسے عرف عام میں ''سٹار وار کمانڈر'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ وہ ''ویژن 2020'' کے منصوبے کی تحریر کے وقت اس کا انچارج بھی تھا۔ یہ اس بات کا زبردست حامی تھا کہ خلاء پر امریکہ کا مکمل اور بلا شرکت غیرے کنٹرول حاصل کر کے دنیا بھر میں امریکی سرمایہ کاری کو محفوظ اور امارت اور غربت میں واضح فرق پیدا کیا جائے (یعنی امیروں کو بے تحاشا امیر اور غریبوں کو غربت کی انتہائی نچلی سطح پر پہنچا دیا جائے) اس تناظر میں یہی تین شخصیات ''سپیس فورس'' منصوبے کی سب سے نمایاں حامی نظر آتی ہیں اور اغلباً یہی شخصیات 9/11 کے روز اغواء شدہ جہازوں کو روکنے یا فضاء میں تباہ کرنے کے لیے ایئر فورس کو ''سٹینڈ ڈاؤن'' (غیر متحرک) رکھنے میں بھی ملوث نظر آتی ہیں۔

اس باب میں جن شواہد کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ بش انتظامیہ اور پنٹاگان کو 9/11 کے حملوں نے نہ صرف افغانستان اور عراق پر پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق حملہ کرنے کا فوری جواز فراہم کر دیا بلکہ ان کے خلاء میں ہتھیار جمع کرنے کی دیرینہ خواہش کی بھی تکمیل کر دی۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وائٹ ہاؤس کو ان حملوں کی پہلے سے خبر تھی تا کہ وہ موسم سرما کی برفباری سے پہلے افغانستان پر (پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق) جارحانہ حملہ کر سکیں۔ بعض شواہد سے تو ان حملوں کی منصوبہ بندی میں وائٹ ہاؤس براہِ راست ملوث نظر آتا ہے۔ بڑی حد تک یہ ممکن ہے کہ وائٹ ہاؤس کی بعض اہم شخصیات ان حملوں کی منصوبہ بندی میں شریک نہ ہوں لیکن ان کے علم میں یہ بات ضرور تھی کہ کچھ دوسرے لوگ اس قسم کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ انہوں نے خاموش رہ کر اس بات کو ممکن بنایا کہ ان حملوں کو روکا نہ جائے۔ کیونکہ وائٹ ہاؤس ''نیو پرل ہاربر'' کے اس حادثے کو کسی صورت میں ناکام ہوتے ہوئے دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

ایک مثال: آپریشن نارتھ ووڈ

اب تک جو شواہد سامنے آئے ہیں اور جو حقائق بیان ہوئے ہیں وہ 9/11 کے حملوں

Marfat.com

میں خود یو۔ ایس گورنمنٹ امریکی انٹیلی جنس ایجنسیوں پنٹاگان اور وائٹ ہاؤس کو ملوث ثابت کرتے ہیں، لیکن شواہد اور حقائق خواہ کتنے ہی مضبوط اور نا قابلِ تردید ہوں، امریکن عوام کی اکثریت کبھی یہ ماننے کو تیار نہیں ہوگی کہ ان حملوں کی سازش ملک کے اندر ہی تیار کی گئی تھی اور اس میں امریکی حکمران ملوث ہو سکتے ہیں۔

امریکن پریذیڈنٹ، وائس پریذیڈنٹ، ان کی کابینہ، یو۔ایس انٹیلی جنس ایجنسیوں اور یو۔ ایس ملٹری قیادت کی بنیادی ذمہ داری اپنے ملک اور عوام کی حفاظت ہے۔ 9/11 کے بارے میں سرکاری طور پر بیان کردہ کہانی میں خواہ کتنے ہی جھول ہوں اور بعض اہم سوالوں کے جواب نہ ملیں، امریکن پبلک کبھی یہ تصور نہیں کر سکتی کہ ان کے سیاسی رہنما 9/11 کے حملوں کی کامیابی میں ملوث یا خود ان کی منصوبہ بندی میں شامل ہو سکتے ہیں، قطع نظر اس بات کے کہ ''نیو پرل ہاربر'' سے ملٹری اور سیاسی قیادت کو کس قدر فائدہ پہنچا، امریکہ میں یہ سوچا ہی نہیں جا سکتا کہ یہی ملٹری اور سیاسی قیادت اس حادثے کی ذمہ دار ہے ہم امریکن لوگ اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ اس قسم کی سب کہانیاں ایک سازش کے تحت گھڑی گئی ہیں۔ ہماری ملٹری اور سیاسی قیادت کبھی اس قسم کی گھناؤنی حرکت نہیں کر سکتی۔

1962ء میں ایک منصوبہ تیار کیا گیا تھا جس سے ہمیں ایک مثال ہاتھ آ جاتی ہے۔ اس منصوبے کا حال ہی میں جاری کیے گئے ان خفیہ دستاویزات سے پتہ چلتا ہے جو اب سرکاری راز نہیں رہے۔ اس منصوبے کا پس منظر اس وقت کے صدر آئزن ہاور کی سی۔ آئی۔ اے کو یہ درخواست تھی کہ وہ کوئی ایسا پلان تیار کرے جس کو بہانہ بنا کر کیوبا کے خلاف جارحانہ حملہ کر کے اس پر قبضہ کیا جا سکے۔ یہ آئزن ہاور کی صدارت کے آخری دنوں کا واقعہ ہے۔ سی۔ آئی۔ اے نے جو پلان تیار کیا اس کا نام ''کاسٹرو حکومت کے خلاف خفیہ پروگرام'' رکھا گیا۔ اس کا بنیادی مقصد کاسٹرو کی حکومت کو ختم کر کے کسی ایسی نئی حکومت کو کیوبا کے اقتدار پر بٹھانا تھا جو امریکی نقطہ نظر سے کیوبا کے لوگوں کے لیے زیادہ قابل قبول اور امریکہ کے لیے مثبت طرز عمل کی حامل ہو اور اس منصوبے کو اس طرح عملی جامہ پہنایا جائے کہ کسی بھی طرح اس میں امریکہ کے ملوث ہونے کا ثبوت نہ مل سکے۔ آئزن ہاور نے سی۔ آئی۔ اے کے اس منصوبے کی منظوری دے دی تھی، لیکن اگلے امریکن صدر کینیڈی نے سی۔ آئی۔ اے کے اس منصوبے کی منظوری دی جو بے آف پگز (Bay of Piggs) کے نام سے مضحکہ خیز ناکامی سے دوچار ہوا۔ چنانچہ صدر

Marfat.com

نے یہ ذمہ داری سی۔آئی۔اے سے لے کر محکمہ دفاع کے حوالے کر دی۔ چنانچہ 1962ء کے آغاز میں امریکن افواج کے چیئر مین آف جائنٹ چیفس آف سٹاف جنرل لائی مین لمینزر (Lyman Lemnitzer) نے صدر کینڈی کو جو منصوبہ پیش کیا اس کا نام ''آپریشن نارتھ ووڈ'' رکھا گیا تھا۔

فائل کے اوپر جو عنوان دیا گیا وہ تھا۔ ''میمورنڈم برائے سیکرٹری دفاع''۔ اس پر تمام جائنٹ آف چیفس نے دستخط کیے تھے اور اسے ''انتہائی خفیہ دستاویز'' قرار دیا گیا تھا۔ اس میں لکھا گیا تھا۔ ''وہ جواز یا بہانہ جو امریکن ملٹری کے لیے کیوبا میں مداخلت کی بنیاد فراہم کرتا ہے''۔ میمورنڈم آف چیفس آف آپریشن کے مطابق کیوبا کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈے کے ذریعے ایسا ماحول پیدا کیا جائے گا جس سے ظاہر ہو کہ کیوبا کی حکومت انتہائی غیر ذمہ دار، ناقابل اعتبار اور اپنے عوام پر ناقابل بیان مظالم ڈھا رہی ہے اس طرح امریکن خفیہ عزائم کو مخفی رکھتے ہوئے عالمگیر سطح پر اور اقوام متحدہ میں کیوبا کے خلاف جذبات برانگیختہ کیے جائیں گے اور کیوبا کو ویسٹ ہمپشائر کے لیے فوری خطرہ ظاہر کرتے ہوئے امریکی مداخلت کو ضروری اور فوری قرار دیا جائے گا۔

اس منصوبے میں ایسی ہنگامی صورت حال پیدا کرنے کے لیے متعدد اقدامات تجویز کیے گئے تھے۔ مثال کے طور پر میامی کے علاقے میں کیوبا کی طرف سے دہشت گردی کے واقعات پیدا کیے جائیں گے۔ اسی قسم کے واقعات فلوریڈا کے دیگر شہروں اور حتیٰ کہ واشنگٹن تک میں ''رونما'' ہوں گے۔ کیوبا سے فلوریڈا کی طرف آنے والے مہاجرین کے خلاف پابندیاں عائد کر دی جائیں گی۔ آپ ان سب چیزوں کو اس تناظر میں دیکھیں کہ 9/11 کو حقیقتاً کیا ہوا تھا''۔ ایک خیال یہ بھی تھا۔

''یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا حادثہ پیدا کیا جائے جس سے ظاہر ہو کہ کیوبا نے ایک چارٹرڈ سویلین ہوائی جہاز کو میزائل یا بم مار کر گرا لیا ہے اور دنیا اس کو حقیقت تسلیم کر لے۔ اس جہاز کا مجوزہ روٹ کیوبا کے اوپر سے گذرنا ظاہر کیا جائے اور مسافروں کو ایسے طالب علم ظاہر کیا جائے جو کالج کی چھٹیوں میں سیر و تفریح کی غرض سے کسی تفریحی مقام کی طرف محوِ پرواز تھے۔

Marfat.com

سی۔آئی۔اے کا ملکیتی ایک ہوائی جہاز اگلن ایئرفورس بیس پر
اس طریقے سے پینٹ کیا جائے گا اور اس پر سول ہوائی جہاز کے
رجسٹریشن نمبر اس طریقے سے لگائے جائیں گے کہ وہ ہو بہو میامی ایریا کی
کسی ہوائی کمپنی کا جہاز دکھائی دے۔ایک مقررہ وقت پر نہایت رازداری
کے ساتھ یہ ڈپلیکیٹ ہوائی جہاز ایسے منتخب مسافروں سے بھرا جائے گا
جن کے سب نام جعلی ہوں گے۔اصلی سویلین جہاز کو ''ڈرون'' میں
تبدیل کردیا جائے گا (ایسا جہاز جو بغیر پائلٹ اور مسافروں کے ریموٹ
کنٹرول کے ذریعے اُڑایا جاتا ہے) اصلی اور ڈپلیکیٹ جہاز ایک ہی
وقت میں ہوائی اڈے سے پرواز کریں گے۔ڈپلیکیٹ جہاز کم سے کم
بلندی پر اُڑتے ہوئے واپس اِگلن ایئرفورس بیس پر اُتر جائے گا جہاں
مسافروں سے خالی کرنے کے بعد اس کو اصل شکل میں تبدیل کردیا جائے
گا۔''ڈرون'' فلوریڈا سے جنوب کی طرف اصلی پلان کے مطابق اپنی
پرواز جاری رکھے گا۔کیوبا کے اوپر پہنچ کر ''ڈرون'' انٹرنیشنل فریکونسی پر
(پہلے سے ریکارڈ شدہ) ہنگامی صورت حال اور فوری مدد (مے ڈے)
کے پیغام نشر کرنا شروع کردے گا اور بتائے گا کہ اس پر کیوبا ایئرفورس
کے مگ ہوائی جہاز حملہ آور ہو رہے ہیں۔پھر اچانک جہاز کے پھٹنے کی
آواز سنائی دے گی اور ریڈیو سگنل آنے بند ہو جائیں گے۔

ایسے سازشی منصوبے کے بعد اگرچہ اخبارات میں ''مرنے والوں'' میں فہرست شائع کی جائے گی تاکہ لوگوں کے جذبات کو برانگیختہ کیا جاسکے، لیکن حقیقت میں کسی کی بھی جان ضائع نہیں ہوئی ہوگی، لیکن اس قسم کے سب منصوبوں میں ایسا نہیں ہوتا رہا۔مثال کے طور پر کیوبا کے مہاجرین کی کشتی کی غرقابی، بعض منصوبوں کی تکمیل کے لیے امریکہ نے خود اپنے لوگوں کو بھی مروایا ہے۔اس سلسلے میں ''مین'' کے واقعے کی مثال دی جاسکتی ہے جبکہ امریکہ نے خود اپنا ایک بحری جہاز'' گوانتانامو بے'' (موجودہ دور کی بدنام زمانہ جیل یا عقوبت خانہ) میں بم مار کر غرق کردیا اور الزام کیوبا پر لگا دیا۔

صدر کینیڈی نے اگرچہ اپنے تمام چیفس آف سٹاف کے دستخطوں سے پیش کیا ہوا

Marfat.com

منصوبہ رد کر دیا تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صدر امریکہ کے لیے لازمی نہیں ہے کہ ملٹری قیادت کی طرف سے پیش کردہ ہر منصوبے پر صاد کرے، لیکن امریکہ کے مختلف صدور اپنے اپنے وقت میں مختلف مؤقف اختیار کرتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر 1890ء کے شروع میں صدر گروور کلیویلنڈ (Grover Cleveland) نے ''ہوائی'' کو امریکہ میں ضم کرنے کا منصوبہ نامنظور کر دیا تھا کیونکہ اس کے وزیر خارجہ (سیکرٹری آف سٹیٹ) نے اس خیال کو ''خود غرضانہ'' ''باعث ننگ و عار'' قرار دیا تھا اور اس منصوبہ کو قابل مذمت مہم جوئی سے تعبیر کیا تھا، لیکن یہی منصوبہ اگلے صدر ولیم میک کنلی (William Mckwly) نے منظور کر لیا تھا (اسی صدر نے مین (Maine) کے حادثے کو سپین کے خلاف جنگ کے جواز کے طور پر استعمال کرتے ہوئے کیوبا، پورٹوریکو اور فلپین پر قبضے کے لیے استعمال کیا تھا) اگرچہ ''بے آف پگ'' کی مہم کی شرمناک ناکامی کے بعد، خاص حالات اور خاص وقت میں پریذیڈنٹ کینیڈی نے اپنے چیفس آف سٹاف کا پیش کردہ پلان رد کر دیا تھا، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ سب امریکن صدور اپنے سیاسی اور جغرافیائی مفادات کے حصول میں مددگار ثابت ہونے والے ایسے سازشی منصوبے ہمہ وقت رد کرتے رہے ہوں۔ بعض صدور نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے معصوم زندگیوں بلکہ امریکنوں کی جانیں بھی قربان کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔

اس بات میں جو شواہد پیش کئے گئے ہیں ان سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ 9/11 کے بعد امریکہ کی جنگ ''بین الاقوامی دہشت گردی'' کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ دوسرے ملکوں پر بزور طاقت قبضے کرنے کی جنگ ہے اور امریکن عوام کو ان کی حکومت کی طرف سے 9/11 کے حادثے کو جواز بنا کے دھوکہ دیا جا رہا ہے اور ان کے سامنے مسلسل جھوٹ بولا جا رہا ہے۔ اگلے باب میں ہم اسی قسم کی سازشوں کی کچھ مزید شہادتیں پیش کریں گے۔

Marfat.com

ہم گزشتہ ابواب میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ 9/11 کے ''نئے پرل ہاربر'' کے حادثے نے امریکی انتظامیہ کے پہلے سے طے شدہ ایجنڈے کی تکمیل میں آسانیاں پیدا کر دیں اور جیسا کہ ہم پچھلے باب میں لکھ چکے ہیں کہ امریکہ کے لیے افغانستان اور عراق پر حملے کا فوری بہانہ ہاتھ آگیا۔ اس باب میں ہم 9/11 کے بعد امریکن حکام کی طرف سے مسلسل بولے جانے والے جھوٹ کی قلعی کھولنے کی کوشش کریں گے۔

اُسامہ بن لادن اور القاعدہ کو کچلنے کی کوششوں کے خلاف مسلسل مزاحمت

احمد اور تھامپسن نے اس سلسلے میں بہت زیادہ ثبوت فراہم کیے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بظاہر صدر بش کے اپنے الفاظ میں افغانستان پر جنگ مسلط کرنے کا بنیادی مقصد اسامہ بن لادن کو ''زندہ یا مردہ'' پکڑنا اور القاعدہ کا خاتمہ کرنا تھا لیکن حقیقی مقصد کچھ اور ہی تھا۔ ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ امریکی حکام اور ملٹری کمانڈرز نے اسامہ کے انتہائی قریب پہنچنے کے باوجود اسے بچ نکلنے کے مواقع فراہم کیے اور القاعدہ کو زندہ رکھا۔

مثال کے طور پر کابل کے بے شمار باشندے اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ نومبر 2001ء کے شروع کی ایک شب القاعدہ کے مجاہدین اور ان کے تمام چوٹی کے رہنما، انتہائی کامیابی کے ساتھ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ کابل کے ایک تاجر کا بیان ہے:

''ہمیں یہ بات سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ سب لوگ (اسامہ اور القاعدہ قیادت) مارے کیوں نہیں گئے جب کہ وہ تقریباً ایک ہزار کاروں اور ٹرکوں پر مشتمل ایک بڑے قافلے کی صورت میں روانہ ہوئے تھے۔ ایک نہایت تاریک رات تھی لیکن امریکن ہوائی

Marfat.com

جہازوں کے پائلٹوں کے لیے گاڑیوں کی جلتی ہوئی ہیڈ لائٹوں کو دیکھنا کچھ مشکل نہ تھا۔ بڑی شاہراہ اس قافلے کی گاڑیوں کی وجہ سے رات آٹھ بجے سے صبح تین بجے تک بالکل جام تھی"

تھامپسن اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ "اس وقت امریکہ کے تمام خلائی جاسوس سیاروں کی پوری توجہ کابل اور گردونواح پر فوکس تھی یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ اتنی بڑی جمعیت امریکہ کے علم کے بغیر ہی شہر سے فرار ہوگئی؟"

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نومبر کے شروع میں امریکن انٹیلی جنس ایجنسیوں نے حکام کو اطلاع دی تھی کہ القاعدہ کے جنگجو اور ان کی تمام قیادت جلال آباد پہنچ چکی ہے اور اسامہ خود بھی یہیں آچکا ہے۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ نائٹ رائڈر اخبار کے حوالے سے پڑھئے۔

"امریکن خفیہ ایجنسیوں کے تجزیہ کار اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اسامہ اپنے ہمراہیوں اور جمعیت کے ساتھ بارڈر پار کرنے کی تیاری کر رہا ہے، لیکن یو، ایس سنٹرل کمانڈ، جو افغانستان میں جنگ لڑ رہی تھی۔ اسامہ کے فرار کو روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ نومبر کے شروع سے ہی یہ امکان ظاہر کیا جارہا تھا کہ یہ علاقہ پاکستان کی طرف فرار ہونے کے لیے محفوظ ترین راستہ ہوگا،" "ایک انٹیلی جنس آفیسر نے اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر اخبار کو بتایا۔" "ہم (خفیہ ادارے) خود بھی حیران و پریشان تھے کہ سب کچھ جانتے بوجھتے کے باوجود کوئی پیش بندی کیوں نہیں کی گئی"۔

اس کے کچھ ہی دیر بعد 14 نومبر کو شمالی اتحاد نے جلال آباد پر قبضہ کرلیا۔ اسی رات سینکڑوں کاروں پر مشتمل ایک بڑا قافلہ جس میں ایک ہزار سے زائد القاعدہ اور طالبان رہنما اور جنگجو اور یقینی طور پر بشمول اسامہ بن لادن، جلال آباد سے فرار ہو کر "تورا بورا" کے قلعے میں پہنچ گیا۔ امریکن ائیر فورس نے جلال آباد ائیر پورٹ پر بمباری کی لیکن قافلے پر نہیں۔

16 نومبر کو تورا بورا پر امریکی بمباری سے بچنے کے لیے چھ صد کے قریب القاعدہ اور طالبان بشمول اعلیٰ قیادت طویل خفیہ پہاڑی راستوں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ تورا بورا سے پاکستان جانے کے لیے دو راستے ہیں، امریکن جہازوں نے صرف ایک ہی راستے پر بمباری کی جبکہ چھ صد افراد دوسرے راستے سے بحفاظت بچ نکلنے میں کامیاب رہے۔ سینکڑوں دوسرے افراد اسی محفوظ راستے کو آئندہ کئی ہفتوں تک پاکستان کی طرف

Marfat.com

فرار کے لیے استعمال کرتے رہے۔اس نے راستے کو بند کرنے کی نہ تو امریکہ نے کوشش کی اور نہ ہی پاکستانی بارڈر کے حفاظتی دستوں نے۔ایک افغانستان انٹیلی جنس آفیسر نے بتایا کہ وہ اس بات پر حیران تھا کہ امریکہ نے اس راستے کو بند کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی اور اپنی فوج ادھر تعینات کیوں نہیں کی۔

''اخبار ٹیلی گراف '' نے بعد ازاں لکھا۔''اگر ہم تورا بورا میں ہونے والی پچھلی جنگ اور اس میں حصہ لینے والے مختلف افراد کے بیانات کا جائزہ لیں تو یہ جنگ ایک بہت بڑا معمہ یا نہ سمجھ آنے والی پہیلی کا کوئی حصہ ہی نظر آتی ہے''۔اس تمام ڈرامے کے چشم دید گواہوں کو اس بات پر شدید صدمہ پہنچا کہ امریکن افواج نے تین اطراف میں اس خیال سے خوب بمباری کی کہ وہاں ان کے خیال میں القاعدہ اور طالبان کی اعلیٰ قیادت موجود تھی جبکہ پاکستان کو جانے والا راستہ محفوظ رہنے دیا۔افغانستان کی نئی حکومت کے ایک انٹیلی جنس چیف نے کہا۔''پاکستان کے ساتھ ملنے والی سرحد سب سے اہم تھی،اسی طرف کسی نے توجہ نہیں دی''۔

فیٹ ول نارتھ کرولینا میں تعینات سپیشل فورس کے ایک فوجی نے بعد میں بتایا کہ 28 نومبر کو بن لادن کی تورا بورا میں موجودگی کا سراغ لگا تھا کہ وہ ایک غار میں موجود ہے لیکن اس پر کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔جب سپیشل فورس کے جوان حکم کا انتظار کر رہے تھے کہ دو ہیلی کاپٹر اس علاقے میں پرواز کرتے نظر آئے جہاں اسامہ کی موجودگی کا خیال تھا۔انہوں نے مسافروں کو سوار کیا اور پاکستان کی سمت نکل گئے''۔یہ بیان جو فوجی جوان نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر دیا،نہایت قابل اعتماد تھا کیونکہ بعد ازاں ''نیوز ویک'' نے بھی تصدیق کی کہ بہت سے تورا بورا کے باشندوں نے دعوے سے کہا کہ'' کالے رنگ کے پُراسرار ہیلی کاپٹر رات کے وقت پہاڑوں کے اوپر نہایت نیچی پرواز کرتے ہوئے علاقے میں آئے اور القاعدہ کی اعلیٰ قیادت کو اٹھا کر لے گئے''۔

یہ بھی شاید ایک اتفاقی اور پُراسرار حادثہ ہی ہے کہ جس روز یہ کہانی منظرِ عام پر آئی، اس روز سپیشل فورس کے افغانستان سے واپس آ کر فیٹ ول میں تعینات ہونے والے پانچ میں تین جوان اپنی بیویوں سمیت مردہ پائے گئے۔جن کی موت کو خودکشی ظاہر کیا گیا۔

دسمبر 2001ء میں افغانستان کی نئی حکومت کے وزیر داخلہ یونس قانونی نے دعویٰ کیا

Marfat.com

کہ بن لادن کے افغانستان سے زندہ بچ نکلنے میں آئی، ایس، آئی پاکستان کی انٹیلی جنس سروس نے مدد فراہم کی تھی سرکاری سطح پر اس دعویٰ کو بہت زیادہ اہمیت دی جانی چاہیے تھی کیونکہ 9/11 کے بعد بش انتظامیہ پاکستان کو اپنا اتحادی خیال کرتی تھی اور پاکستان ہر سطح پر القاعدہ اور طالبان کے خلاف امریکی کارروائیوں میں تعاون کر رہا تھا۔

دراصل امریکن حکومت کو اسامہ کے قتل یا زندہ پکڑے جانے میں کوئی دلچسپی نہ تھی، جس کا اظہار صدر بش نے مارچ 2002ء میں اپنے ان الفاظ میں کیا تھا۔ ''وہ ایک ایسا شخص ہے جسے اب کھڈے لگا دیا گیا ہے۔ میں اب زیادہ وقت اس کی طرف دھیان نہیں دیتا ہوں۔ اب میں حقیقتاً اس کی طرف سے فکر مند نہیں ہوں''۔

اب یہ شبہات کہ افغان جنگ بن لادن کے بارے میں نہیں تھی، جیسا کہ بش کے اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے۔ اس بیان کے ایک ماہ بعد تھامپسن کے بیان کے مطابق، جنرل رچرڈ مائر نے کہا۔ ''ہمارا مقصد کبھی بھی اسامہ بن لادن کو پکڑنا نہیں تھا''۔ ایک اور امریکن اعلیٰ عہدیدار نے مزید انکشاف کرتے ہوئے بیان دیا:

''اگر خوش قسمتی سے اسامہ بن لادن ابتداء میں ہی پکڑا جاتا تو عالمی سطح پر ہماری وہ کوششیں اور مقاصد بیکار ہو جاتے جن کی خاطر افغانستان جنگ شروع کی گئی تھی''۔ اس کی مزید تشریح جارج مونبیوٹ نے اپنے اس مضمون میں کر دی ہے جو 9/11 کے صرف ایک ہفتہ بعد لکھا گیا تھا۔

''اگر اسامہ کرۂ ارض پر کہیں موجود نہ بھی ہوتا تو (افغانستان پر حملے کے لیے) ضروری تھا کہ پیدا کر لیا جاتا۔ گزشتہ چار سال کے عرصے میں جب بھی کسی امریکن صدر کو دفاعی بجٹ میں اضافے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یا اسلحہ پر پابندیوں کے معاہدوں کی تنسیخ کے لئے ضرورت پڑی، اسامہ ہی کا نام استعمال کیا گیا۔ اسی کے نام کو صدر بش نے اپنے میزائل ڈیفنس پروگرام کے لیے استعمال کیا ہے۔ اب اسامہ کا نام ایک ایسی ''برائی کی علامت'' کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کے خلاف صلیبی جنگ ''اچھائی کی قوتوں'' کے لیے لازمی قرار دی جا رہی ہے۔ اس ناقابل شناخت دہشت گرد چہرے کے پیچھے مغربی حکومتوں کے اپنے گھناؤنے مقاصد ہیں۔ جو اسامہ کے نام سے اپنے عوام کو ہمہ وقت خوفزدہ رکھتے ہیں۔ کئی بلین پونڈ کے وہ دفاعی اخراجات خطرے میں پڑ سکتے ہیں اگر

Marfat.com

بدمعاش ریاستوں اور دہشت گردوں کا ہوا نہ کھڑا کیا جائے۔ یہ تو مغربی حکومتوں کا ایک نہایت قیمتی اثاثہ ہیں نہ کہ ان کے لیے بوجھ اور خطرہ''۔

مونبیوٹ کے بیان کو اگر امریکن حکام کے بیان سے ملا کر پڑھا جائے تو صاف نتیجہ سامنے آجاتا ہے کہ بن لادن کو پکڑنے کی مہم ''ناکام'' کیوں رہی ہے۔

پاکستان کی آئی،ایس،آئی(ISI) کے کردار کی پردہ پوشی

جیسا کہ ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ امریکن سی،آئی،اے اور اس کی حلیف پاکستان کی آئی،ایس،آئی نے 1990ء کی دہائی میں طالبان کی تنظیم کو بنانے اور اسے (افغانستان میں) کامیاب کرانے میں مل جل کر کوششیں کی تھیں۔ ہماری اس رائے کی چوسودوسکی نے یہ کہتے ہوئے تائید کی ہے:

''امریکن سی،آئی،اے اور پاکستانی آئی،ایس،آئی کے درمیان قریبی تعاون کی تاریخ 1980ء کی دہائی تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہ آئی،ایس،آئی ہی تھی جس کے پردے میں سی،آئی،اے افغانستان میں کارروائیاں کرتی تھی، جن کا آغاز 1979ء سے ہوا تھا۔ سی، آئی،اے اور آئی،ایس،آئی نے مل کر تمام دنیا کے پکے مسلمان نوجوانوں کو افغانستان میں روس کے خلاف جہاد کے لیے بطور ''مجاہدین'' بھرتی کرنا شروع کیا تھا، اسامہ بن لادن کو اسی مقصد کے لیے پاکستان لایا گیا تھا کہ وہ اس کام میں مدد و تعاون کرے''۔

احمد نے جان کولی کے حوالے سے کہا۔''اگرچہ اسامہ کا سی،آئی،اے سے معاہدہ ہوا تھا، لیکن سی،آئی،اے اور پاکستان کی انٹیلی جنس کے انچارج جنرلوں نے اسامہ کو افغانستان میں کارروائیوں کے لئے مکمل خودمختاری دے رکھی تھی۔ بن لادن نے اس خودمختاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور اپنی بے پناہ دولت کے زور پر 1985ء میں ''القاعدہ'' کی تنظیم کو منظم کرنا شروع کیا۔ 1990ء کے آخر میں بے نظیر بھٹو نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ مجاہدین کی یہ تنظیم بہت مضبوط ہو رہی ہے، صدر بش کو بتایا۔'' آپ ایک راکھشس کو پیدا کر رہے جو آپ ہی کے لیے خطرناک ثابت ہوگا''۔

اسی طرح 1990ء کے آخر میں جب سی،آئی،اے پاکستان کی آئی،ایس،آئی کے

Marfat.com

ساتھ مل کر طالبان کو منظم کر رہی تھی۔ جنوب مشرقی ایشیاء کے معاملات کے ماہر سلگ ہیری سن، جس کی بہت سے سی، آئی، اے ایجنٹوں سے جان پہچان تھی، اس نے ان ایجنٹوں کو انتباہ کیا تھا کہ ''وہ (سی، آئی، اے ایجنٹ) ایک ''عفریت'' کو جنم دے رہے ہیں''۔

اگر القاعدہ اور طالبان بہت زیادہ طاقتور ہوتے جا رہے تھے تو یہی بات خود آئی، ایس، آئی کے بارے میں بھی کہی جا سکتی تھی۔ افغانستان سے سوویت یونین کے انخلاء کے بعد سی، آئی، اے کی شہ پر اور تعاون سے ہیروئن کی پیداوار شروع کی تھی تاکہ روسی سپاہیوں کو ہیروئن کے نشے کا عادی بنا دیا جائے۔ روسیوں کے جانے کے بعد آئی، ایس، آئی نے یہی ہیروئن مغربی ممالک کو سمگل کرنا شروع کر دی تھی اور اس سے ہونے والے بھاری منافع سے اس نے اپنے آپ کو مضبوط بنانا شروع کر دیا تھا۔ ایک تجزیہ کار کے کہنے کے مطابق اس کے نتیجے میں آئی، ایس، آئی نے بے پناہ اختیارات کے ساتھ حکومت کے اندر حکومت قائم کر لی تھی۔

بعد ازاں ''ٹائم'' میگزین نے بھی اس تجزیے کی ان الفاظ میں تصدیق کی تھی کہ ''آئی، ایس، آئی نے اپنی طرز کی ایک الگ ہی حکومت، حکومت کے اندر قائم کر رکھی تھی اور پاکستان کی یہ نظر نہ آنے والی حکومت تھی''۔ ''نیویارک ٹائمز'' میں چھپنے والی ایک رپورٹ میں اسے اپنی قسم کی ''متوازی حکومت'' قرار دیا گیا تھا۔

آئی، ایس، آئی کی یہ تاریخ کہ ایک طرف اس کے مضبوط تعلقات امریکن سی، آئی، اے سے تھے اور دوسری طرف وہ کسی شک وشبہ کے بغیر القاعدہ اور طالبان سے جڑی ہوئی تھی اور یہ دوطرفہ تعلقات کبھی منقطع نہیں ہوئے، چوسودوسکی کا دعویٰ ہے کہ سی، آئی، اے اور اسامہ کے مابین جو تعلقات سویت افغان جنگ کے دوران تھے وہ بعد ازاں سی، آئی، اے نے کبھی مسلم انتہا پسندی کے فروغ کے لیے استعمال نہیں کیے، لیکن احمد، سلگ ہیری سن کے مارچ 2001ء کے بیان کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ ''سی، آئی، اے کے آئی، ایس آئی سے قریبی تعلقات افغان جنگ کے بعد بھی قائم تھے''۔

ان تعلقات کو ایک اور تفتیش کنندہ گرالڈ پوسنر نے چوسودوسکی اور احمد کے برعکس ایک اور سیاسی زاویئے سے پیش کیا ہے۔ بوسنر نے ابوزبیدہ سے تفتیش کی تھی اور اس کی رپورٹ کے مطابق ابوزبیدہ نے دوران تفتیش دعویٰ کیا تھا کہ اس کی القاعدہ کے طور پر سرگرمیاں سعودی

Marfat.com

اہلکاروں کی سرپرستی میں جاری تھیں اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ پاکستانی اہلکار بھی اس کی سرپرستی کرتے تھے۔زبیدہ کے بیان کے مطابق پوسنر نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا۔

''وہ (ابوزبیدہ) 1996ء میں پاکستان میں موجود تھا جبکہ بن لادن نے ملٹری کے ایک اعلیٰ عہدیدار مصحف علی میر ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا اور اس افسر کے آئی۔ایس۔آئی میں موجود اسلامی انتہا پسندوں سے قریبی تعلقات تھے۔یہ تعلقات ابھی تک (زبیدہ کے بیان تک) مضبوطی سے قائم ہیں۔آئی۔ایس۔آئی نے نہ صرف بن لادن کو تحفظ فراہم کیا بلکہ اسلحہ اور دوسرا ساز وسامان بھی سپلائی کیا''۔

پوسنر نے اپنی رپورٹ میں یہ بھی کہا ہے کہ ابوزبیدہ نے جن تین سعودیوں کی نشاندہی کی تھی، وہ تینوں شخصیات صرف چار ماہ کے دوران ہی حادثات کا شکار ہو کر ملک عدم کو سدھار گئیں، عین اسی طرح مصحف علی میر، اس کی اہلیہ اور اس کے نہایت قریبی اور بااعتماد رفقائے کار 20 فروری 2003ء کو اس وقت ہلاک ہو گئے جب ان کا ایئر فورس کا جہاز، جس کی کچھ عرصہ پہلے ہی انسپکشن اور جانچ پڑتال کی گئی تھی اور اڑنے کے لیے موزوں قرار دیا گیا تھا، انتہائی ساز گار موسم میں زمین بوس ہو گیا (کریش ہو گیا) پوسنر اگرچہ اکثر معاملات میں امریکی زاویہ نگاہ کو تسلیم کرتا ہے، لیکن وہ یہاں یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ امریکن انتظامیہ کی پاکستانیوں سے فاصلہ رکھنے کی کوششیں ایک اچھا اقدام تھا وہاں وہ بن لادن اور القاعدہ کو ''برائی'' کے طور پر پیش کرتا ہے۔

بہر حال اہم یہ بات ہے کہ آئی۔ایس۔آئی کے امریکن سی۔آئی۔اے اور القاعدہ سے جو روابط تھے وہ 9/11 کے حادثے کے کچھ ہی عرصہ بعد آشکارا ہو گئے۔ان روابط کا پتہ اس طرح لگا کہ آئی۔ایس۔آئی کے ایک خفیہ ایجنٹ سعید شیخ نے محمد عطا کے بنک اکاؤنٹ واقع فلوریڈا میں ایک لاکھ ڈالر بذریعہ تار ٹرانسفر کیے اور اس نے رقم کی منتقلی کا یہ اقدام کسی اور کے کہنے پر نہیں بلکہ آئی۔ایس۔آئی کے ڈائریکٹر جنرل محمود احمد کی ہدایت پر کیا تھا۔اس طرح آئی۔ایس۔آئی، جو امریکن سی۔آئی۔اے سے قریبی رابطے میں رہ کر کام کر رہی تھی، ہائی جیکروں کے سرغنہ کو اور 9/11 کے دہشت گرد گروپ کے سربراہ کو رقم فراہم کی۔ فرانسیسی خبر رساں ایجنسی اے۔ایف۔پی کے مطابق حکومت امریکہ کو یہ اطلاع بھارتی حکومت نے فراہم کی تھی۔

Marfat.com

اس رقم کی منتقلی کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی جب یہ انکشاف ہوا کہ جنرل محمود احمد 9/11 کے واقعہ کے وقت واشنگٹن میں موجود تھا۔ بلکہ وہ 4 ستمبر سے لے کر 9/11 کے حادثے کے کئی روز بعد تک وہاں موجود رہا۔ اس عرصے کے دوران وہ (جنرل محمود احمد) سی، آئی، اے کے ڈائریکٹر جنرل جارج ٹینٹ سے 9 ستمبر تک ملاقاتیں کرتا رہا۔ پھر اس نے ''پنٹاگان'' کے اہلکاروں سے ملاقاتیں کیں۔ نیشنل سکیورٹی کونسل کے حکام سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ (وزارت خارجہ) کے افسروں، بلکہ کانگرس اور سینٹ کی انٹیلی جنس کمیٹی کے سربراہوں سے بھی ملاقاتیں کیں۔ پاکستان کے ایک مؤقر (انگریزی) اخبار ''دی نیوز'' نے 10 ستمبر کو ان ملاقاتوں پر معنی خیز تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔ ''جنرل محمود کے اس دورے کی اہمیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایسے دوروں کی ایک تاریخ ہے۔ پچھلی مرتبہ ان کے پیشرو واشنگٹن آئے تھے (جس کے نتیجے میں) پاکستان کی اندرونی سیاست میں چند دن کے اندر ہی مدوجزر آ گیا تھا۔ تھامپسن کا اشارہ 12 اکتوبر 1999ء کے فوجی انقلاب کی طرف ہے، جس میں جنرل مشرف نے حکومت پر قبضہ کر لیا تھا اور اس کے بعد جنرل محمود کو، جو اس فوجی انقلاب کی کامیابی کا ذمہ دار تھا، آئی، ایس، آئی کا ڈائریکٹر، (جنرل) بنا دیا گیا تھا۔

جنرل محمود احمد کے واشنگٹن کی اس یاترا کے دوران نہ صرف 9/11 کا حادثہ پیش آیا بلکہ کئی اور بھی بڑی بڑی چیزیں وقوع پذیر ہوئیں۔ 9 ستمبر کو شمالی اتحاد کے اہم رہنما احمد شاہ مسعود کو قتل کر دیا گیا اور جس کا الزام شمالی اتحاد نے آئی، ایس، آئی پر لگایا۔ یہ قتل آئی، ایس، آئی اور سی، آئی، اے کے سربراہوں کی پے در پے ملاقاتوں کے فوراً بعد ہوا۔ چوسودوسکی کا کہنا ہے کہ امریکہ ایک عرصے سے مسعود کو کمزور کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا، کیونکہ اسے قوم ''پرست مصلح'' خیال کیا جا رہا تھا۔ اس قتل سے یو، ایس مقاصد کو تقویت ملی۔ مسعود کی موت کے بعد شمالی اتحاد کئی دھڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ اگر مسعود قتل نہ ہوتا تو امریکن بمباری کے نتیجے میں کابل سے طالبان کے خروج کے بعد وہ افغانستان کا حکمران بن بیٹھتا، (جو امریکہ کو گوارا نہ ہوتا کیونکہ امریکہ نے تخت کابل پر اپنا بچہ جمورا بٹھانا تھا)۔

مسعود کا قتل کتنا بڑا اہم واقعہ تھا، اس کی طرف ایف، بی، آئی کے ایجنٹ اونیل نے بھی اشارہ کیا ہے، جس نے القاعدہ کے خلاف تحقیقات کے راستے میں روڑے اٹکائے جانے کی بنا، پر ایف، بی، آئی سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ وہ مسعود کے قتل کی تفتیش میں القاعدہ

Marfat.com

کے ملوث ہونے کی تحقیقات پر مامور تھا۔ اونیل، ڈائریکٹر بن کر شمالی ٹاور میں منتقل ہو گیا تھا، جہاں ایف بی آئی کا دفتر قائم کیا گیا تھا اور 9/11 کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے میں وہ بھی ہلاک شدگان میں شامل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ 10 ستمبر کی رات کو اس نے اپنے ساتھ کام کرنے والے ایک اہلکار کو بتایا تھا کہ ''ہمیں کسی بہت بڑی آفت کا سامنا ہونے والا ہے۔ افغانستان میں حالات کو جس طرح ترتیب دیا جا رہا ہے۔ وہ مجھے پسند نہیں ہے''۔

حکومت کی طرف سے 9/11 کے بارے میں جو کہانی بیان کی جارہی ہے اس کے برعکس ناقدین کا کہنا ہے کہ مسعود کو اس وقت قتل کیا گیا جبکہ آئی ایس آئی کا چیف واشنگٹن کے دورے پر تھا اور واشنگٹن نے اس دورے کو خفیہ رکھنے کی کوشش کی۔ چوسودوسکی نے کونڈا لیزا رائس کے 16 مئی 2002ء کے بیان کا متن جو پریس کانفرنس میں دیا گیا تھا، موازنہ کرتے ہوئے یقین ظاہر کیا ہے کہ واشنگٹن نے احمد کی واشنگٹن یاترا کی خبر کو پھیلنے سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ فیڈرل نیوز سروس کی طرف سے جاری کردہ متن کچھ اس طرح سے ہے (رائس کی پریس کانفرنس کے حوالے سے)۔

سوال: ''کیا آپ اس امر سے آگاہ ہیں کہ 11 ستمبر کو آئی ایس آئی کا چیف واشنگٹن میں تھا اور 10 ستمبر کو پاکستان سے اس علاقے میں واقع ان گروپوں کو ایک لاکھ ڈالر کی رقم بذریعہ تار بھجوائی گئی تھی؟ اور وہ یہاں کیوں تھا؟ کیا اس کی آپ سے یا انتظامیہ کے دوسرے اہلکاروں سے ملاقاتیں ہو رہی تھیں؟''

مس رائس: ''میری نظر سے ایسی کوئی رپورٹ نہیں گذری اور وہ یقینی طور پر مجھ سے نہیں ملا''۔

اس سوال کے علاوہ کیا یہ بات قابل اعتبار ہے کہ پاکستان کی خفیہ ایجنسی کا سربراہ نیشنل سکیورٹی کونسل سے تو ملاقات کرے لیکن صدر کی نیشنل سکیورٹی کی مشیر سے نہ ملے؟ دوسری مشکوک چیز جس کی طرف چوسودوسکی اشارہ کرتا ہے، وہ مندرجہ بالا سوال کا وہ متن ہے جو وائٹ ہاؤس نے جاری کیا ہے۔ وہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

سوال: ''ڈاکٹر رائس، کیا آپ اس رپورٹ سے آگاہ ہیں کہ ...... (سنا نہیں جا سکا......) 11 ستمبر کو واشنگٹن میں موجود تھا؟''

فیڈرل نیوز سروس کے متن کے برعکس، اس متن سے کوئی ایسی اطلاع فراہم نہیں

Marfat.com

ہوتی کہ جس شخص کے بارے میں سوال پوچھا جا رہا ہے وہ واقعی آئی۔ایس۔آئی کا سربراہ بھی تھا۔ بعدازاں اسی روز سی این این نے اپنی رپورٹ میں اسے ''اندرونی سیاست'' سے تعبیر کیا تھا۔

چوسودوسکی نے مختلف شواہد سے یہ بھی سوال اٹھایا ہے کہ امریکن حکام آئی ایس آئی سے اپنے روابط کو چھپانا چاہتے تھے، کیونکہ ایف بی آئی نے پاکستان سے تعلقات اور روابط کی رپورٹ تیار کرتے وقت جنرل احمد، سعید شیخ یا آئی ایس آئی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

مثال کے طور پر اے بی سی نیوز کے برائن روز نے رپورٹ نشر کی کہ اسے وفاقی حکام نے بتایا۔ ''پاکستان کے بنک سے ایک لاکھ ڈالر سے زائد کی منتقلی کا سراغ لگایا ہے''۔ ''ٹائم میگزین'' کے مطابق روز نے یہ بھی کہا۔ ''اس رقم میں سے کچھ کا براہ راست تعلق اسامہ بن لادن کے آدمیوں سے ہے''۔ ایف بی آئی نے اس کو اس طرح بیان کیا۔ ''یہ پیسہ ان لوگوں کی طرف سے آیا جن کا تعلق اسامہ بن لادن سے ہے''۔ اس طرح ایف بی آئی نے جنرل احمد، سعید شیخ یا آئی ایس آئی سے توجہ ہٹانے کی کوشش کی۔ اس طرح رقم کی منتقلی کے پریشان کن انکشاف کو اسامہ بن لادن سے منسوب کر کے حکومت نے اپنے اس نقطۂ نظر کو درست ثابت کرنے کی کوشش کی کہ 9/11 حملوں کا ذمہ دار صرف بن لادن ہی ہے۔

بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ سعید شیخ نے عطا کو اس سے بھی زیادہ رقم منتقل کی تھی۔ تھامپسن کا کہنا ہے کہ ایک لاکھ ڈالر 2000ء میں اور پھر ایک لاکھ ڈالر 11 اگست 2001ء کو منتقل کئے گئے تھے۔ اب یہ کہنا مشکل ہے کہ اکتوبر میں جس رقم کی منتقلی کا انکشاف ہوا اس کا تعلق کس رقم سے تھا۔ ''نیویارک ٹائمز'' کے مطابق کل سوا تین لاکھ ڈالر عطا کے فلوریڈا کے حساب میں کسی ''مصطفےٰ احمد'' نامی شخص کی طرف سے بھجوائے گئے تھے اور کچھ لوگوں کے خیال میں جس میں ''گارڈین'' اور سی این این بھی شامل ہیں۔ یہ (مصطفےٰ احمد) کوئی جعلی یا عرفی نام تھا۔ اصل میں رقم بھجوانے والا سعید شیخ ہی تھا۔ اس شخص سے آخری مرتبہ رقم عطا کے حساب میں 8 اور 9 ستمبر کو بھجوائی گئی۔ تھامپسن کی رپورٹ ہے۔

''ان آخری لمحوں کی رقوم کی منتقلی نے ''دھواں چھوڑتی ہوئی توپ کو آگ دکھادی'' اور اسامہ کے ملوث ہونے کو پایۂ ثبوت کو پہنچادیا کیونکہ سعید، آئی ایس آئی کے لیے بھی کام کرتا تھا۔ تو کیا 9/11 کے حملوں میں آئی ایس آئی بھی برابر کی ذمہ دار نہیں ہے؟''

Marfat.com

چوسودوسکی اس خیال کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے آئی ایس آئی کی طرف سے عطا کو رقم کی منتقلی کی کہانی کو اس ہفتے آئی ایس آئی کے چیف کی واشنگٹن میں موجودگی کے حوالے سے ''9/11 کے پیچھے ایک گمشدہ کڑی'' قرار دیتا ہے۔

اس کے بیان کا خلاصہ یہ ہے:

''9/11 کے دہشت گردوں نے اپنی مرضی اور ارادے سے کارروائی نہیں کی تھی۔ خودکش ہائی جیکر انٹیلی جنس ایجنسی کے بہت احتیاط سے تیار کیے گئے منصوبے کے آلۂ کار تھے۔ شواہد اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ القاعدہ کو پاکستانی آئی ایس آئی کی مدد حاصل تھی (اور یہ بات واضح طور پر ثابت ہو چکی ہے) اور آئی ایس آئی کے سی آئی اے سے گہرے روابط تھے''۔

لہٰذا چوسودوسکی کو یقین ہے کہ ان شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ خفیہ ایجنسیوں کے اہم اشخاص اس سازش میں ملوث ہیں۔ ''یہ کہنا کہ بش انتظامیہ بھی اس میں ملوث ہے؟ اس کی تصدیق ہونا باقی ہے اور یہ بات اس مرحلے پر تحقیقات کا تقاضا کرتی ہے''۔

یہ صرف چوسودوسکی اکیلے کی سوچ نہیں ہے کہ رقم کی منتقلی سے ممکنہ طور پر امریکہ 9/11 کی منصوبہ بندی میں براہ راست ملوث نظر آتا ہے۔ احمد اور جارڈ اسرائیل بھی یہی سوال اٹھاتے ہیں کہ سی آئی اے اور آئی ایس آئی میں طویل روابط رہے ہیں، لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ یو ایس نے آئی ایس آئی کے ذریعے رقوم القاعدہ کو مہیا کی ہوں گی۔ اسی امکان کو اخبار ''پٹسبرگ ٹریبون ریویو'' نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''مشرف حکومت کے بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ سعید شیخ کی اصل طاقت آئی ایس آئی نہیں بلکہ اس کے ہماری اپنی سی آئی اے سے روابط ہیں۔ خیال یہ ہے کہ.....سعید شیخ کو خریدا گیا تھا اور معاوضہ ادا کیا گیا تھا''۔

احمد کو یقین ہے کہ ''جب یہ قیاس آرائیاں ہونے لگیں کہ سی آئی اے نے القاعدہ کو مالی مدد فراہم کی ہے تو واشنگٹن نے کوشش کی کہ اس کے بعد القاعدہ اور آئی ایس آئی کے درمیان کوئی روابط نہ رہیں۔ 8 اکتوبر کو، افغانستان پر بمباری کے آغاز سے فوراً پہلے جنرل احمد نے آئی ایس آئی کا عہدہ چھوڑ دیا۔ اگرچہ اس نے کھلے عام اعلان کیا تھا کہ یہ اس کی

Marfat.com

ریٹائرمنٹ کے لیے بہترین وقت ہے اور اس نے ریٹائرمنٹ کا فیصلہ کیا ہے، لیکن اخبار ''ٹائمز آف انڈیا'' میں چھپنے والی ایک سٹوری میں کہا گیا تھا۔

''اصلیت اس سے زیادہ چونکا دینے والی ہے''۔ یہ زیادہ چونکا دینے والی سچائی اس وقت منظرِ عام پر آئی جب بھارت نے امریکن حکام کو جنرل احمد کے احکامات کے تحت رقم کی منتقلی کے ثبوت فراہم کئے اس کے بعد جب امریکی حکام نے اس کی علیحدگی کی خواہش ظاہر کی تو اسے چپکے سے برخاست کر دیا گیا۔ احمد کے خیال میں اس سے اصلیت کی پردہ پوشی کی گئی تھی۔

''امریکہ جس کے بارے مین خیال تھا کہ اس بارے نہایت تیز رفتاری سے مکمل تحقیقات کرے گا، اس نے دراصل انکوائری میں رکاوٹ پیدا کی اور پردے کے پیچھے سے آئی ایس آئی کے چیف سے کہا کہ...... وہ خاموشی سے استعفیٰ دے دے''۔

''حکومت میں ردوبدل اور اتھل پتھل کے بہانے سے آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل کو کسی سکینڈل کے منظرِ عام پر آئے بغیر اور اس کی طرف سے محمد عطا کو رقم کی ترسیل کی خبروں سے بچتے ہوئے، دباؤ ڈال کر مستعفی ہونے پر مجبور کرنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یو ایس نے اس معاملے کی کسی قسم کی انکوائری کا راستہ بند کر دیا تھا۔ اس نے اس معاملے اور حقائق کی زیادہ تشہیر کا راستہ بند کر دیا اور آئی ایس آئی کے چیف کو جو صاف طور پر 9/11 کے حملوں میں ملوث تھا، آزادی سے بچ نکلنے کا راستہ دے دیا''۔

''اس عجیب و غریب پالیسی کے محرکات خواہ کچھ بھی ہوں، ایک بات بالکل غیر متنازعہ ہے کہ یو ایس گورنمنٹ کسی نہ کسی درجے میں اس سازش میں ملوث تھی، جو اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس (یو ایس گورنمنٹ) نے ایک انٹیلی جنس ایجنسی کو بچانے کی کوشش کی، بجائے اس کے کہ اس کے خلاف تحقیقات کی جاتی اور اسے انصاف کے کٹہرے میں لایا جاتا۔ جس ایجنسی نے جہازوں کے اغوا کاروں کے رہنما کو ورلڈ سنٹر اور پنٹاگان پر حملوں کے لیے رقم مہیا کی تھی''۔

چوسودوسکی کو بھی اسی طرح حیرانی ہے کہ ''بش انتظامیہ ان آئی ایس آئی رابطوں کی تحقیق کرنے سے انکاری ہے''۔

آئی ایس آئی اور 9/11 حملوں کا ایک دوسرا ممکنہ ربط خالد شیخ محمد کی شخصیت ہے،

Marfat.com

جسے یو ایس گورنمنٹ نے ان 9/11 حملوں کا اصلی دماغ کے طور پر شناخت کیا ہے (اسی شخص کو ''پراجیکٹ بوجنکا'' 1993ء کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے اور امریکی بحریہ کے جہاز یو ایس ایس کول پر حملوں کا منصوبہ ساز بھی بتایا گیا ہے)۔ اطلاعات کے مطابق سال 1999ء میں یہ شخص عطا کے ہمبرگ (جرمنی) میں واقع اپارٹمنٹ میں بار بار آتا رہا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، اس نے ٹیلیفون کال (نیشنل سکیورٹی ایجنسی نے جسے سنا) کے ذریعے عطا کو آخری احکامات دیئے۔ ان باتوں کا سب کو علم ہے۔ (سوائے اس کے کہ نیشنل سکیورٹی ایجنسی کا کہنا ہے کہ اس نے اس کال کا 9/11 کے حملوں سے پہلے ترجمہ ہی نہیں کیا تھا)۔ جس بات کا شاید ہی کہیں ذکر کیا گیا ہے وہ یہ تھی کہ محمد، جو ایک پاکستانی شہری ہے، کا آئی ایس آئی سے رابطہ تھا۔ اس خاموشی میں کچھ مستثنیات بھی ہیں۔ جیسے جوزف بوڈانسکی، کانگرس کی ٹاسک فورس کا ڈائریکٹر جو ''دہشت گردی'' اور ''غیر روائتی ہتھیاروں کی جنگ'' کی تحقیقات پر متعین تھا، نے اپنی سال 2002ء کی رپورٹ میں بتایا کہ محمد آئی ایس آئی سے وابستہ تھا، جس نے اس کی شناخت چھپائی اور تحفظ دیا۔ اگر یہ بات درست ہے پھر ''9/11 سے ایک روز قبل آئی ایس آئی کے ایجنٹ (سعید شیخ) نے عطا کو رقم مہیا کی اور فائنل آرڈر ایک دوسرے آئی ایس آئی ایجنٹ (خالد شیخ محمد) نے جاری کئے۔ ہم آئندہ بیان کریں گے اور ثبوت مہیا کریں گے کہ کس طرح سعید اور محمد، دونوں نے آئی ایس آئی سے مل کر ایک دوسرے آپریشن میں بھی معاونت کی۔

Marfat.com

مزید ثبوت کہ آئی ایس آئی
کے خلاف تحقیقات کی جائے

امریکن حکومت کی طرف سے 9/11 کے بارے میں بیان کی گئی کہانی کے ناقدین کا کہنا ہے کہ اگرچہ امریکن حکام نے بظاہر آئی ایس آئی اور القاعدہ کے امریکہ میں معروف عمل ارکان کے تعلق کی پردہ پوشی کی کوشش کی ہے، اس کے باوجود ایسی کہانیاں گردش میں ہیں۔ جن کی بنیاد پر 9/11 کے حملوں کو دیکھنے اور پرکھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ کہانیاں بعض ''تحقیقاتی رپورٹرز'' سے بیان کی گئی ہیں، جو کچھ اس طرح سے ہیں۔

نومبر 2001ء میں کرسٹینا لیمب پاکستان میں موجود تھی اور آئی، ایس آئی اور طالبان کے درمیان رابطوں کے بارے میں تحقیقات میں معروف تھی لیکن آئی ایس آئی نے اسے گرفتار کر کے ملک سے نکال دیا۔

جنوری 2002ء کے آخری دنوں میں ''وال سٹریٹ جرنل'' کا رپورٹر ڈانیل پرل، جو ''واشنگٹن پوسٹ'' میں چھپنے والی ایک کہانی کے مطابق پاکستانی انتہا پسند عناصر اور برطانوی شہری رچرڈ سی ریڈ جس نے اپنے بوٹوں میں چھپائے ہوئے دھماکہ خیز مواد سے امریکن ایئرلائن کی ایک پرواز کو دھماکے سے فضاء میں اڑانے کی کوشش کی تھی، کے بارے میں تحقیقات کر رہا تھا کہ اسے (پرل کو) اغواء کر لیا گیا۔ پرل جس نے اخبار ''بوسٹن گلوب'' میں ایک سٹوری پڑھی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ ریڈ کا تعلق ایک پاکستانی مذہبی تنظیم ''الفقراء'' سے ہوسکتا ہے، اس تنظیم کے رہنما علی گیلانی سے بظاہر ملاقات کے لیے جا رہا تھا جبکہ اسے اغواء کر لیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ گیلانی کے سعید شیخ اور آئی ایس آئی سے روابط تھے۔ ''واشنگٹن

Marfat.com

پوسٹ'' میں چھپنے والی سٹوری میں کہا گیا ہے۔ ''گہرائی میں جا کر کھوج لگانے سے ممکنہ طور پر ریڈ کے پاکستان کی انٹیلی جنس تنظیم (آئی ایس آئی) سے ملوث کا ثبوت مل سکتا تھا''۔ یو ایس کے پریس نے ابتداء میں ہی اس بات کا اظہار کر دیا تھا کہ پرل کے انجام کی ذمہ دار آئی ایس آئی ہی ہے۔

اغوا کنندگان کوئی معمولی دہشت گرد نہیں تھے جیسا کہ ان کے مطالبات سے ظاہر ہوتا ہے، خصوصی طور پر انہوں نے مانگ کی تھی کہ یو ایس حکومت پاکستان کو ایف 16 فائٹر جہاز فروخت کرے۔ تھامپسن کا تبصرہ ہے۔ ''آج تک کسی دہشت گرد گروپ نے ایف۔16 میں دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ یہ ڈیمانڈ اور دوسری مانگیں پاکستان کی ملٹری اور آئی ایس آئی کی خواہشات کو ظاہر کرتی ہیں''۔ جنوری کے آخر میں نیوز ایجنسی یو پی آئی نے اپنی رپورٹ میں کہا تھا کہ حقیقتاً یو ایس انٹیلی جنس کو یقین ہو گیا تھا کہ اغوا کنندگان کا رابطہ آئی ایس آئی سے ہے۔ اس کے بعد پرل کی کہانی میں آئی ایس آئی کا ذکر شاذونادر ہی آیا ہوگا۔

جب پرل کو قتل کر دیا گیا تو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ سعید، جس نے عطا کو ایک لاکھ ڈالر بذریعہ تار بھجوائے تھے اور جو آئی ایس آئی کا ایجنٹ تھا، پرل کے اغوا میں ملوث تھا۔ آئی ایس آئی نے اسے (سعید کو) اٹھالیا اور ایک ہفتہ تک کسی خفیہ مقام پر قید رکھا۔ اس کے بعد نہ تو خود سعید نے اور نہ ہی آئی ایس آئی نے کبھی تذکرہ کیا کہ اس ہفتے کیا کچھ ہوا تھا۔ پھر پاکستانی پولیس نے سعید کو پرل کے قتل کا ذمہ دار قرار دیا۔ پہلے تو اس نے اعتراف جرم کرلیا لیکن جب اسے پھانسی کی سزا ہوئی تو وہ اپنے اعتراف سے رجوع کر گیا (مکر گیا)۔ تھامپسن نے سوال کیا ہے۔ ''کیا جب سعید ایک ہفتہ تک غائب رہا تھا تو اس نے حراست کے دوران آئی ایس آئی سے نرم سزا کے لیے کوئی ڈیل کی تھی ایک ایسی ڈیل جو بعد میں توڑ دی گئی؟'' تھامپسن کا کہنا ہے۔

''دریں اثناء سعید کی گرفتاری اور سزا سنائے جانے کے وقفے کے دوران کئی کہانیاں گردش کرتی رہیں۔ کچھ میں اس کے القاعدہ سے رابطوں کا ذکر تھا اور کچھ میں اس کے آئی ایس آئی سے تعلقات کا اور چند ایک میں اسے دونوں سے منسلک بیان کیا گیا تھا، لیکن بہت سی ایسی کہانیاں بھی تھیں جو اس کا کسی سے بھی تعلق ثابت کرنے میں ناکام رہی تھیں۔ علاوہ ازیں، جولائی 2002ء میں سعید کی سزایابی تک امریکہ کے ''کسی ایک اخبار نے بھی اس

Marfat.com

کے القاعدہ یا آئی ایس آئی سے روابطہ کا ذکر نہیں کیا''۔ تھامپسن کا سوال ہے۔'' کیا میڈیا آئی ایس آئی اور 9/11 کے حملوں میں روابط کو بیان کرنے سے خوفزدہ تھا؟''

مزید برآں یہی سوال پرل کیس میں خالد شیخ محمد کے ملوث ہونے کے بارے میں بھی کیا جا سکتا ہے۔

سال 1997ء میں قطر کے ایک سابق چیف آف پولیس نے سابق سی آئی اے ایجنٹ رابرٹ بیز کو بتایا تھا کہ محمد اس وقت فرار ہو گیا تھا جب اس کے فلپین میں ''بوجنکا'' سازش میں ملوث ہونے کا انکشاف ہوا تھا۔ کیونکہ محمد بن لادن کا ایک بنیادی مددگار تھا۔ بیئر نے یہ بات پرل کو بتائی تھی اور ممکنہ طور پر پرل اسی بنیاد پر ریڈ اور محمد کے درمیان رابطوں کے بارے میں تحقیقات کر رہا تھا، اور محقق کو یقین ہو گیا تھا کہ ریڈ محمد کی نگرانی میں ہی کارروائیاں کر رہا تھا۔ تفتیش کنندگان اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ پرل کے اغوا کے پیچھے اصل دماغ محمد کا ہی کام کر رہا تھا۔ علاوہ ازیں جوزف بوڈانسکی جس نے سال 2002ء میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ محمد کے آئی ایس آئی سے روابط تھے، اس نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ پرل کے قتل کے آرڈر محمد نے ہی دیئے تھے اور سال 2003ء میں اخباری رپورٹر جان لیکن نے کہا تھا کہ اب یو ایس حکام کے پاس نئی اطلاعات ہیں جو یقینی طور پر محمد کے اشارے پر پرل کے قتل کی طرف رہنمائی کرتی ہیں، لیکن اس کہانی میں آئی ایس آئی سے ممکنہ رابطہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

پرل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اسلامی جنگجوؤں کے بارے میں ایک کہانی پر کام کر رہا تھا اور جس تنظیم سے محمد کا تعلق تھا، وہ القاعدہ کی تنظیم تھی۔

بہرحال محمد کو نہ صرف 9/11 کے حملوں کا ماسٹر مائنڈ خیال کیا جا رہا ہے بلکہ ڈانیل پرل کے اغوا اور قتل کے پیچھے بھی اسی کا دماغ کام کر رہا تھا۔ اگر یہ بات درست ہے تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے کہ پرل کو قتل اس لیے کیا گیا کیونکہ وہ 9/11 کے پیچھے چھپی سچائی کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہا تھا اور اگر محمد کا واقعی آئی ایس آئی سے رابطہ تھا تو 9/11 میں آئی ایس آئی کے ملوث ہونے کے شک کو مزید بڑھاوا دیتا ہے۔

ایک اور کہانی آئی ایس آئی کے ملوث ہونے کے بارے میں فروری 2002ء میں اس وقت منظر عام پر آئی جب آئی ایس آئی اخبار ''دی نیوز'' کے رپورٹر کو سعید کے آئی

Marfat.com

ایس آئی کے رابطوں کے بارے میں خبر کی شاعت رکوانے میں ناکام ہوگئی۔اس سٹوری میں انکشاف کیا گیا تھا کہ سعید نے انڈین پارلیمنٹ پر حملے میں نہ صرف ملوث ہونے کا اعتراف کیا ہے بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ آئی ایس آئی نے اس کی مالی مدد کی تھی اور حملے کا پلان تیار کرنے اور عملی جامہ پہنانے میں تعاون کیا تھا۔

اس خبر کی اشاعت کے فوراً بعد آئی ایس آئی نے ''دی نیوز'' پر ان چار اخبار نویسوں کو اخبار سے نکالنے کے لیے دباؤ ڈالا تھا جنہوں نے اس سٹوری پر کام کیا تھا بلکہ اخبار کے ایڈیٹر سے معافی مانگنے کا مطالبہ بھی کیا تھا۔اخباری نمائندوں کو اخبار سے نکال دیا گیا تھا اور ایڈیٹر ملک سے فرار ہوگیا تھا۔ان رپورٹروں کی تلخیص کرتے ہوئے تھامپسن نے مزید کہا ہے۔''ڈانیل پرل کے بارے میں آنکھیں بند کر لینے کی بجائے بہت زیادہ تجسس کی ضرورت ہے اور کیس پر سے پردہ اٹھ سکتا ہے''۔

حقیقت یہ ہے کہ آئی ایس آئی کو بظاہر بہت کچھ چھپانا پڑا ہے،لیکن مبینہ طور پر ایک امریکن صحافی کو آئی ایس آئی کے ایجنٹ نے اغوا کرایا اور شاید قتل بھی کرایا جس ایجنٹ نے محمد عطا کو رقم بھجوائی تھی،لہٰذا ضروری ہے کہ یو ایس انٹیلی جنس ایجنسیاں سعید کا انٹرویو کریں اور آئی ایس آئی کے بارے میں معلومات حاصل کریں مثلاً ''واشنگٹن پوسٹ'' نے کہا ہے۔ وہ (آئی ایس آئی) ایسا خوفناک گھر ہے جس کے دروازے کھلنے کا انتظار ہے۔سعید کے پاس سنانے کے لیے کہانیاں ہیں۔تاہم فروری 2002ء کے آخر میں ''ٹائم'' میگزین نے کہا تھا کہ طالبان کا دوسرا سب سے بڑا اہلکار ملا حاجی عبدالصمد خاکسار، جو امریکہ کی حراست میں ہے اور جو کئی ماہ سے سی آئی اے سے گفتگو کرنے کا منتظر ہے، حالانکہ اس نے رضا کارانہ مبینہ طور پر کہا ہے کہ'' آئی ایس آئی کے ایجنٹ اب بھی طالبان اور القاعدہ سے روابط میں ہیں''۔

کئی ماہ کے بعد انڈین ایکسپریس نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا تھا کہ سعید ابھی تک پاکستانی قید خانے میں بیٹھا ہے اور کسی یو ایس ایجنسی نے اس سے تفتیش نہیں کی۔ سرکاری نقطۂ نظر کے ناقدین اس عدم دلچسپی کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ امریکن انٹیلی جنس ایجنسیوں نے یہ فرض کرلیا ہوا ہے کہ ان لوگوں کے پاس کوئی ایسی نئی اطلاع نہیں ہے جسے ہم پہلے ہی سے جانتے نہ ہوں۔

Marfat.com

آئی ایس آئی کے رابطوں کے سراغ لگانے کے برعکس واشنگٹن کی دراصل کوشش یہ لگتی ہے کہ ایسے روابط کو جھٹلایا جائے۔ مارچ 2002ء میں سیکرٹری آف سٹیٹ (وزیر خارجہ) پاول نے اعلان کیا کہ ''پرل کے قتل اور آئی ایس آئی کے عناصر کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے''۔ اخبار ''گارڈین'' نے لکھا۔ ''بھاری شواہد کے باوجود کہ سعید شیخ آئی ایس آئی کے لیے کام کرتا تھا۔ پاول کی طرف سے تردید، ایک صدمے والی بات تھی۔'' اس کے فوراً ہی بعد جب اٹارنی جنرل ایشکرافٹ نے سعید کے خلاف فرد جرم پڑھ کر سنائی تو اس میں 9/11 کے سلسلے میں رقم کی ترسیل کا کوئی ذکر نہ تھا''۔

ان مثالوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سرکاری سطح پر آئی ایس آئی کے ملوث ہونے کی پردہ پوشی کی خواہش تھی۔ علاوہ ازیں 1999ء کی ایک چونکا دینے والی مثال سامنے آئی ہے۔ واقعات کے مطابق یو ایس گورنمنٹ کے ایک مخبر اینڈی گلاس نے بذریعہ تار ایک ڈنر کے موقع پر ہونے والی ایسی گفتگو کی ریکارڈنگ بھجوائی جس میں مخبر بذات خود کچھ غیر قانونی اسلحہ ڈیلرز اور آئی ایس آئی کا ایک ایجنٹ راجہ غلام عباس ملوث تھا۔ ڈنر کا یہ واقعہ 14 جولائی 1999ء کو پیش آیا تھا اور جسے ایف بی آئی کے ایجنٹ جو قریبی میز پر گاہک کے بھیس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دیکھ رہے تھے اور ڈنر ایک ایسے ریسٹورنٹ میں تھا جہاں سے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو صاف طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔ عباس نے اس خواہش کا اظہار کرنے کے علاوہ، کہ وہ امریکہ سے چوری شدہ ہتھیاروں کی جہاز بھر کر بڑی کھیپ بن لادن کے لیے خریدنا چاہتا ہے، ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ بلند مینار زمین بوس ہونے والے ہیں''۔ جون 2002ء میں عباس کو خفیہ طریقے سے غیر قانونی طور پر امریکہ سے ہتھیار خریدنے کی کوشش کا ملزم ٹھہرایا گیا تھا۔ ان الزامات کو خفیہ رکھا گیا تھا اور مارچ 2003ء میں ان الزامات کا اظہار کیا گیا، لیکن ان الزامات میں پاکستان کے افغانستان کی سابقہ طالبان حکومت سے تعلق یا ان ہتھیاروں کی آخری منزل کے بارے میں کوئی ذکر نہ تھا۔

اگر اس رپورٹ میں ٹاور کے بارے میں بیان کی گئی کہانی درست ہے تو اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بظاہر ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کے بارے میں بش انتظامیہ کے برسراقتدار آنے سے بہت پہلے گفتگو ہو رہی تھی۔ حتیٰ کہ یہ ستمبر 2000ء سے بھی پہلے کی بات ہے۔ جب ''پراجیکٹ فار نیو امریکن سنچری'' بطور انتخابی منشور شائع کیا گیا تھا۔ جس میں ''نیو پرل

Marfat.com

ہاربر" کی طرح کے کسی واقع کے وقوع پذیر ہونے کا امکان ظاہر کیا گیا تھا۔ اگر یہ سب کچھ درست ہے تو آئی ایس آئی کے 9/11 کے حملوں میں ملوث ہونے اور منصوبہ بندی کرنے کی مضبوط واقعاتی شہادت مل جاتی ہے، لیکن بش انتظامیہ کی ساری دلچسپی اس بات میں رہی ہے کہ کسی بھی سطح پر ان کہانیوں میں آئی ایس آئی کا نام نہ آنے پائے۔

FBI کا فلائٹ سکول

انویسٹی گیشن سے فرار

مزید حیران کن اور تعجب خیز بات جو 9/11 کے چار روز بعد منظرِ عام پر آئی وہ یہ تھی کہ بیشتر ہائی جیکروں نے جہاز اڑانے کی تربیت ملٹری تنصیبات پر حاصل کی تھی اور ایف بی آئی نے ٹریننگ حاصل کرنے والوں کے ماضی کے بارے میں کوئی تحقیقات نہ کی تھی۔ امریکہ کی ان دفاعی تنصیبات میں "نیول ائرسٹیشن" پناکولا سان اینٹونیو میں واقع "بروکس ائیرفورس بیس" الباما میں واقع "میکسویل ائیر فورس بیس" اور مانیٹری کیلیفورنیا میں واقع "ڈیفنس لینگویج انسٹیٹیوٹ" شامل ہیں۔ ہائی جیکنگ میں ملوث تین افراد کے ڈرائیونگ لائسنس پر "پناکولا سٹیشن" ان کے مستقل ایڈریس کے طور پر بھی درج تھا۔ جب ائیرفورس کے ایک ترجمان سے ان افراد کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا۔ "اگرچہ نام اسی طرح کے ہیں لیکن ہم غالباً ان کے بارے میں گفتگو نہیں کر رہے" (یا نہیں کرنا چاہیے)۔

ٹی وی کے پروڈیوسر، کتاب کے مصنف اور تحقیقاتی اخبار نویس ڈانیل ہوپ سکر کا بیان ہے کہ جب اس نے ائیرفورس کے تعلقات عامہ کے دفتر کی ایک میجر سے اس کہانی کے بارے میں پوچھا تو اس کا جواب تھا۔ "سوانحی طور پر یہ وہ لوگ نہیں ہیں۔ بعض کی عمروں میں بیس سال تک کا فرق ہے"۔ جب ہوپ سکر نے کہا کہ میری دلچسپی محمد عطا سے ہے کیا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ وہ محمد عطا جس نے "میکسویل ائیرفورس بیس" کے ائیرفورس انٹرنیشنل آفیسرز سکول سے تربیت حاصل کی، کی عمر دہشت گرد عطا سے مختلف ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ تو اس کا جواب تھا۔ "مجھے معلوم نہیں جب ہوپ سکر نے کہا کہ اسے اس محمد عطا کے بارے میں معلومات چاہئیں جس نے میکسویل سکول سے تربیت حاصل کی، تاکہ وہ اس سے رابطہ کر سکے تو میجر نے جواب دیا کہ اس کے خیال میں ایسی معلومات کا حصول ممکن

Marfat.com

نہیں ہے"۔ عطا اور دو دوسرے افراد کے بارے میں جنہوں نے مبینہ طور پر یو ایس ملٹری سکول میں ٹریننگ حاصل کی تھی، 16 ستمبر کی ایک خبر میں کہا گیا۔ "سرکاری طور پر ان کی عمر، وطنیت یا کسی دوسری پہچان کے بارے میں ان تین افراد کی تفصیل جاری نہیں کی جائے گی"۔

حتیٰ کہ سینٹرز کو بھی بظاہر اس بارے میں اندھیرے میں رکھا گیا فلوریڈا کے سینیٹر بل نیلسن کو جب یہ علم ہوا کہ ہائی جیکروں میں تین نے پنا کولا نیول سٹیشن سے تربیت حاصل کی ہے تو سینیٹر نے اٹارنی جنرل ایشکرافٹ کو خط لکھ کر پوچھا کہ "آیا یہ درست ہے؟" ہوپ سکر کی رپورٹ کے مطابق جب سینیٹر نیلسن کے ترجمان سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو اس کا جواب تھا۔ "ہمیں جسٹس ڈیپارٹمنٹ سے کوئی واضح جواب نہیں ملا۔ اس لیے ہم نے ایف بی آئی سے یہی سوال پوچھا تو ان کا اب تک یہی جواب رہا ہے کہ "ہم اس میں الجھے ہوئے اور مشکل معاملے کو سلجھانے کی کوشش کر رہے ہیں"۔

تاہم 10 اکتوبر کو اس مشکل اور پیچیدہ معاملے کی لمبی چوڑی اور سخت محنت طلب اور تھکا دینے والی اور ایک ماہ تک جاری رہنے والی تحقیقات کو ایف بی آئی کے ڈائریکٹر ملر نے ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ سرکاری اہلکار کے مطابق ملر کا رویہ کچھ اس قسم کا تھا کہ اس کے ایجنٹ "9/11 کے معاملات کو بہتر طور پر سمجھ گئے ہیں" اور یہ کہ "اب وقت ہے ہم معمول کے مطابق آگے قدم بڑھائیں"۔ "واشنگٹن پوسٹ" کی ایک رپورٹ کے مطابق ملر نے جو تفصیل بیان کی وہ یہ تھی کہ "کئی ہائی جیکروں نے یونائٹڈ سٹیٹ کے فلائٹ سکولوں میں تربیت حاصل کی تھی"۔ گویا ملر کے نزدیک بظاہر یہ کوئی نئی "خبر" تھی تفتیشی عملے کو دوبارہ اسی خبر کی کھوج پر لگا دیا گیا تھا۔ قانون پر عمل درآمد کرانے والے ایک سرکاری اہلکار نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ "تفتیشی سٹاف کو بات سمجھ لینی چاہئے کہ اب ہم کسی جرم کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش نہیں کر رہے"۔

سرکاری طور پر بیان کردہ کہانی کے ناقدین کا کہنا ہے اس سے نہ صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایف بی آئی نے نہ صرف اس معاملے کی انکوائری سے انکار کیا بلکہ پہلے پہل اس بات کو بھی اخفاء میں رکھنے کی کوشش کی کہ کچھ ہائی جیکروں نے وینس، فلوریڈا کے دو فلائٹ سکولوں میں تربیت حاصل کی تھی۔ ہوپ سکر نے یہ بھی بیان میں کہا ہے کہ کئی ایک ہائی

Marfat.com

جیکروں نے نہ صرف ان دو فلائٹ سکولوں میں ٹریننگ حاصل کی تھی بلکہ یہ بھی کہا ہے کہ 9/11 کے حملوں کے 18 گھنٹے بعد 2 بجے صبح ایف بی آئی والے ان دو سکولوں میں آئے اور سٹوڈنٹس کی فائلیں اٹھا لے گئے۔ یہ کہانی بھی اسی طرح کی ہے کہ جیسے پنٹاگان پر حملے کے فوراً بعد بالمقابل واقع گیس سٹیشن کے کیمروں سے ایف بی آئی کے ایجنٹ فلم ضبط کر کے لے گئے تھے۔ اس سے یہ مزید شہادت ملتی ہے کہ ایف بی آئی کو وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا پہلے سے علم تھا۔

ایف بی آئی کی طرف سے عمر البیومی کی فوری رہائی

9/11 کے معاملے کی سرکاری سطح پر ہونے والی تفتیش کے ناقدین ایک اور بظاہر اہم نکتے کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بے شمار بے گناہ افراد کو ہائی جیکروں سے رابطوں کے شبہے میں گرفتار کر لیا گیا تھا جنہیں طویل مدت تک زیر حراست رکھا گیا حالانکہ ان میں سے بظاہر کسی کا بھی ہائی جیکروں سے تعلق نہ تھا، لیکن حیران کن امر یہ ہے کہ جن زیر حراست افراد کا ہائی جیکروں سے کسی قسم کا تعلق نظر آتا تھا، انہیں فوراً رہا کر دیا گیا۔ تھامپسن نے اس کی مثال دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر ماضی کی طرف جھانک کر دیکھیں تو 1999ء میں جب نواف الحازمی اور خالد المحضار، جنہیں بعد ازاں دو ہائی جیکروں کے طور پر شناخت کیا، ملک میں داخل ہوئے تھے تو لاس اینجلس ایئرپورٹ پر ان کی ملاقات سعودی شہری عمر البیومی سے ہوئی تھی۔ وہ اپنی گاڑی میں ان کو سان ڈیگو تک لے کر گیا تھا اور انہیں اپارٹمنٹ لے کر دیا تھا۔ اسی نے ان دونوں کو بنک اکاؤنٹ کھولنے، کار انشورنس حاصل کرنے، سوشل سکیورٹی کارڈ بنوانے اور فلوریڈا فلائٹ سکول سے رابطے میں مدد دی تھی۔ جیسا کہ کانگریس کی جائنٹ انکوائری کمیٹی کو بعد ازاں معلوم ہوا، ''ایف بی آئی کے ایک نہایت ذمہ دار اہلکار نے جو سان ڈیگو میں تعینات تھا۔ البیومی کے بارے میں کہا تھا۔ ''یہ شخص یقینی طور پر سعودیہ کی انٹیلی جنس کا آفیسر ہو سکتا ہے''۔ کیونکہ اس کے تصرف میں بڑی بڑی رقوم رہتی تھیں۔ 9/11 کے حملوں سے دو مہینے پہلے البیومی انگلینڈ چلا گیا تھا۔ 9/11 کے بعد برطانوی ایجنٹوں نے جو ایف بی آئی سے مل کر کام کر رہے تھے، البیومی کو گرفتار کر لیا تھا۔

Marfat.com

تاہم ایف بی آئی نے اس کی بناوٹی کہانی کو تسلیم کرتے ہوئے کہ اس کی الحاذمی اور المحضار سے ملاقات اتفاقیہ ہو گئی تھی، ایک ہفتے زیر حراست رکھنے کے بعد بغیر کسی الزام کے رہا کر دیا تھا جس پر برطانوی ایجنٹ بہت سیخ پا ہوئے تھے۔ تھامپسن کا کہنا ہے۔"البیومی کی فوری رہائی اس طریق کار کے بالکل برعکس ہے جس کے تحت 9/11 کے بعد سینکڑوں امریکی مسلمانوں کو گرفتار کر لیا تھا اور جو کئی کئی ماہ تک زیر حراست رہے حالانکہ ان کے خلاف ان دہشت گردانہ حملوں کے سلسلے میں کوئی ثبوت بھی نہ تھا"۔

این۔ایس۔اے میں معاملات کی پردہ پوشی

اکتوبر 2001ء کے آخر میں اخبار "بوسٹن گلوب" نے لکھا کہ حکومت کے چھ انٹیلی جنس افسران اس بات پر سخت مشتعل تھے کہ نیشنل سکیورٹی ایجنسی NSA کی طرف سے 9/11 کی تفتیش سے متعلقہ ریکارڈ تلف کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ این ایس اے کے عدم تعاون کی وجہ سے کئی معاملات کے سراغ نہیں مل رہے۔ تھامپسن کے خیال میں ایک سٹوری جو بظاہر ان معاملات سے متعلقہ نظر آتی ہے، تحقیقاتی رپورٹر جیمز بمفورڈ نے جو این ایس اے کے معاملات میں اتھارٹی تسلیم کیا جاتا ہے۔ یوں بیان کی ہے کہ کم از کم چھ افراد جنہیں ہائی جیکر قرار دیا جا رہا ہے۔ ان میں وہ سب بھی شامل ہیں جنہوں نے واشنگٹن سے فلائٹ 77 کو اغوا کیا تھا، اگست سے لے 9/11 تک لارل، میری لینڈ میں رہائش پذیر تھے جو این ایس اے کا گھر ہے اور وہیں رہتے ہوئے وہ کام کر رہے تھے۔ منصوبہ بندی کر رہے تھے اور اپنی تمام سرگرمیوں کا مرکز بنائے ہوئے تھے۔ جب وہ اس سازش کی منصوبہ بندی میں مصروف تھے تو وہ این ایس اے کے ملازمین کے درمیان رہائش پذیر تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک اتفاقیہ بات ہو لیکن این ایس اے حکام کی طرف سے اس کی پردہ پوشی نہایت حیران کن بات ہے۔

موسوی کا ملوث ہونا

2 جولائی 2002ء کو فیڈرل کورٹ میں ذکریا موسوی کے خلاف فرد جرم پڑھ کر سنائی گئی جس میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ بقول موسوی یو ایس گورنمنٹ کو ستمبر کے حملوں کی پہلے

Marfat.com

سے اطلاع تھی لیکن حملوں کو کامیاب ہونے دیا گیا۔ موسوی نے اشارتاً کہا تھا کہ وہ یہ بات گرانڈ جیوری اور کانگریس کے سامنے بیان کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح اس نے جو کچھ بیان دیا۔ اس کے ایک حصے کو پبلک کے سامنے نہیں آنے دیا گیا۔

ستمبر 2002ء میں تفتیشی رپورٹر سائمور ہرش نے انکشاف کیا کہ فیڈرل پراسیکیوٹر نے گزشتہ نومبر میں موسوی کے خلاف لگائی گئی فردِ جرم کے بارے میں پلی بارگین کے بارے میں کوئی مشورہ نہیں کیا۔ موسوی کے قانونی مشیر اور ایف بی آئی کے کچھ اہلکار حیران ہیں کہ حکومت نے موسوی سے پلی بارگین کی کوشش کیوں نہیں کی۔ ہرش نے ایک ایک فیڈرل پبلک ڈی فنڈر کا حوالہ دیا ہے جس کا کہنا ہے۔ ''میں کسی ایسے سازشی کیس میں شامل نہیں ہوا ہوں جس میں حکومت یہ جانتے ہوئے بھی کہ ملزم سے کوئی مفید معلومات مل سکتی ہیں۔ اس سے سازش کو افشاء کرنے کے بارے میں بات چیت نہ کرے (پلی بارگین ایک ایسی قانونی اصطلاح ہے جس میں ملزم کو استغاثہ عدالت سے تعاون کرنے پر سزا میں کمی کا لالچ دیا جاتا ہے)۔

جولائی 2003ء میں ایسوسی ایٹڈ پریس کی ایک سٹوری میں مندرجہ ذیل بیان شامل تھا۔

''عدالت کی حکم عدولی کرتے ہوئے جسٹس ڈیپارٹمنٹ نے پیر کے روز کہا کہ دہشت گردی کے ملزم ذکریا موسوی کے خلاف القاعدہ سے تعلق رکھنے والے کسی گواہ کو عدالت میں پیش نہیں کریں گے خواہ اس کا مطلب مقدمے کی برخاستگی ہی ہو''۔

(خیال رہے ذکریا نے اپنی صفائی میں امریکہ میں زیرِ حراست القاعدہ کے چند رہنماؤں کو عدالت میں بلانے کی درخواست دی تھی۔ مترجم)۔

اگر یو ایس ڈسٹرکٹ جج لیونی برنکما اس کیس کو ڈسمس کر دیتی تو 9/11 سے متعلقہ یہ واحد کیس ہوتا جو ٹرائل کے لیے ملٹری ٹرائیبونل کے سامنے پیش کیا جاتا۔

گورنمنٹ نے کہا کہ اس کے اعتراض کا مطلب یہ تھا کہ 9/11 کے منصوبہ ساز رمزی بن الشبیہ کا (ذکریا کے حق میں) بیانِ حلفی قابل قبول نہیں ہے۔ جسٹس ڈیپارٹمنٹ کے فیصلے سے عدالت کیس کو ڈسمس کرنے پر مجبور ہو سکتی تھی تاوقتیکہ کہ عدالت محسوس کرے کہ کسی دوسرے طریقے سے بھی انصاف کے تقاضے پورے کیے جا سکتے ہیں۔

Marfat.com

جج برنکما نے حکم دیا تھا کہ موسووی، جو اپنی وکالت خود ہی کر رہا تھا، سٹلائیٹ کے انتظامات کے تحت بنالشبیہ سے سوال جواب کر سکتا ہے۔ یہ بات چیت، جسے گورنمنٹ رکوانے کی کوشش کر رہی تھی۔ کیس کے جاری رہنے کی صورت میں جیوری کو سنائی جا سکتی تھی۔

پہلے کی بحث کا حوالہ دیتے ہوئے حکومت نے پیر کے روز کہا۔ ''ایسا بیان حلفی جو ایک تسلیم شدہ دہشت گرد (ذکریا) کے بارے میں اور اس کے القاعدہ کے اتحادیوں کی طرف سے ہو، غیر قانونی طور پر کلاسیفائڈ (انتہائی خفیہ) اطلاعات کو افشاء کر سکتا ہے۔ اس قسم کا منظر نامہ حکومت کے لیے نا قابلِ قبول ہے کیونکہ حکومت کا فرض نہ صرف ملزم کے خلاف مقدمہ چلانا ہے، بلکہ حکومت کے رازوں کی دشمن سے حفاظت کرنا بھی ہے۔ ایک ایسے دشمن سے جس کے ساتھ جنگ جاری ہے اور دشمن ہمارے ہزاروں شہریوں کو ہلاک کر چکا ہے۔

9/11 کے بارے حکومتی کہانی کے ناقدین کے نقطۂ نگاہ سے کہا جاتا ہے کہ ان سٹوریوں سے حکومت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ 9/11 کے حقائق کو منظرِ عام پر لایا جائے بلکہ جسٹس ڈیپارٹمنٹ کی کوشش یہ ہے کہ اس شخص کو جسے 9/11 کا بیسواں ہائی جیکر کہا جاتا ہے پبلک کے سامنے بولنے سے روکا جائے۔

سزا کی بجائے ترقیاں

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ 9/11 کے بارے میں دو نظریات قابل غور ہیں۔ حکومت کے سارے معاملے میں ملوث ہونے کا نظریہ اور دوسرا حملوں کو روکنے میں متعلقہ حکام کی نااہلیت جیسا کہ بیری ذوکر نے اشارہ کیا ہے۔ ''نا اہلیت کا نتیجہ تو سرزنش اور سزا کی صورت میں ملتا ہے۔ نقادوں کی نگاہ میں یہ نظریہ اس لیے کمزور ہے کہ کسی اہلکار کی بھی سرزنش نہیں کی گئی۔ بلکہ تھامپسن کا بیان ہے کہ 9/11 کے ایک سال گزرنے کے بعد کانگریس کے سامنے سی آئی اے، ایف بی آئی اور این ایس اے کے تمام ڈائریکٹروں نے تسلیم کیا کہ 9/11 کے واقعات میں نا اہلی کا مظاہرہ کرنے پر نہ تو کسی کو نوکری سے نکالا گیا اور نہ ہی کسی کو کسی قسم کی سزا دی گئی۔

Marfat.com

تھامپسن کا کہنا ہے کہ اس کے برعکس کچھ لوگوں کو ترقیاں گئیں، مثال کے طور پر ماریَن سپاٹنگ بومین ایف بی آئی کی ایجنٹ جو اس وقت ہیڈ کوارٹر میں تعینات تھی اور جس نے ایف بی آئی منی پولس کی اس درخواست میں ردوبدل کر دیا تھا جو منی پولس کے ایجنٹوں نے موسوی کے تلاشی کے وارنٹ جاری کرنے کے لیے بھیجی تھی، کو دسمبر 2002ء میں ایف بی آئی کی طرف سے ''نمایاں خدمات'' کے ایوارڈ سے نوازا گیا۔ یہ ایوارڈ کانگریس کی اس رپورٹ کے باوجود دیا گیا کہ بومین کا یہ مؤقف ''واضح جھوٹ'' پر مبنی تھا کہ پولیس کے ایجنٹوں کی طرف سے وارنٹ جاری کرنے کی درخوست ''ناقابل معافی حد تک غلط ملط الجھی ہوئی اور جھوٹی اطلاعات پر مبنی تھی''۔

اس کیس اور اسی طرح کی دوسری ترقیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے محکمہ انصاف کے ایک افسر نے کہا کہ ایف بی آئی کے ڈائریکٹر موئکر نے صرف انہی لوگوں کو ترقیوں سے نواز ہے، جنہیں 9/11 کے حملوں کو روکنے کی ناکامی کا ذمہ دار گردانا جا رہا ہے۔ اس قسم کے اقدامات یقیناً حکومتی نقطہ نظر کے ناقدین کے نظریئے کے لیے مددگار ثابت ہوتے ہیں کہ ایف بی آئی اور بش انتظامیہ نہ صرف حملوں کو روکنے میں ناکام ثابت ہوئی بلکہ حملوں کی کامیابی میں خصوصاً مددگار رہی۔

حکومتی کہانی کے ناقدین کے لیے اس باب میں ہم نے جو شواہد پیش کیے ہیں اور جن واقعات کا خلاصہ بیان کیا ہے، اس نتیجے پر پہنچنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں کہ حکومت کی بیان کردہ کہانی نہ صرف جھوٹ پر مبنی ہے بلکہ امریکہ کے 9/11 کے حملوں میں ملوث ہونے کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ ایک یہی چیز کہ امریکن افواج نے اسامہ بن لادن کو پکڑنے کی کوشش نہیں کی، یہ ثابت کرتا ہے کہ اسامہ کے یو ایس ایجنسیوں سے دیرینہ رابطے رہے ہیں اور جیسا کہ سرکاری طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ رابطے ختم ہو گئے تھے رابطے ختم نہیں ہوئے تھے۔ اب یہ سوال کہ قطعی طور پر امریکہ کے کون سے ادارے اس سازش میں ملوث تھے؟ پہلے بواب کی نسبت اس باب میں پیش کئے گئے شواہد سی آئی اے کے ملوث ہونے کو نمایاں کرتے ہیں۔ اس باب میں یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ وائٹ ہاؤس بھی آئی ایس آئی اور سی آئی اے کے کردار کی پردہ پوشی کی حد تک اس سازش میں ملوث ہے۔ جہاں تک وائٹ ہاؤس کے اس منصوبہ بندی میں ملوث ہونے کا تعلق ہے تو اگر 1999ء میں آئی ایس آئی کے ایجنٹ کی ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے بارے

Marfat.com

پیشن گوئی کو مدِ نظر رکھا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ آئی ایس آئی اور سی آئی اے کی مشترکہ منصوبہ بندی تھی اور یہ منصوبہ بندی جارج ڈبلیو بش کے صدر بننے سے بہت پہلے کر لی گئی تھی۔ اگر بش بھی اس میں ملوث تھا تو اس پہلے سے طے شدہ منصوبے کے بارے میں اسے ضرور اعتماد میں لیا گیا ہو گا۔

جو لوگ سرکاری طور پر بیان کردہ 9/11 کے بارے میں امریکن حکام کی کہانی کے ناقدین ہیں، وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں، کہ جیسا کہ فرانسیسی صحافی میسان نے اپنی پہلی کتاب کا عنوان ''دروغِ عظیم'' رکھا، درست ہے۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ اعتدال پسند خیالات رکھنے والے ہیں۔ احمد کے الفاظ میں جن کا یقین ہے کہ ریکارڈ پر موجود شواہد سے 9/11 کے بارے میں بہترین تشریح یہ ہے کہ 9/11 کے واقعات یو۔ ایس سٹیٹ کو براہِ راست ذمہ دار ٹھہرانے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس وقت امریکن عوام کے سامنے سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کیا ہم ان اعتدال پسند لوگوں کے دلائل کو قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں یا چونکا دینے والے۔ تاکہ امریکن حکام کے سازش میں ملوث ہونے کے بارے میں اب تک جو دلائل دیئے گئے ہیں ان کی مکمل تحقیقات کی جا سکے۔

Marfat.com

کس کو فائدہ پہنچا؟

ان ناقدین کی سوچ بچار کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ 9/11 کے حملوں سے سب سے زیادہ فائدہ ان اداروں نے اٹھایا، جن پر ان حملوں کی سازش میں ملوث ہونے کا شبہ ہے۔ احمد نے تفتیشی اخبار نویس پیٹرک مارٹن کے حوالے سے یہ بیان نقل کیا ہے۔

''کسی بھی جرم کا جائزہ لیتے ہوئے نہایت اہم سوال یہ ہوتا ہے کہ اس سے کس کو فائدہ پہنچا؟'' ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی سے جن لوگوں نے فائدہ اٹھایا وہ امریکہ میں موجود ہیں، جن میں بش انتظامیہ، پنٹاگان، سی۔آئی۔اے، ایف۔بی۔آئی، دفاعی پیداوار کے ادارے اور تیل کی تجارت کرنے والے۔ اب یہ سوال کرنا انتہائی مناسب اور موزوں ہو گا کہ آیا جن لوگوں کو اس ناگہانی آفت سے سب سے زیادہ منافع حاصل ہوا، وہی اس کے وقوع پذیر ہونے میں ملوث نہیں ہیں''۔

اب ان واقعات میں سے ایک مثال سی آئی اے کے ڈائریکٹر جارج ٹینٹ کی دلی خواہش تھی کہ دنیا بھر میں خفیہ کارروائیاں کرنے کے لئے رقوم کے استعمال کی اجازت دی جائے۔ اس نے اپنے خفیہ منصوبے کا نام ''ورلڈ وائڈ اٹیک میٹرکس'' رکھا تھا۔ باب وڈوارڈ نے لکھا ہے۔

''ٹینٹ نے اپنے خفیہ منصوبے کے ذریعے 80 ممالک میں سازشوں کا جال پھیلانا چاہتا تھا۔ جن میں سے چند ایک ممالک میں پہلے ہی سی۔آئی۔اے کی خفیہ سرگرمیاں جاری تھیں اور باقی کے لیے اس نے (مزید رقوم کے حصول کی) سفارش کی تھی''۔ 9/11 کے چار دن بعد کیمپ ڈیوڈ میں ایک میٹنگ کے دوران ٹینٹ کو یہ اختیارات دے دیئے گئے

Marfat.com

میسان کا کہنا ہے کہ اس کے فوری بعد سی۔آئی۔اے کے فنڈ میں 42 فیصد اضافہ کر دیا گیا تا کہ وہ دنیا بھر میں ''ورلڈ وائڈ اٹیک میٹرکس'' منصوبے کو عملی جامہ پہنا سکے۔

جہاں تک پنٹاگان اور دفاعی انڈسٹری کا تعلق ہے، صدر نے یو۔ایس ملٹری کو یقین دہانی کرائی تھی کہ ملٹری کے اخراجات میں اس نئی جنگ کو جیتنے کے لیے اضافہ کر دیا جائے، خواہ یہ اخراجات کتنے زیادہ ہی ہوں (لامحدود) دفاعی اخراجات میں سرد جنگ کے خاتمے کے بعد یہ سب سے زیادہ اضافہ تھا۔ 9/11 حملوں کے بغیر یہ اضافہ ناممکنات میں سے تھا۔ جیسا کہ فلس بینس نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔''پنٹاگان کے بجٹ میں 49 بلین ڈالر اضافے کی سفارش خود بش انتظامیہ نے جنوری 2002ء میں کی تھی۔ یہ اضافی رقم دنیا کے کسی بھی ملک کے مجموعی دفاعی بجٹ سے بھی زیادہ تھی''۔اگر عام حالات ہوتے تو کانگرس یہ کہہ کر اس اضافے کی منظوری دینے سے انکار کر دیتی کہ ہم پہلے ہی امریکہ کے دفاعی بجٹ پر ضرورت سے زیادہ خرچ کر رہے ہیں۔

9/11 کے حملوں نے خصوصی طور پر ''سپیس فورس'' جس کا منصوبہ ڈونلڈ رمسفلیڈ، جنرل ایبر ہارٹ اور جنرل مائرز کے ذہن رسا کا نتیجہ تھا۔ ان لوگوں کے ''میزائل ڈیفنس سسٹم'' منصوبے کو آگے بڑھانے کے لیے 9/11 کے حملے تائید غیبی تھے۔ حالانکہ جولائی 2001 کے ایک سروے مطابق اس منصوبے کو امریکن عوام کے صرف 53 فیصد حصے کی تائید حاصل تھی، جبکہ بعد میں 21 اکتوبر کو جو سروے ہوا (9/11 کے بعد) اس میں یہ تائید 70 فیصدی تک جا چکی تھی۔

جہاں تک بش انتظامیہ کو پہنچنے والے فائدے کا تعلق ہے، احمد ہمیں یاددہانی کراتا ہے کہ 9/11 سے پہلے بش حکومت عام طور پر بحران کا شکار نظر آتی تھی۔ بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ بش نے صدارت کا عہدہ دھوکے اور فراڈ سے حاصل کیا ہے۔ ملک میں معاشی عدم استحکام تیزی سے بڑھ رہا تھا، ملک کے اندر بھی اور عالمی سطح پر بھی۔ بش حکومت اپنی ناکام خارجہ پالیسی کی وجہ سے دنیا میں تنہا ہوتی جا رہی تھی۔ جس کے نتیجے میں امریکہ کی طرف سے اقوام متحدہ اور اور دوسرے بین الاقوامی اداروں میں پیش کی جانے والی قرار دادیں ناکامی سے دوچار ہو رہی تھیں۔ دنیا بھر میں گلوبلائزیشن کے خلاف شدید مظاہرے ہو رہے تھے۔ بش کی ذاتی اور سیاسی مقبولیت ڈانواں ڈول ہو رہی تھی۔ لہٰذا بش انتظامیہ

Marfat.com

کے لیے اپنی انتہائی نچلی سطح پر پہنچی ہوئی ساکھ کی وجہ سے بہت مشکل نظر آتا تھا کہ آئندہ ہونے والے مڈٹرم انتخابات میں کانگریس میں اپنی اکثریت برقرار رکھ سکے، جو 2002ء میں منعقد ہونے والے تھے اور برزنسکی نے اپنے "دی گریٹ چیس بورڈ" منصوبے میں جنگ کے بارے میں حکمت عملی اور دفاعی افواج کے بارے میں جو پلاننگ کر رکھی تھی، اس پر عمل درآمد ناممکن نظر آتا تھا، تاہم 9/11 کے المیئے سے عوام میں جو صدمے اور خوف کی شدید لہر پیدا ہوئی اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بش انتظامیہ کو اپنے بہت پہلے سے طے شدہ اقتصادی، معاشی اور فوجی عزائم اور منصوبوں پر عمل درآمد کا سنہری موقع فراہم کر دیا اور وہ اس بحران سے باہر نکل آئی جس کا اسے 9/11 سے پہلے اندرون ملک اور عالمی سطح پر سامنا تھا۔

اپنی جارحانہ حکمت عملی اور فوجی منصوبوں پر عمل درآمد، جس کی پلاننگ اور تیاری بش کے مشیروں نے پہلے سے ہی کر رکھی تھی، ان غیر ریاستی دہشت گردوں کے حملوں نے ان ملکوں کے خلاف جنگ شروع کرنے کا بہانہ اور موقع پیدا کر دیا جو پہلے ہی بش کی ہٹ لسٹ میں شامل تھے۔ بش نے 9/11 کی شام کو اپنے خطاب میں کہا۔ "ہم اس امر میں کوئی فرق ملحوظ نہیں رکھیں گے کہ کن دہشت گردوں نے حملہ کیا اور کس نے ان کی مدد اور پشت پناہی کی"۔ پھر جیسے کہ ہم نے کتاب کے دیباچے میں ذکر کیا ہے، صدر کی تقریر کے فوراً بعد ہی ہنری کسنجر نے اپنا مشورہ اور نقطہ نظر انٹرنیٹ پر شائع کر دیا۔ اس نے اپنے بیان میں بش کے "دہشت گردوں اور ان کے پشت پناہوں میں فرق ملحوظ نہ رکھنے کے نظریئے" کی نہ صرف تائید کی بلکہ مزید کہا۔

"حکومت کو ان حملوں کا نہ صرف پوری طاقت اور منظم طریقے سے جواب دینا چاہیے بلکہ دشمنوں کو اسی طریقے سے نیست و نابود کر دینا چاہیے جس طریقے سے "پرل ہاربر" پر حملہ کرنے والوں کو کیا گیا تھا۔ (مراد جس طرح جاپان پر ایٹم بم گرائے گئے تھے اسی طرح اب کرنا چاہیے (مترجم) یہ دہشت گردوں کا ایک ایسا منظم نیٹ ورک ہے جس کی پناہ گاہیں چند ملکوں کے دارالحکومتوں میں ہیں۔ کوئی بھی حکومت، جو ایسے دہشت گردوں کو پناہ دیتی ہے، خواہ وہ ان حملوں میں ملوث نظر آئیں یا نہ آئیں، انھیں ناقابل فراموش قیمت ادا کرنی چاہیے"۔

Marfat.com

اس کے ایک ہفتہ بعد رچرڈ پرل نے اپنے ایڈیٹوریل بہ عنوان "دہشت گردی کی سرپرستی کرنے والی حکومتوں کو بھی نیست و نابود کر دینا چاہیے"۔ کسنجر کی تائید کرتے ہوئے لکھا۔

"جو حکومتیں دہشت گردوں کو پناہ دیتی ہیں اور ان کو مواقع اور وسائل مہیا کرتی ہیں۔ تاکہ وہ بے گناہ شہریوں کو تباہ و برباد کر سکیں۔ وہ اپنے آپ کو خود ہی ختم کر لیں۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ ان حکومتوں کے خلاف جنگ ہے"۔

اس سے یقیناً یہ ثابت ہوتا ہے کہ حکومتی مشیر گرم لوہے پر چوٹ لگانے کے لیے پہلے سے ہی تیار بیٹھے تھے اور وہ کامیاب ہو گئے اس کے بعد صدر نے اعلان کیا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں دنیا اس کے پیچھے چلے۔ فلس بینس کے الفاظ ہیں۔

"دنیا کے رہنما اور دنیا کی حکومتیں کوئی اعتراض نہ کر سکیں۔ اس کے برعکس 9/11 سے پہلے فرانسیسی دانشور طبقے میں اس بات پر سخت اشتعال پھیل رہا تھا کہ یو۔ ایس گورنمنٹ کا رویہ ایک سامراجی قوت کی طرح کا تھا۔ 9/11 سے پہلے روس کو اس بات پر سخت اعتراض تھا کہ امریکہ ABM معاہدے کو ختم کرنے کی دھمکی دے رہا تھا۔ 11 ستمبر سے پہلے یورپی ممالک محتاط طریقے سے واشنگٹن کو عالمی معاہدوں سے اغماض پر سزا دینے کی کوششوں میں مصروف تھے، لیکن ستمبر کی اس صبح کے 10 بجے تک یہ تمام مخالفین اپنی کوششوں سے رجوع کر چکے تھے اور بخوشی، جیسا امریکہ چاہتا تھا، اس کے پیچھے کھڑے ہو چکے تھے"۔

خصوصی طور پر افغانستان پر چڑھائی کا جو منصوبہ پہلے ہی بنا ہوا تھا۔ بیسان کے بقول "9/11 کے حملوں نے امریکہ کو اپنے سامراجی عزائم کی تکمیل کے پردے میں اپنی مہم جوئی کے لیے قانونی جواز مہیا کر دیا"۔

حقیقت یہ ہے کہ اس المیئے نے (بش) انتظامیہ کو سنہری مواقع فراہم کر دیے جس کی وہ توقع باندھے ہوئے تھے۔ مثال کے طور پر جان پلگر ان حملوں کو "نئے پرل ہاربر" کا نام دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ "11 ستمبر کے حملوں کو ایسے "مواقع" کہا جا سکتا ہے جو کسی کو مدتوں کے بعد نصیب ہوتے ہیں۔ خود بش انتظامیہ نے اسے اپنے لیے "سنہری موقع" سے تعبیر کیا تھا۔ 9/11 کی رات کو نیشنل سکیورٹی کونسل کی صدارت کرتے ہوئے صدر بش نے مبینہ طور پر ان حملوں کو "عظیم موقع" سے تعبیر کیا تھا۔

Marfat.com

ایک ماہ بعد سیکرٹری دفاع ڈونلڈر مسفیلڈ نے ''نیویارک ٹائمز'' کو بتایا کہ 9/11 کے حملوں نے ایسے ''مواقع'' پیدا کر دیئے ہیں۔ جیسے ''مواقع'' دنیا کو اتھل پتھل کرنے کے لیے دوسری جنگ عظیم نے پیدا کئے تھے''۔ کونڈا لیزا رائس (اس وقت صدر کی نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر، اب سیکرٹری آف سٹیٹ (وزیر خارجہ) نے نیشنل سکیورٹی کونسل سے کہا۔

''اب غور کریں اور سوچیں کہ ان مواقع سے کس طریقے سے فائدہ اٹھایا جائے''۔

یہی نقطہ صدر بش کی طرف سے ستمبر 2002ء میں نیشنل سکیورٹی سٹریٹجی آف دی یونائٹڈ سٹیٹ آف امریکہ (امریکہ کی قومی حفاظتی حکمت عملی) نامی دستاویز میں واضح طور پر اس طرح بیان کیا گیا تھا۔ ''11 ستمبر 2001ء کے واقعات نے ہمارے لیے بے شمار ''مواقع'' کے دروازے کھول دیئے ہیں''۔

پلگر کا کہنا ہے۔ ''بار بار ستمبر 11 کے حملوں کو ''مواقع'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ انہی خیالات کا اظہار (انتظامیہ کے) بہت سے دوسرے لوگوں نے بھی کیا ہے۔ مؤقر اخبار ''یو، ایس، نیوز اینڈ ورلڈر پورٹ'' کی ایک خبر میں کہا گیا ہے۔

''پھر 11 ستمبر آ گیا۔ دنیا بھر میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہوگئی جس نے واشنگٹن کے ہاتھ میں دنیا بھر کی سیاست کو تھل پتھل کر دینے کے لیے ایک ایسا موقع آ گیا جو کبھی نسلوں بعد پیدا ہوا کرتا ہے حملے کے دس روز بعد وزارت خارجہ نے (سیکرٹری خارجہ) کولن پاول کے ہاتھ میں درجن بھر دلائل، نیو ورلڈ آرڈر کے لیے تھما دیئے''۔

والڈن بیلو جو امریکہ کی قیادت میں دنیا بھر کی اکانمی پر قبضے کی کوششوں کا بہت بڑا نقاد ہے وہ بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے۔

''القاعدہ کی طرف سے نیویارک مشن، امریکہ اور عالمی اقتصادیات پر قبضے کا خواب دیکھنے والوں کے لئے غالباً سب سے بڑا تحفہ تھا''۔ جہاں تک حکومتی سیاسی پالیسیوں کا تعلق ہے۔ صدر بش کی پارٹی سینٹ میں اقلیت میں تھی اور صدر کا اس پر کوئی کنٹرول نہیں تھا۔ 9/11 واقعات نے اسے حالیہ دور کا یقینی طور پر امریکہ کا سب سے پاورفل صدر بنا دیا''۔

کیرن ٹالبوٹ جو ''انٹرنیشنل سنٹر برائے پیس اور جسٹس'' کی ڈائریکٹر ہے، اپنے

Marfat.com

ایک بیان میں برزنسکی کی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے کہتی ہے۔

"11 ستمبر کے دہشت گرد حملوں نے یو۔ ایس۔ کو اس ماہیت کے نئے مواقع مہیا کر دیئے ہیں کہ بڑی آئل کمپنیوں کے مفادات کی خاطر امریکہ مستقل طور پر اپنی ملٹری طاقت کے زور پر سوویت یونین کی سنٹرل ایشیاء کی سابقہ ریاستوں میں اپنے پنجے گاڑ لے گا جہاں کہ تیل کے بہت بھاری ذخائر موجود ہیں، جو دنیا بھر میں دوسرے سب سے بڑے ذخائر ہیں۔ اب افغانستان اور پاکستان کے راستے آئل پائپ لائن بچھانے کا راستہ صاف ہو گیا ہے۔ اب امریکہ کے لیے یہ سنہری موقع ہے کہ تیل کے ذخائر سے بھرپور سنٹرل ایشیاء میں مستقل طور پر اپنے قدم مضبوطی سے جمالے"۔

مشہور سیاسی تجزیہ نگار ولیم پاف نے لکھا:

"بہت سے امریکنوں اور دوسروں کو پہلے ہی نظر آ رہا تھا کہ امریکہ بین الاقوامی قسم کی سامراجیت قائم کرنے کے راستے پر گامزن ہے۔ اگلی دو تین دہائیوں میں یہ دیکھنا ہو گا کہ امریکہ اپنی اندھی طاقت کو دنیا پر کس طرح مسلط کرتا ہے۔ 11 ستمبر سے پہلے اس ملک کو سیاسی طور پر اپنی مرضی دنیا سے منوانے کے لیے کوئی جواز نہ تھا لیکن 11 ستمبر نے اپنی طاقت منوانے کا جواز مہیا کر دیا ہے"۔

احمد نے اس دلیل کی تائید میں سوشل سائنٹسٹ اور فلاسفر جان میک مرے کا بیان نقل کیا ہے۔

عدالتی اصول کہ "جرم سے سب سے زیادہ فائدہ کس کو پہنچا؟" صاف طور پر بش انتظامیہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ سوچنے والے کو بڑا ہی معصوم گردانا جائے گا کہ بش جونیئر کو جس کے تیل، دفاعی انڈسٹری اور وال سٹریٹ (سٹاک ایکسچینج) میں مفادات ہیں اس وسیع قتل عام سے سب سے زیادہ فائدہ نہیں پہنچا۔ یہ پہلے سے طے شدہ خواہشات کی ایک فہرست تھی اور ان واقعات کو یقینی طور پر وقوع پذیر ہونا تھا۔ امریکہ کی تیزی سے گرتی ہوئی معاشی حالت سے عوام کی توجہ ہٹانے کے لیے کسی بیرونی شیطان پر حملہ ضروری تھا جبکہ بش حکومت کی مقبولیت تیزی سے زمین بوس ہو رہی تھی۔ ان واقعات کے نتیجے میں ملٹری، سی آئی اے اور تمام سلامتی وفاقی اداروں کو اتنے زیادہ پیسے مل گئے۔ جتنے کبھی نہیں ملے تھے اور انہوں نے عوام کو ایسے شکنجے میں کس لیا کا جس کا کبھی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ

Marfat.com

ایک ایسا "نیا دور" تھا جس کا "وائٹ ہاؤس" پہلے ہی اعلان کر چکا تھا"۔

اسی اصول کے تحت جب کوئی جرم ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں جس شخص کو زیادہ فائدہ پہنچا ہو۔ اسی کو مشکوک سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا بدیہی طور پر یہی نظر آتا ہے کہ بش انتظامیہ اس مخصوص جرم میں ملوث تھی۔ یہاں ہم محتاط انداز میں پیٹرک مارٹن کے فقرے کو دہراتے ہیں۔ "یہ سوال کرنا مناسب ہوگا کہ جن لوگوں نے اس المیے سے فائدہ اٹھایا، وہی اس کے وقوع پذیر ہونے کے بھی ذمہ داری ہیں"۔

ان اور دوسرے دلائل سے کہ "سب سے زیادہ فائدہ کس کو پہنچا؟" ہمیں اس شبہے کی طرف لے جاتی ہے کہ امریکی حکومت اس سازش میں ملوث ہے۔ اس کے بعد احمد نے ان شواہد اور شکوک وشبہات کا خلاصہ اس طرح پیش کیا ہے۔

بالٹی مور، دسمبر 2002ء مصنف، مائے اور سعید طاہر

Marfat.com

سرکاری سازش کے ثبوت

احمد نے اپنی شہادتوں کا جو خلاصہ پیش کیا ہے اور جس کی تائید چوسودوسکی، تھامپسن، میسان اور دوسرے لوگوں نے جنہوں نے اس پر کام کیا ہے کے نکات سے بھی ہوتی ہے، جس کی مختصر تفصیل ذیل میں دی جارہی ہے۔

1- یہ شہادت کہ افغانستان اور عراق کے خلاف جنگ کی منصوبہ بندی پہلے سے ہی کی ہوئی تھی۔ لہٰذا 9/11 کے المیئے نے جواز نہیں بلکہ حملے کا بہانہ مہیا کردیا۔

2- یہ شہادت کہ القاعدہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو امریکہ میں آنے کی اجازت دی گئی جبکہ انہیں ملک سے باہر رکھنے کی ضرورت تھی۔

3- یہ شہادت کہ القاعدہ سے تعلق رکھنے والے افراد کو امریکہ کے فلائٹ سکولوں میں ہوابازی کی ٹریننگ کی سہولیات مہیا کی گئیں۔

4- یہ شہادت کہ 9/11 کے حملے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے اگر ہائی جیکرز کو روکنے کے لئے اونچی حکومتی سطح پر معمول کا طریق کار معطل نہ کیا گیا ہوتا۔

5- یہ شہادت کہ سیاسی اور ملٹری لیڈروں نے ہائی جیکنگ روکنے کی کوششوں کے بارے میں جھوٹے بیانات دیئے اور امریکن پبلک کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔

6- یہ شہادت کہ سرکاری طور پر کہا گیا کہ ہائی جیکروں کو روکنے کے لیے جیٹ فائٹر بروقت فضا میں بلند کردیئے گئے تھے اور وہ لیٹ پہنچے اور المیہ ہو چکا تھا۔ یہ کہانی 9/11 المیئے کے چندروز بعد گھڑی گئی تھی۔

7- یہ شہادت کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی عمارات دھماکہ خیز مواد کے ذریعے زمین بوس کی گئی

Marfat.com

تھیں کیونکہ گورنمنٹ نے ملبے اور خصوصاً سٹیل سے دھماکہ خیز مواد کے استعمال کے ثبوت اکٹھے کرنے میں رکاوٹ پیدا کی تھی اور شہادتوں کو ضائع کرنے کی کوشش کی (ملبہ اور سریا معائنے کے بغیر فوراً ہٹا دیا گیا تھا کہ دھماکہ خیز مواد کے استعمال کے ثبوت نہ مل سکیں۔ مترجم)

8- یہ دشہادت کہ انتظامیہ میں کسی اعلیٰ سطح پر موجود شخصیت کی خواہش تھی کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے دوسرے ٹاور اور پنٹاگان میں جانی نقصان ہونا چاہئے اس لیے ان عمارتوں کو خالی نہیں کرایا گیا تھا۔

9- یہ شہادت کہ پنٹاگان سے بوئنگ 757 نہیں بلکہ چھوٹا جہاز یا ممکنہ طور پر گائیڈڈ میزائل ٹکرایا تھا۔

10- یہ شہادت کہ فلائٹ 93 کو اس اطلاع کے بعد شوٹ کر دیا گیا تھا کہ مسافروں نے اس کا کنٹرول سنبھال لیا تھا (اور اس کے بحفاظت زمین پر اترنے سے سرکاری سازش کا بھانڈہ پھوٹ سکتا تھا۔ مترجم۔)

11- یہ شہادت کہ وزیر دفاع رمسفیلڈ نے پہلے دو حملوں کا انکشاف کر دیا تھا۔

12- یہ شہادت کہ 9/11 کو صدر بش نے ان حملوں کی خبر سننے کے بعد بھی کسی سنجیدگی اور پریشانی کا اظہار نہیں کیا۔

13- یہ شہادت کہ صدر بش اور اس کی سیکرٹ سروس کو علم تھا کہ 9/11 کو وہ حملوں کا نشانہ نہیں بنے گا۔

14- یہ شہادت کہ ایف بی آئی کے پاس حملوں سے ایک ماہ قبل حملوں کے وقت اور نشانہ بننے والی جگہوں کے بارے میں مصدقہ اطلاع پہلے سے موجود تھی۔

15- یہ شہادت کہ سی آئی اے اور دوسری انٹیلی جنس ایجنسیوں کو 9/11 کے فوراً پہلے ایک خاص طے شدہ ریٹ پر تباہ ہونے والے جہازوں کی کمپنی کے شیئرز کی بھاری خرید و فروخت سے اندازہ ہو جانا چاہئے تھا کہ حملہ ہونے والا ہے۔

16- یہ شہادت کہ بش انتظامیہ نے اس بارے جھوٹے بیانات دیئے کہ انہیں حملوں کا پہلے سے کوئی علم نہیں تھا۔

17- یہ شہادت کہ ایف بی آئی اور دوسری وفاقی ایجنسیوں نے 9/11 سے تحقیقات

Marfat.com

میں رکاوٹ پیدا کی جس کے نتیجے میں حملوں کا منصوبہ بے نقاب ہو سکتا تھا۔

18- یہ شہادت کہ پولیس افسران نے آئی ایس آئی کے چیف کی 9/11 حملوں کے نتیجے میں واشنگٹن میں موجودگی کو چھپانے کی کوشش کی۔

19- یہ شہادت کہ پولیس اہلکاروں نے 9/11 حملوں میں پاکستان کی آئی ایس آئی کے ملوث ہونے کی شہادت کو خفیہ رکھنے کی کوشش کی۔

20- یہ شہادت کہ ایف بی آئی اور دوسری وفاقی ایجنسیوں نے حملوں کے بعد تحقیقات میں رکاوٹ پیدا کی جس سے مجرموں کو بے نقاب کیا جا سکتا تھا۔

21- یہ شہادت کہ یونائٹڈ سٹیٹ نے حملوں سے پہلے یا بعد میں اسامہ بن لادن کو ختم کرنے یا پکڑنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔

22- یہ شہادت کہ بش انتظامیہ میں شامل اہم شخصیات کسی "نئے پرل ہاربر" کے وقوع پذیر ہونے کی خواہش مند تھیں کیونکہ اس کے خیال میں اس سے بڑے فوائد حاصل کئے جا سکتے تھے۔

23- یہ شہادت کہ وہ موقع جس کے وقوع پذیر ہونے سے بہت سے فوائد کی پیش گوئی کی جا رہی تھی اور جسے بش نے خود "21ویں صدی کا پرل ہاربر" قرار دیا تھا۔ بش انتظامیہ کو عطا ہو گیا۔

24- یہ شہادت کہ دوسری طرف حملے روکنے میں اداروں کی نااہلیت کا جو نظریہ پیش کیا جا رہا تھا، وہ اس طرح باطل ثابت ہو گیا کہ نااہلی اور ناکامی کے ذمہ داروں کو برخاست کرنے کی بجائے ترقیوں اور اعلیٰ عہدوں سے نوازا گیا۔

حکومت (امریکہ) کے اس سازش میں ملوث ہونے کے بارے میں اپنے دلائل (جس میں مندرجہ بالا شواہد میں سے بہت سے شامل ہیں اگرچہ تمام 24 نہیں) کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے احمد کا مزید کہنا ہے کہ اس کے خیال میں اس کے پیش کردہ دلائل سے کوئی حتمی نتیجہ نہیں نکل سکتا، لیکن اس کے نقطۂ نظر سے موجودہ حالات اور شواہد جواب تک ملتے آئے ہیں کی روشنی میں یہی بہترین نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا۔

Marfat.com

مسلم دنیا کو دہشت گرد قرار دینے اور مسلم ممالک کو نشانہ بنانے کے لیے ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹاگون کو بارود سے اُڑانے کا منصوبہ، امریکہ نے خود بنایا!

اپنی نئی آئیڈیالوجی کے تحت، امریکہ نئے نئے دشمن پیدا کئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ مسلسل جنگ آزما ہو کر، دنیا میں اپنا اثر ونفوذ بڑھانا چاہتا ہے۔ آج اسے پٹرول کی ضرورت ہے، کل اسے پانی کی ضرورت بھی ہوگی۔ امریکہ جنگی حکمت عملی کے ذریعے دنیا کے وسائل پر قبضہ کرنا چاہتا ہے

بیر جان فریک ایک فرانسیسی تجزیہ نگار ہیں۔ ایک عرصہ تک نیویارک ٹائمز اور واشنگٹن پوسٹ کے لیے مضامین لکھتے رہے ہیں۔ آج کل وہ امریکہ کے لیے ایک ناپسندیدہ شخص بن چکے ہیں۔ خاص طور پر اپنی کتاب ''جھوٹ کا نام سیاست ہے'' کی مقبولیت کے بعد انہیں امریکہ میں ناپسند کیا جانے لگا ہے۔ فریک اصلاً ہالینڈ کے رہنے والے ہیں۔ وہ یورپی پارلیمنٹ کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ ان کا درج ذیل انٹرویو ''المجتمع'' میں شائع ہوا ہے۔

س......دس سال قبل آپ امریکہ کے اہم اخبارات مثلاً واشنگٹن پوسٹ اور نیویارک ٹائمز وغیرہ کے اہم ترین قلم کاروں میں شمار کیے جاتے تھے لیکن اب امریکہ میں آپ ناپسندیدہ صحافی بن گئے ہیں، اپنے خلاف اس تبدیلی کو کس طرح بیان کریں گے؟

ج......درست ہے۔ جو کچھ بھی پیش آیا وہ یہ ہے کہ ہم تمام لوگ امریکی پراپیگنڈے کے جال میں پھنس گئے ہیں جو ہمیں حقیقت کے خلاف لے جانے میں کامیاب ہو گیا ہے، اسی لیے جب میں نے 2001ء میں حادثہ ستمبر کے بعد ایک مضمون ''حقیقت کی تلاش'' لکھا تو امریکہ میں مجھ پر الزام لگایا گیا کہ میں اس قومی حادثے کی آڑ میں شہرت کمانا چاہتا ہوں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ امریکی طرزِ عمل پر شک کرنے والا میں تنہا نہیں ہوں، خاص طور پر ان واقعات کے تعلق سے۔ اس کے ساتھ ہی جنوری 2003ء میں بلجیکا میں مختلف فکری وسیاسی شخصیات کے درمیان منعقد ہونے والی پہلی میٹنگ میں، میں نے ایک بیان دیا جس

Marfat.com

میں، میں نے کہا تھا کہ ہمیں امریکہ کی وضع کردہ کہانی میں بالخصوص اس حادثے کے بارے میں شک ہے اور ہم حقیقت جاننا چاہتے ہیں تاکہ دیگر ممالک امریکہ کے وسیع تر منصوبے کا شکار نہ بنیں جو وہ دنیا کے تیل کے ذخائر سے مالا مال علاقوں پر قبضہ جمانے کی غرض سے روبہ عمل لانا چاہتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوا تو ہر ملک ایک دوسرا عراق بن جائے گا۔

س......آپ کی گفتگو نے مجبور کیا ہے کہ آپ سے اس حقیقت کے بارے میں سوال کروں جس کے متعلق آپ کا خیال ہے کہ امریکہ نے اس کو مخفی رکھا ہے، خاص طور سے حادثہ ستمبر کے تعلق سے؟

ج......ہاں! میں سمجھتا ہوں کہ خود امریکیوں اور دنیا کے خلاف امریکہ کے منصوبوں کو طشت ازبام کرنے وقت آگیا ہے کیونکہ ستمبر کا حادثہ کوئی عام حادثہ نہیں تھا نہ یہ بات تھی جیسا کہ ہم سے کہا جارہا ہے کہ یہ دنیا کے خلاف اسلامی سازش تھی۔ ذرائع ابلاغ نے ایک سدھائے ہوئے طوطے کی طرح اس کی رٹ لگائی یہاں تک کہ اسلامی ممالک کو مغربی تہذیب کے لیے ایک ہوا بنا دیا اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ امریکہ یہی چاہتا تھا کہ وہ مشرق وسطیٰ میں اپنی پیش قدمی کو جائز ٹھہرا سکے، جس سے اس کا مقصد عرب تنظیموں اور مشرق وسطیٰ کی تنظیموں کو دہشت گرد قرار دینا ہے، یہ حقیقت اب کسی سے مخفی نہیں رہی ہے۔ نیویارک ٹائمز نے گزشتہ دنوں کچھ عرصہ پہلے اس رپورٹ کی اشاعت پر امریکی عوام سے معافی مانگی تھی، جس کو ان لوگوں نے تیار کیا تھا، جن کا پینٹاگون اور وہائٹ ہاؤس سے گٹھ جوڑ رہا ہے۔ اس رپورٹ کی اشاعت کا مقصد افغانستان کے خلاف جنگ کی اس قرارداد کو سامنے لانا تھا جو 11 ستمبر کے حادثے سے پہلے ہی پاس ہو چکی تھی۔ پھر اس کے بعد ایف بی آئی نے جو ڈرامہ ترتیب دیا تھا وہ بھی حقیقت میں ہالی ووڈ کی کسی فلم کا منظر معلوم ہوتا تھا۔ آج جبکہ اس حادثے کو پانچ برس ہو چکے ہیں لوگ اس کی کسی تحقیق کی تصدیق نہیں کریں گے۔ اب تو اس حقیقت سے واقف ہونے کا وقت آگیا ہے۔ بش دوم کی انتظامیہ نے یہ حادثہ اس لیے کیا تاکہ بین الاقوامی کشمکش کا دائرہ وسیع کرنے کے لیے اسے خونریز جنگوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

س......لیکن آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں امریکہ اسے محض ایک رائے اور آپ کے ذاتی تاثرات سے زیادہ اہمیت نہیں دے گا کیونکہ آپ کی تمام باتیں صرف نظری ہیں؟

Marfat.com

ج ......جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہماری یہ تحریک ایک فکری، سیاسی و ثقافتی آواز سے عبارت ہے اس میں ہر وہ شخص شامل ہے جو ہماری ہی طرح تشدد کو اس کی ہر شکل میں ختم کر دینا چاہتا۔ ہمارا یقین ہے کہ جن دلائل اور اسباب کی بنیاد پر امریکہ نے اپنی اس تازہ جنگ کی عمارت کھڑی کی وہ اسباب خود بے بنیاد ہیں اور عراق و افغانستان کے خلاف جنگ کا فیصلہ پہلے کر لیا گیا تھا، صرف اس جنگ کے آغاز کے لیے ایک واضح بہانے کی ضرورت تھی۔ اس کام کے لیے ایسی کارروائی سے زیادہ بہتر اور قیمتی کوئی چیز نہیں تھی، جس میں مختلف شخصیات کا تعلق کچھ مخصوص عرب ممالک سے جوڑ دیا جائے یہ کہہ کر یہ ''دہشت گرد ممالک ہیں'' اور یہی وہ الزام ہے جو امریکہ نے عرب ممالک اور بعض لاطینی امریکہ کے ممالک پر بھی عائد کیا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ خطہ عرب میں امریکہ کی ترجیحات عملاً موجود ہیں اور سیاسی تجزیہ نگار کی حیثیت سے میں یہ جانتا ہوں کہ اب وہ مشرق وسطیٰ میں دوبارہ اپنی جگہ بنانا چاہتا ہے اس لیے وہ پٹرول پر قبضے اور فوجی انتشار کو بنیاد بنا رہا ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جس پر ہم توجہ مرکوز کرنا چاہتے ہیں کہ صہیونی حکومت واحد حکومت ہے جس کو 11 ستمبر کے حادثے سے فائدہ پہنچا ہے۔ اس کے علاوہ کسی نے اس حادثے سے فائدہ اٹھایا؟ کسی نے نہیں! یہاں تک کہ خود امریکہ کو بھی اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ وہ حقائق کیا ہیں؟

1- امریکی انتظامیہ نے اپنے عوام کو تحدید کے ساتھ یہ بتانے میں جھوٹ بولا کہ 11 ستمبر 2001ء کو کیا حادثہ پیش آیا، تحقیق کیے بغیر ہی عرب ممالک پر ان حملوں کا الزام عائد کر دیا۔ امریکہ کی یہ زبردست غلطی تھی کہ اس نے اپنے خلاف اسلامی دہشت گردی کا جواز پیش کر کے الزام لگانے میں اتنی تیزی کا مظاہرہ کیا۔

2- حادثہ کی تحقیقات کی رفتار سست اور طریقہ انتہائی پیچیدہ تھا اور امریکی انتظامیہ نے عمداً حالات کو اپنے لیے غیر واضح فرض کر لیا تھا لیکن آخر میں وہی نتیجہ برآمد ہوا جو امریکی انتظامیہ نے پہلے ہی بیان کر دیا تھا کہ یہ دہشت گردانہ حملے امریکہ اور مغربی تہذیب کے خلاف اسلامی سازش ہیں۔

3- حادثے کے چند گھنٹوں کے بعد حملہ آوروں اور ان کے ساتھ ان ممالک کے نام بھی بتا دیئے گئے۔ یہ اس اعتبار سے بہت اہم بات ہے کہ تحقیقات ابھی شروع بھی نہیں

Marfat.com

ہوئی تھیں اور اس معاملے میں بالکل بے خبر تھے، سوائے پینٹا گون کے اندر موجود لوگوں کے، جنہوں نے دہشت گردوں کے نام بتانے میں بڑی جلدی دکھائی، یہاں تک ڈبلیوٹی او کی عمارت میں پھنسے ہوئے لوگوں کو ابتدائی امداد تک نہیں دی جا سکی تھی۔

4- اہم ترین نکتہ جس کو ساری دنیا نے محسوس کیا، یہ ہے کہ حادثے کے محض بارہ گھنٹے کے بعد ہی ایک دہشت گرد محمد عطا کا پاسپورٹ میڈیا کے سامنے پیش کیا گیا اور دنیا کو یہ بتایا گیا کہ یہی وہ دہشت گرد ہے جو اس جہاز کو چلا رہا تھا جو ڈبلیوٹی او کی دوسری عمارت سے ٹکرایا تھا۔ گویا جس وقت دونوں جہاز اور دونوں عمارتیں انتہائی گرم ٹمپریچر کی وجہ سے پگھل کر بیٹھ گئیں ٹھیک اسی وقت انہیں اس دہشت گرد کا پاسپورٹ صحیح سالم مل گیا۔ یہ کیسے ہو گیا؟ انہیں یہ احمقانہ بات گھڑنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ کہ صرف خاص طور پر خلائی دہشت گرد کا پاسپورٹ جہاز سے گر پڑا اور باقی تمام چیزیں اور خود دہشت گرد بھی جہاز کے ساتھ فنا ہو گیا یہاں تک کہ بلیک باکس بھی پگھل گیا۔ حیرت ہے کہ بلیک باکس جو اعلیٰ ڈگری کا درجہ حرارت بھی جھیلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ تو پگھل کر ختم ہو گئے لیکن محمد عطا کا پاسپورٹ بچ گیا جو اس انتظار میں تھا کہ تحقیقات کا عملہ عمارت کے ڈھیر میں سے اسے حاصل کرے اور یہ کہہ کر اس کی تصویر مشہور کر دے کہ یہ اس اسلامی دہشت گرد کا پاسپورٹ ہے جو مذکورہ جہاز کا پائلٹ تھا۔ کیا یہ واقعی ابلاغی جرم نہیں ہے؟

س...... جنہیں آپ مسلمہ حقائق کا نام دے رہے ہیں بعض لوگ ان دلائل کو ناقابل ثبوت مانتے ہیں، آپ کی کیا رائے ہے؟

ج...... ناقابل ثبوت نہیں بلکہ حقیقی دلائل یہی ہیں اور ہوش و حواس کے ساتھ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم ہوائی باتوں کا نہیں بلکہ حقائق کا دفاع کر رہے ہیں جو جنگ شروع ہے اور جو ابھی چلے گی اس جنگ کے لیے بڑے بہانے کی ضرورت تھی اور نئے محافظین نے اس سلسلے میں جو کچھ کیا ہے اور جس طرح سے کیا ہے، اس سے زیادہ کرنا ان کے بس میں نہیں تھا ورنہ وہ شاید اور بھی کچھ کرتے۔

ان دہشت گردوں سے متعلق ایک نکتہ اور قابل غور ہے وہ یہ کہ یہ لوگ امریکہ میں داخل کیسے ہوئے؟ سرکاری تحقیقات بتاتی ہیں کہ یہ لوگ امریکہ کی سرحد میں فلاں فلاں تاریخوں میں داخل ہوئے یعنی بالفاظ دیگر وہ بالکل فطری طریقے سے امریکہ میں داخل

Marfat.com

ہوئے تھے اور ان میں سے تین اشخاص پہلے ہی سے فیڈرل پولیس کو مطلوب تھے اور اسی مقصد کے لیے ان کی تصاویر سیکورٹی پولیس اور ائیر پورٹ کی پولیس کو پہلے سے ہی فراہم کر دی گئی تھیں جبکہ وہ تصویریں جو ائیر پورٹ کیمرے سے حاصل ہوئی ہیں اور جنہیں سی این بی سی سے فوراً ہی جاری کر دیا گیا وہ تصویریں بتاتی ہیں کہ یہ لوگ اجنبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ عام آدمی کی حیثیت سے امریکہ میں داخل ہوئے۔ اس بات کا امریکہ کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ جو کچھ امریکہ نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے بالی ووڈ کی طرح کی ایک فلم تیار کی اور اسے وقفے وقفے سے جس طرح مناسب اور ضروری سمجھا پیش کر دیا۔ اس نے افغانستان سے آغاز کیا پھر عراق پر نمبر لگایا اور عنقریب شام اور ایران کا نمبر آئے گا۔ مجھے اس بات پر پختہ یقین ہے کہ امریکی انتظامیہ امریکہ کے اندر حادثہ ستمبر جیسے حادثات کو دہرانے کی کوشش کرے گی تاکہ ان حادثوں میں شام اور ایران کو ملوث کر سکے اور امریکی عوام کے لیے جنگ کو جائز ثابت کر سکے۔

س......آپ نے اپنی سابقہ کانفرنس میں کہا تھا کہ اصل ہوا جو دنیا کے لیے خطرہ بنا ہوا ہے وہ امریکہ ہے؟

ج......آپ مجھے یہ کہنے دیجئے کہ 88 فیصد یورپی لوگ امریکہ کو مجرم مانتے ہیں، یہ مذاق کی بات نہیں ہے۔ جب امریکیوں کو اپنے بارے میں یورپ کی اس رائے کا علم ہوا تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ ایک یورپی رپورٹ میں بھی اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ 53 فیصد یورپی عوام جن سے رائے طلب کی گئی انہوں نے یہی کہا کہ وہ امریکی طرزِ عمل کو ناجائز سمجھتے ہیں، خاص طور سے حادثہ ستمبر کے سلسلے میں، کیونکہ امریکہ نے اس کے بعد جس کے خلاف جنگ چھیڑنی چاہی، چھیڑ دی اور اس سلسلے میں بین الاقوامی قوانین کو بھی بالائے طاق رکھ دیا، بلکہ اب ایک قدم اور آگے بڑھ کر وہ اقوام متحدہ کو بھی ختم کر دینا چاہتا ہے تاکہ آئندہ اس کی جنگ میں وہ رکاوٹ نہ بن سکے اور امریکہ دنیا کا واحد حکمران بن جائے۔

س......آپ تہذیبوں کے تصادم کی حقیقت کے سلسلے میں کیا کہیں گے جسے کچھ عرصے پہلے فرانس کے بعض سیاسی مفکرین نے بھی اچھالا تھا۔ کیا آپ تہذیبوں کے تصادم کی اس انداز میں تائید کرتے ہیں جس طرح اس کو پیش کیا گیا ہے؟

Marfat.com

ج ...... میں اس سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ ہم یہ بات پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ دنیا میں جو کھیل شروع کیا گیا ہے۔ یہ یکطرفہ کھیل ہے اور آخر میں یہ تہذیبی تصادم کی شکل اختیار کرے گا، جیسا کہ امریکہ چاہتا ہے۔ یعنی کہ اسلامی ہوّا قائم کر کے یہ بات کرنا کہ اس کو ختم کرنا ضروری ہے اس کے بعد وہ کوئی نیا ہوّا کھڑا کرے گا۔ امریکہ تہذیبوں کو تباہ اس لیے کرنا چاہتا ہے کیونکہ وہ اپنے شکار سے بھڑنا نہیں چاہتا بلکہ پیچھے سے اسے ختم کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ صرف ان ممالک ہی کو تباہ نہیں کرے گا بلکہ ان کی تاریخ ان کی تہذیب وثقافت کو اسی طرح ختم کر دے گا جس طرح افغانستان اور اس کے بعد عراق میں کر رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ شام اور ایران کا بھی یہی حشر ہو۔ اندیشہ اس بات کا ہے کہ امریکہ اپنی نئی آئیڈیالوجی کی بنیاد پر اپنے دشمن اور نئے نئے ہوے پیدا کیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تاکہ وہ ان سے لڑتا رہے اور اس کے ذریعے دنیا میں اپنا عسکری نفوذ پھیلاتا چلا جائے کیونکہ جنگ لڑتے رہنے کے لیے فطری ذرائع کا حصول ضروری ہے۔ آج اسے پٹرول کی ضرورت ہے، کل اسے پانی کی بھی ضرورت محسوس ہوگی۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ آئندہ جو جنگیں ہوں گی ان کی بنیاد پٹرول نہیں بلکہ پانی بھی ہوگا، اسی لیے امریکہ دنیا کے تمام قدرتی وسائل پر قابض ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔

س ...... آپ نے اپنی ایک کتاب میں یہ بات کہی ہے کہ بین الاقوامی مفاہمت پر عمل اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک امریکہ نظریہ امن کے بجائے نظریہ جنگ پر قائم ہے اور یہ کہ یہی نظریہ اسرائیل کا بھی ہے؟

ج ...... بالکل! امریکہ خود سلامت ومحفوظ نہیں رہے گا کیونکہ وہ سلامتی چاہتا ہی نہیں ہے۔ اسی طرح اسرائیل بھی محفوظ نہیں رہے گا کیونکہ وہ بھی امن وامان نہیں چاہتا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ سیاست کی دنیا میں فائدے مند کاروبار تشدد کا کاروبار ہے وہ کسی بھی قسم کا تشدد ہو، ہتھیاروں اور اسلحے کا، ہالی ووڈ کی فلمیں، جنس اور منشیات وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔ چنانچہ وہ تنظیمیں جو امریکہ کو روبہ زوال کرنے کی طاقت نہیں رکھتیں وہ اس کو ان بہت سارے طریقوں سے تباہ کر دیں گی جن میں سے خانہ جنگی اور اچانک سیاسی انقلابات کا آنا بھی ہے۔ اسرائیل اپنی استطاعت بھر اس بات کی کوشش کر رہا ہے کہ امریکی جمہوری انتظامیہ میں اس کا وجود باقی رہے۔ اس معنی میں باقی رہے کہ امریکہ کو جس طرح چاہے علی

Marfat.com

الاعلان اور بلا کسی روک ٹوک کے کھڑا کر دے۔غزہ سے اسرائیلی انخلا میں بھی بڑا اہم نکتہ پوشیدہ ہے۔صیہونی اور امریکی میڈیا نے صرف ایک پہلو پر توجہ مرکوز رکھی اور صورت حال کو حقیقت کے خلاف رنگ دینے کی کوشش کی، میڈیا نے لوگوں کو یہ بتانا چاہا کہ اسرائیل نے اپنے عوام اور اپنے ماضی کے خوابوں کو قربان کر کے امن کی جانب ایک اہم پیش قدمی کی ہے حالانکہ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے، حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل کسی بھی چیز سے دست بردار نہیں ہوا ہے۔یہ انخلا گزشتہ معاہدے کا حصہ ہے جس کو اس وقت اس لیے زیر عمل لایا گیا ہے تاکہ فلسطینیوں کو اسلحہ پھینکنے پر مجبور کر دیا جائے۔یعنی فلسطینی مزاحمت کے خلاف سیاست اور میڈیا کا حصار کھینچ دیا جائے، جس سے اس مزاحمت کو ختم کرنے میں آسانی ہو۔فلسطینی مزاحمت کو صیہونی حکومت کے خلاف ''دہشت گردی'' کے طور پر پیش کیا جاتا رہے گا اور بین الاقوامی پیمانہ پر اس کی تشہیر کی جاتی رہے گی۔اسی دوران میں فلسطینیوں کو قتل کرنے اور قید کرنے کا سلسلہ بھی جاری رہے گا اور یہ مشہور کیا جائے گا کہ وہ ''فلسطینی دہشت گردی'' سے اپنا دفاع کر رہا ہے۔

نائن الیون کا الزام امریکی حکومت پر لگانے والے پروفیسر کو جبری رخصت پر بھیج دیا گیا۔

واشنگٹن: 11 ستمبر کو نیویارک میں دو ٹریڈ ٹاورز کو گرانے کا الزام حکومت امریکہ پر ڈالنے والے ایک پروفیسر کو تنخواہ کے ساتھ زبردستی رخصت پر بھیج دیا گیا ہے۔پروفیسر ڈاکٹر اسٹیون جونس ریاست یوٹا کی Brigham Young University میں فزکس پڑھاتے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ 110 منزلہ یہ دو عمارتیں صرف طیاروں کے ٹکرانے یا محض آگ لگنے سے مکمل طور پر بیٹھ نہیں سکتی تھیں، جیسا کہ ہوا تھا۔انہوں نے ایک مطالعہ میں کہا تھا کہ یہ عمارتیں اندرونی دھماکوں سے گری تھیں۔یہ دھماکہ خیز مواد بلڈنگ جوائنٹس میں رکھا جاتا ہے اور پھر وقفہ وقفہ کے ساتھ ریموٹ کنٹرول سے اُڑایا جاتا ہے اور اس طرح عمارات کا ملبہ اُڑنے یا پھیلنے کے بجائے پوری عمارت چند سیکنڈ میں قالین کی طرح لپٹتی ہوئی بیٹھ جاتی ہے۔ٹریڈ ٹاورز کو گرنے میں 10 سیکنڈ لگے تھے۔انہوں نے ملبے والے مواد پر تحقیق کی ہے اور اس میں Thermite پایا گیا ہے اور یہ مواد فوج Detonations میں استعمال

Marfat.com

کرتی ہے،ان کی رپورٹ 10 ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔یونیورسٹی کا کہنا ہے کہ وہ پروفیسر صاحب کی قیاس آرائی کے بارے میں تشویش رکھتی ہے۔وہ Cold Fusion کی ریسرچ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں اور انہوں نے 9/11 کی سچائی کی جو تحریک چلائی ہے،اس میں 75 دوسرے پروفیسر اور اسکالرز شامل ہیں۔دوسری طرف سابق امریکی صدر بل کلنٹن اور ڈیموکریٹک پارٹی اتوار اور پیر کو ABC ٹیلی ویژن کی ایک خصوصی دستاویزی فلم کے نشر یہ کو رکوانے کی کوشش کر رہے ہیں،جس میں الزام لگایا گیا ہے کہ صدر کلنٹن کی انتظامیہ اسامہ بن لادن کو 1990ء کی دھائی میں گرفتار یا قتل کر سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔

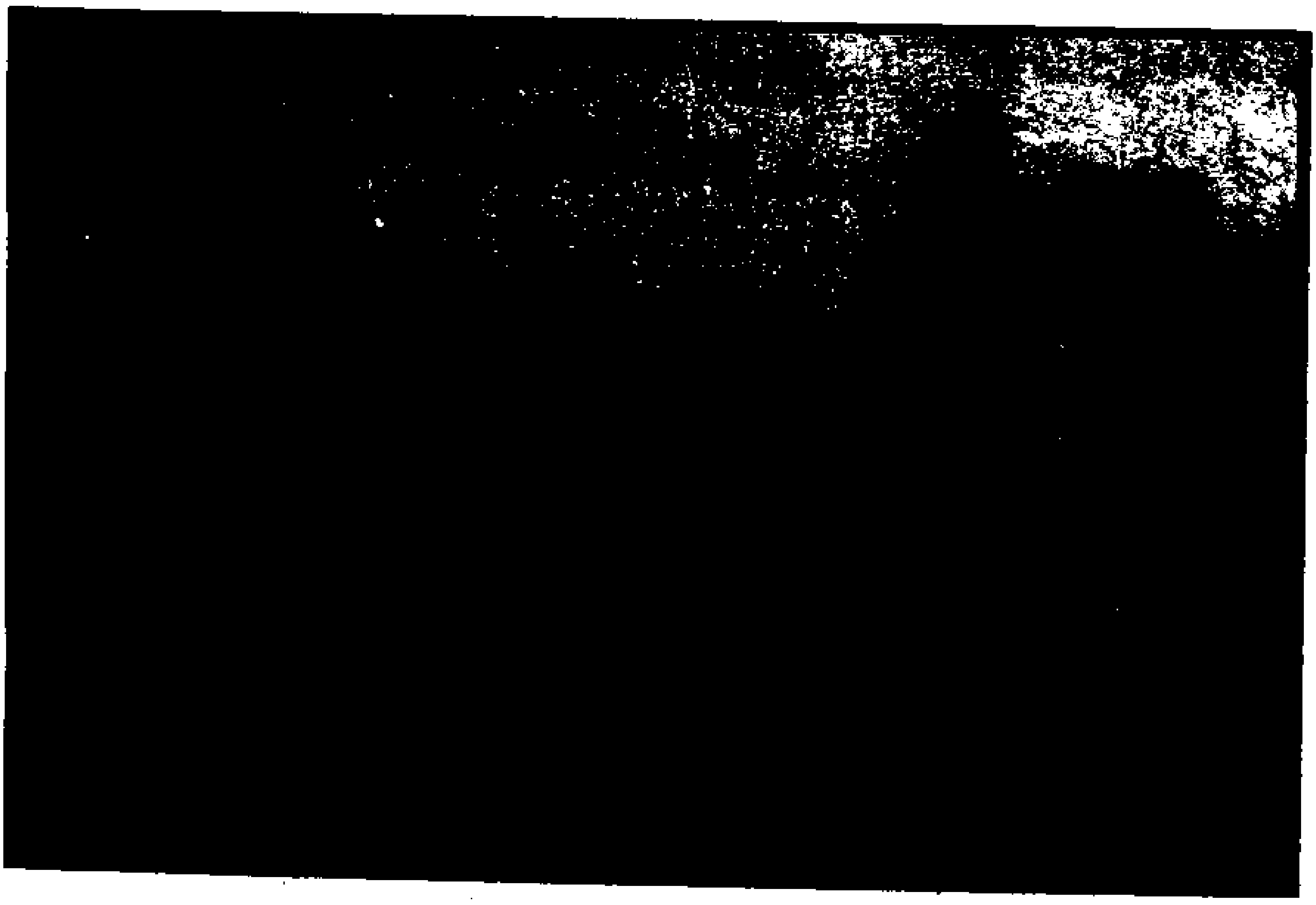

ہائیڈ پارک لندن۔مصنف اپنی اہلیہ مرحومہ کے ساتھ

Marfat.com

کتاب میں دیئے گئے اکثر حوالہ جات:

احمد نفیظ مصدق: ''وار آن فریڈم، ہاؤ اور وائی امریکہ واز اٹیکڈ ستمبر 2001,11''

شائع کردہ جوشوا ٹری۔ کیلفورنیا: ''ٹری آف لائف پبلیکیشن 2002ء

چوسودوسکی، مائیکل: ''وار اینڈ گلوبلائزیشن، ٹرتھ بیہائنڈ ستمبر 11'' کینڈا، گلوبل آؤٹ لک 2002ء

میسان، تھیری: ''9/11 دی بگ لائی'' لندن، کارنٹ 2002ء (فرانسیسی سے ترجمہ)

تھامپسن، پال: ''ستمبر 11، منٹ بائی منٹ'' سنٹر فار کوآپریٹو ریسرچ (ویب سائٹ)

حوالہ جات انٹروڈکشن:

1- جیمز بمفورڈ: ''باڈی آف سیکرٹس، نیویارک، اینکر بکس 2002ء (633)

2- واشنگٹن پوسٹ: ''27 جنوری 2002ء

3- ہنری کسنگر: ''ڈسٹرائے دی نیٹ ورک'' بحوالہ ''واشنگٹن پوسٹ 9/11'' اور تھیری میسان ''9/11 دی بگ لائی'' لندن۔

4- لانس مورو: ''دی کیس فار ریج اینڈ ایٹریبوشن'' بحوالہ ''ٹائم'' ستمبر 11، 2001ء

Marfat.com

امریکہ ایسا تو کبھی بھی نہیں تھا!

درج ذیل مضمون ایک امریکی شہری فریڈ ریڈ نے تحریر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ امریکی معاشرے میں انسانوں یا شہریوں کی کیا اہمیت ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ضرور کچھ نہ کچھ خرابی ہے۔ میرے خیال میں ہم میں سے اکثریت نے اس بات کو محسوس کر لیا ہے۔ اس ملک میں ایک مہلک برائی عود کر آئی ہے جس کو بہت سی ایسی چھوٹی برائیوں نے آشکار کر دیا ہے جن کو ذہنی طور پر ابھی یک جا کرنا مشکل ہے تاہم میں سمجھتا ہوں کہ یہ تمام کسی نہ کسی طور پر اس بڑی مہلک برائی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس مہلک برائی کی بدولت امریکی اسلوب اور رویوں میں آنے والی تبدیلی انتہائی گہری ہے جو نہ صرف مزید بڑھ رہی ہے بلکہ ناقابلِ واپسی اور آنکھیں چندھیا دینے والی ہے۔ امریکہ میں معاملات اب ویسے نہیں ہیں کہ جس طرح وہ ماضی میں تھے۔

اس سیارے پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ دنیا کا سب سے زیادہ نفرت کیا جانے والا ملک ہے۔ اس کے بعد اسرائیل کا نمبر آتا ہے لیکن اس میں کسی حد تک فرق ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے مسابقت کرنے کے حوالے سے کوئی اور ملک اس مقابلے میں شریک نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ایسا ہے بھی تو ''کس کو پرواہ ہے؟'' تاہم ایک وقت ایسا بھی تھا جب بہت وسیع پیمانے پر امریکہ کو پسند کیا جاتا تھا۔ اب تقریباً اس کو ایک بدمعاش ریاست کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور درحقیقت ایسا ہی ہے۔ جو بدمعاشی کا شغف پالے ہوئے ہے اس کے لیے اسے بھاری قیمت چکانی پڑ رہی ہے۔ جس کی ایک مثال گوادالا جارا میں موجود امریکی قونصلیٹ ہے جو جزوی طور پر ایک قلعہ اور جزوی طور پر ایک قید خانے کی تصویر پیش کرتا ہے۔ اس کے اطراف میں ہر طرف رکاوٹیں، کیمرے اور سلاخیں نصب ہیں۔ ڈر کے

Marfat.com

مارے یہاں ویزے کے حصول یا دیگر کسی بھی کام سے آنے والی عورتوں کے ہونٹوں پر لگی سرخی بھی سیکیورٹی کے نام پر لے لی جاتی ہے، ایک ملک جو خواتین کی سرخیوں سے بھی خوف وخطرہ محسوس کرنے لگا ہے اس کو اپنے معاملات پر انتہائی توجہ کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس امریکی قونصلیٹ کے مقابلے میں اس کے قریب ہی کونے پر واقع فرانس کے قونصلیٹ پر آپ جائیں تو آپ کو بالکل دوسری دنیا لگے گی اور یہ فرانسیسی قونصلیٹ دیگر ان تمام قونصلیٹ جن کو میں جانتا ہوں، کسی طرح بالکل کھلا اور ہر قسم کی رکاوٹ اور جھنجھٹ سے پاک ہے۔ فرانسیسیوں، چینیوں، جاپانیوں وغیرہ سے کوئی نفرت نہیں کرتا۔ امریکی حکومت اب اپنی عجیب وجداگانہ دنیا میں تنہا آباد ہے۔ اس سیارے پر فوجی حوالے سے سب سے زیادہ جارح ملک امریکہ ہے جس کے بعد انتہائی قریبی طور پر اسرائیل کا نمبر ہے۔ ان دونوں کے علاوہ میں کسی دوسرے ایسے ملک کو نہیں جانتا جو اس مقابلے میں شریک ہو۔

امریکہ کی اس جارحیت اور لڑاکا پن کی چند مثالیں بہت واضح اور سب پر آشکار ہیں۔ ان میں بغیر کسی معقول وجہ کے عراق پر حملہ کرنا، افغانستان پر تسلط قائم کرنا، ایران اور شام کو دھمکیاں دینا، اپنے پٹھو کے ذریعہ لبنان پر چڑھائی کرنا، صومالیہ پر بمباری کرنا اور مسلمانوں کا شکار کرنے کے لیے فلپائن میں اپنے فوجیوں کو تعینات کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ بات یہیں پر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ امریکہ وینزویلا کے ساتھ بھی معرکہ آرائی کے درپے ہے، جنوبی کوریا کو دھمکا رہا ہے، کیوبا پر پابندیاں عائد کر رہا ہے، چین کو اپنے اندر سمونے کی تگ ودو میں لگا ہوا ہے۔ وسطی ایشیا کے اندر گھسنے کی جدوجہد کر رہا ہے۔ اپنا فوجی بجٹ بڑھا رہا ہے اور نیٹو پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ وہ روس کے اتنا قریب ہو جائے کہ جتنا وہ آج تک نہیں ہوا (کیا آپ کے لیے احمق پن کی کوئی انتہا ہے؟ بالکل ہمہ تن گوش رہئے) اور اب پنٹاگون کی دسترس میں افریقن کمانڈ بھی ہے۔ اب افریقہ بھی امریکی دلچسپی کا معاملہ بن گیا ہے۔ امریکی حکومت کے عجیب وغریب اقدامات کی بدولت امریکہ میں ایک عجیب دیرُ تجسس حالت خوف کا دور دورہ ہے اس کی وجہ کوئی سبب نہیں ہے۔ بلکہ اس پُر خوف حالت کی وجہ موجودہ حکومت خود ہے جس نے بڑی نپی تلی ساز باز کے ساتھ اس خوف بھرے ڈزنی لینڈ کو تخلیق کیا ہے۔ حکومتی اقدامات کو دیکھ کر لگتا ہے کہ بہت جلد ہمارے سامنے ایک دہشت

Marfat.com

ناک عفریت ہوگا۔

میں حال ہی میں واشنگٹن میں تھا وہاں میرے مشاہدے میں یہ بات آئی کہ ہر طرف خوف کی نشاندہی کرتا ہوا مصنوعی سامان واہتمام بکھرا ہوا ہے۔ کہیں سڑکوں پر اُبھر کر نکل آنے والی آہنی رکاوٹیں نصب ہیں۔ کہیں پر لوگوں کو روکنے کے لیے فٹ پاتھوں پر آہنی پول نصب ہیں۔ اس کے علاوہ سب وے پر اسپیکروں کے ذریعے کبھی ختم نہ ہونے والا انتباہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے، جس میں لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ اگر آپ کوئی بھی مشکوک چیز یا کسی کا مشکوک رویہ دیکھیں تو فوراً اس کی رپورٹ کریں۔ اس کے علاوہ ہر طرف سیکیورٹی کے نام پر ہر قسم کی چیز کی تلاشی لینے کی تگ ودو جاری ہوتی ہے اور ہر قسم کی خاص و عام عمارات پر دھاتوں کا پتہ لگانے والے داخلی دروازے نصب ہیں حتیٰ کہ یہ دروازے کاؤنٹی حکومت کی عمارات اور اسکولوں (اسکولوں پر بھی، خدا کے لیے، یہاں اسکولوں میں کیا گڑبڑ ہوسکتی ہے) پر بھی نصب ہیں اور بلاشبہ حد تو یہ کہ سیکیورٹی کے نام پر یہاں ایئر پورٹ پر آپ کے شیمپو کی بوتل تک کو ضبط کرلیا جاتا ہے یہ سب اور کچھ بھی نہیں بلکہ صرف مجنونیت ہے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی امریکہ کی سرحدی چوکیوں پر دیکھی جاسکتی ہے۔ جہاں پر ان لوگوں کے ساتھ دھونس وزبردستی کا سلوک روا رکھا جاتا ہے جو کہ باقاعدہ ویزے کے ساتھ امریکہ میں داخلے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ دنیا کے ہر ملک کو اس بات کا جائزہ لینے کا حق حاصل ہے کہ وہ اس بات کی جانچ کرے کہ کون اس کے ملک میں داخل ہورہا ہے۔ یہ اچھی بات ہے لیکن اگر آپ نہیں چاہتے کہ لوگ آپ کے ملک میں داخل ہوں تو پھر ان کو امریکہ میں داخلے کا ویزہ ہی جاری مت کریں اور اگر آپ لوگوں کو اپنے ملک میں داخل ہونے کا ویزہ جاری کرتے ہیں تو پھر سرحد پر موجود حکومتی نمائندوں کو تھوڑا عزت کے ساتھ پیش آنے کی بھی کوشش کرنی چاہیے۔

واکلیتا کے پاس امریکی ویزہ تھا جو اس کو دونوں بار ایک امریکی قونصلیٹ کی طرف سے اس وقت جاری کیا گیا تھا جب ہم امریکہ گئے تھے۔ اس کے باوجود امریکہ کے ''سرحدی نازیوں'' نے اس کے ساتھ انتہائی ناروا سلوک کیا۔ ان کا سلوک انتہائی بھیانک اور ناقابل برداشت تھا۔ میں پیدائشی طور پر ایک میکسیکن نہیں ہوں لیکن اس کے باوجود مجھ سے بھی اسی طرح کے ہولناک سوالات پوچھے جاتے ہیں کہ میں کہاں جارہا ہوں، میں میں

Marfat.com

میکسیکو میں کیوں تھا وغیرہ۔ ان کا اس بات سے کیا تعلق ہے کہ میں اپنے ملک میں کہاں جاتا ہوں یا پھر مجھے کہاں جانا چاہئے اور کہاں نہیں جانا چاہئے، لیکن امریکی حکومت کے عہدے دار ہر معاملے میں دخل اندازی اپنا حق سمجھتے ہیں اور اب حکومتی اختیارات کی کوئی حد نہیں ہے۔ میرا ایک دوست جس کی شادی ایک میکسیکن خاتون سے ہوئی تھی اور اس کے پاس امریکہ میں داخلے کا ویزہ بھی موجود تھا۔ کچھ عرصہ بعد دونوں کی علیحدگی ہو گئی۔ یہ دونوں جب میکسیکو سرحدی چوکی پر امریکہ میں داخلے کے لیے پہنچے تو وہاں کے عہدے داروں نے ان سے انتہائی ذلت آمیز سوالات پوچھے اور ان سے انتہائی برا سلوک برتا جس کی وجہ سے میرے دوست کی سابقہ میکسیکن بیوی روتی ہوئی چوکی سے باہر آئی۔ امریکہ ایسا تو کبھی نہیں تھا جیسا کہ یہ اب ہے۔

اب امریکی مصنوعی دنیا کے سلوک کا موزانہ دیگر حقیقی دنیا کے ساتھ کرتے ہیں۔ میں ایک بار بیجنگ گیا (وہ بیجنگ جسے یہاں پر Comnie بیجنگ کہا جاتا ہے، صحیح ہے ناں؟) وہاں جب ائیر پورٹ پر ہوائی جہاز اترا اور میں ویزہ افسر کے پاس پہنچا تو اس نے بمشکل میرے 20 سیکنڈ لیے ہوں گے۔ اس نے اس مختصر سے وقت میں صرف یہ دیکھا کہ آیا میرا ویزہ درست ہے اور اس نے فوراً میرے پاسپورٹ پر کلیئرنس کی مہر ثبت کر کے مجھے شکریہ کہا اور بغیر کسی سامان کی تلاشی دیے اگلے ہی لمحے میں ٹیکسی میں پہنچ گیا۔ ایک بار میں اور روی اٹلی جاتے ہوئے پیرس میں جہاز سے اترے۔ جب وہاں ائیر پورٹ پر ویزہ افسر کے پاس پہنچے تو اس نے محض ایک نظر پاسپورٹ پر ڈالی اور یہ کہہ کر پاسپورٹ واپس لوٹا دیا کہ یہ ایک پاسپورٹ ہے اور نہ کوئی مہر لگائی اور نہ کوئی سامان کی تلاشی ہوئی اور ہم باہر کی طرف روانہ ہو گئے اور اٹلی میں تو ہمارے پاسپورٹوں میں ایک نظر تک مارنے کی زحمت نہیں کی گئی اور ہمیں مسکراتے ہوئے ائیر پورٹ سے باہر جانے دیا گیا۔ واہ کتنے سمجھدار اور پختہ رویے کے مالک ہیں یہ دیگر دنیا والے۔ امریکہ میں یہاں کا آئین حقیقی طور پر اہمیت کھو رہا ہے اور یا پہلے ہی کھو چکا ہے کیوں کہ اس نے کبھی بھی اس طرح سے عوامی مفاد میں کام نہیں کیا جس اچھے طریقے سے اس کو کرنا چاہئے تھا تاہم کچھ معاملے ایسے ہوتے ہیں جو انسان ہمیشہ سے کرتا چلا آرہا ہے۔ آئین کے کھو جانے کی چند مثالوں کو اگر لیا جائے تو آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اب اس ملک میں ملزموں کو حاضری کے لیے دیا جانے والا پروانہ ختم ہو چکا ہے، ملزم کا

Marfat.com

کسی وکیل کو حاصل کرنے کا حق مفقود ہو چکا ہے، حتیٰ کہ کانگریس کا کسی ملک کے ساتھ جنگ کا اعلان کرنے کا حق ہوا میں گم ہو گیا ہے۔ آئینی حقوق کی پامالی کی فہرست اتنی محبوب ہے کہ یہ سننے کے لائق بھی نہیں ہے۔

یہاں زندگی پر بڑھتی ہوئی تفصیلی مگر لاحاصل قدغن اور کنٹرول، کنٹرول، کنٹرول کی قومی خواہش بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ یہاں پر سب کچھ کسی نہ کسی شکل میں حکومت کا معاملہ ہے۔ مثال کے طور پر آپ اگر اپنا شٹر رنگوانا چاہتے ہیں؟ تو یہاں کی Cordo ایسوسی ایشن آپ کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے گی۔ کیا آپ یہاں کتوں کو بار میں آنے کی اجازت دے سکتے ہیں؟ نہیں کبھی نہیں۔ کیا آپ یہاں فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کس کو اپنا گھر فروخت کیا جائے؟ ناممکن کیوں کہ یہ بھی نسلی معاملہ بن جاتا ہے۔ کیا آپ ایک کتا رکھ سکتے ہیں؟ یہ بھی اتنا آسان نہیں کیوں کہ اس کے لیے آپ کو شارٹ کارڈ، پوپراسکوپ وغیرہ کے لوازمات پورے کرنے ہوں گے۔ آپ صرف مردوں کی بار بنانا چاہیں یا صرف عورتوں کی یا پھر گوروں کی یا صرف کالوں کی؟ تو فوراً آپ کے سر پر امریکی فیڈرل مارشل آن دھمکتے ہیں۔ یہاں اس ملک میں ہر چیز حکومت کے کنٹرول میں ہے اور اگر کوئی چیز نہیں ہے تو اسے سیاسی درستگی کے خفیہ اور کینہ پرور عوامی قاعدے کے ذریعے کنٹرول میں لیا جاتا ہے۔ یہ رویہ اور طریقہ کار ہمیشہ سے امریکہ کے کردار کے اندر نہیں پایا جاتا تھا۔

ان تمام خرابیوں میں کچھ مزید کو بھی شامل کر لیں جن میں اسکولوں کے اندر پولیس کی مسلسل موجودگی، سات سال کی عمروں کے بچوں کو ہتھکڑی لگا کر گرفتار کیا جانا، کسی سپاہی کی بندوق تھامے ہوئے تصویر بنانے کی پاداش میں بچوں کا اسکول سے خارج کیا جانا وغیرہ شامل ہیں۔ یہ سب کچھ انتہائی قابل فکر و غور ہے کیوں کہ اس ملک میں کچھ انتہائی الٹا سیدھا معاملہ چل رہا ہے۔ ایسے میں لوگوں کی کتنی مقدار کے علم میں یہ بات ہے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ یا صرف اتنا بھی پتہ ہے کہ یہاں کچھ ہو رہا ہے؟ میرے علم میں یہ بات نہیں ہے تاہم میں ایسا بھی بالکل نہیں سوچتا کہ یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ میرے خیال میں آنے والے دس برسوں میں ہمارا ملک امریکہ ایک بالکل مختلف جگہ بن جائے گا جس کا صرف نام وہی ہو گا جو لگ بھگ اس وقت ہے۔ (جنگ، سنڈے میگزین، 12 اگست 2007ء)

ختم شد

Marfat.com

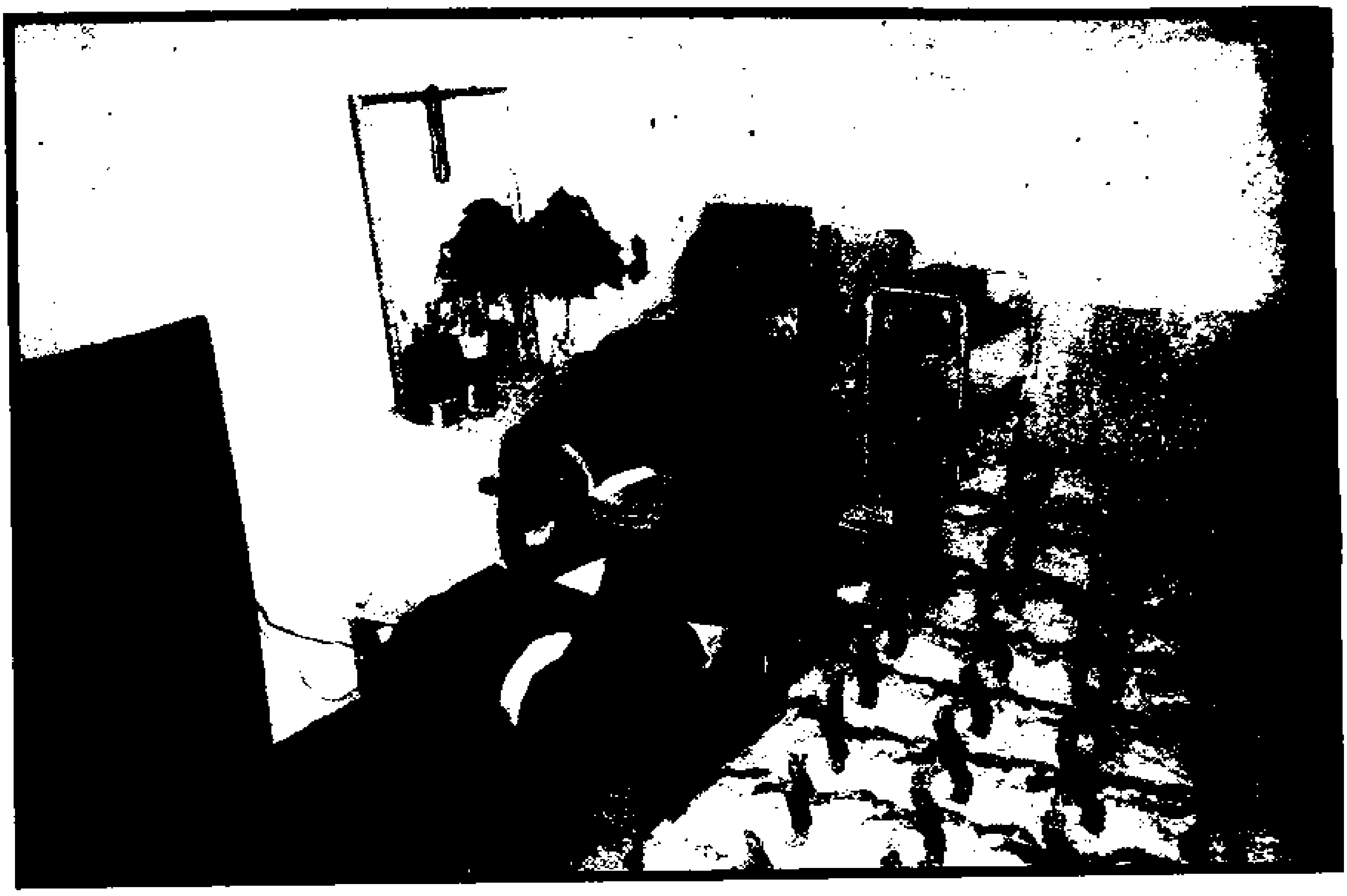

بالٹی مور امریکہ۔ مصنف اپنے گھر میں

Marfat.com

"آزادی کی قیمت"

کے بعد

محترم میاں محمد ابراہیم طاہر

کی نئی کتاب

شکنتلا سے فاطمہ تک

پیشِ خدمت ہے

ایک ہندو خاتون شکنتلا کی سچی داستان جس نے دیوی دیوتاؤں کو ٹھوکر مار دی۔ اس نے اپنے امیر ترین والدین، کامیاب وکیل خاوند اور جگر کے ٹکڑے 14 سالہ بیٹے کو چھوڑ کر 1947ء میں اسلام کے دامن میں پناہ حاصل کی، تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور سچی مومنہ، پکی پاکستانی کی زندگی گزار کر خاکِ پاک اوڑھ کر ارضِ پاک میں محوِ خواب ہے۔

جذبات کو جھنجھوڑ دینے والی ناقابل فراموش داستان

صفحات :256 قیمت =/250

مکتبہ داستان

26-پٹیالہ گراؤنڈ لنک میکلوڈ روڈ لاہور۔ فون: -7356541-7321898

Marfat.com

Marfat.com

کچھ میاں محمد ابراہیم طاہر کے بارے میں!

کتاب ہذا کے مصنف اور مرتب میاں محمد ابراہیم طاہر نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز 1953ء میں لائل پور (فیصل آباد) سے اپنے وقت کے انتہائی موقر و مؤثر اور مقبول عام اخبار ''زمیندار'' کے نمائندے کی حیثیت سے کیا اور مولانا ظفر علی خان مرحوم و مغفور سے ''صحت صحافت'' کی تربیت حاصل کی۔ پاکستان کے پہلے مارشل لاء اور دور ایوبی میں جب صحافت کو پابند سلاسل کرنے اور ''لفافہ جرنلزم'' کو فروغ دینے کی کوششوں کا آغاز ہوا تو میاں محمد ابراہیم طاہر نے رزق حلال کے حصول کے لئے اکاؤنٹس کے شعبے کا انتخاب کر لیا اور پاکستان کی بعض نمایاں اور بین الاقوامی شہرت یافتہ کمپنیوں میں اعلیٰ عہدوں پر کام کیا۔ انہیں پڑھنے لکھنے کا شوق بچپن سے تھا، کئی ممالک کی سیاحت کر چکے ہیں جن میں بھارت، افغانستان، جرمنی، مشرق وسطی، ہالینڈ، بلجیم، ڈنمارک، فرانس، انگلینڈ اور امریکہ خصوصی طور پر شامل ہیں۔ ان کے بیشتر سفرنامے موقر اردو روزنامہ ''نوائے وقت'' میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔

شعر و شاعری سے بھی لگاؤ رہا ہے۔ تمباکو نوشی، پان خوری اور منشیات سے ہمیشہ بے زاری رہی، اسی لئے انہوں نے سگریٹ نوشی کے خلاف تحریک بھی چلائی۔ سماجی، فلاحی اور رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہیں۔ انہیں اچھی مذہبی، علمی، تاریخی، سیاسی، ادبی اور معلوماتی کتب جمع کرنے کا شوق جنون کی حد تک ہے۔ سادگی پسند ہیں، بے جا نمود و نمائش، غیر ضروری رسم و رواج، منگنی، سالگرہ اور رسومات شادی بیاہ پر بے جا اسراف کے سخت خلاف ہیں۔ آج کل اپنے سفرناموں کو کتابی شکل میں ترتیب دینے میں مصروف ہیں۔ ان کی اولین تصنیف ''عالمی سفرنامہ'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے، جسے بہت سراہا گیا۔ جرمنی، امریکہ، بھارت، انگلینڈ اور افغانستان کے سفرنامے الگ الگ کتابی شکل میں زیر ترتیب ہیں۔

Marfat.com